محسن انسانیت

صلی اللہ علیہ وسلم

مخالفتوں کے طوفان سے گذرتے ہوئے

تلواروں کی چھاؤں میں.....

"انا نبی الرحمۃ"

انا نبی الملحمۃ"

○

"میں رحمت کا پیغامبر ہوں"

"میں معرکوں کا پیغامبر ہوں"

یوں نہیں، بلکہ اللہ حق کو

باطل سے ٹکرا دیتا ہے!

پھر وہ اس کا سر کچل دیتا ہے

تب وہ (باطل) رفو چکر ہو جاتا ہے۔ (الانبیاء۔۱۸)

دعوت حق کا قافلہ وادیٔ سینا سے چلے یا فاران کے دامن سے، اس کی راہ تلواروں کی چھاؤں میں سے ہو کر گذرتی ہے۔

اسلام کی انقلابی تحریک دلیل کے زور سے دلوں کی دنیا فتح کر رہی تھی۔ وہ قبائلی انتشار کے مقابلے پر ایک نظام اخوت کو نشو ونما دے رہی تھی، وہ غیر منظم انبوہوں کو تنظیم کے راستے پر ڈال رہی تھی، وہ لاقانونی اور نراج کی جگہ ایک جمہوری دستوری

ریاست اور قانون وعدالت کے ادارے تشکیل دے رہی تھی۔ وہ سوئی ہوئی علمی قوتوں میں تحریک پیدا کر رہی تھی۔ جہالت کی تاریکیوں میں علم کی مشعلیں روشن کرتی جارہی تھی۔ وہ خدا پرستی کی مردہ اور گمشدہ روح کا احیاء کر رہی تھی۔ وہ اخلاقی قدروں کے بجھے ہوئے دیوں کو جگمگا رہی تھی۔ وہ قدیم جاہلی نظام سے اکتائی ہوئی دنیا کو اور معاشی ومعاشرتی حیثیت سے پسے ہوئے طبقوں کو سماجی انصاف کی جنت کا راستہ دکھا رہی تھی اور اس کی گود میں انسانیت کا ایک اعلیٰ ترین نمونہ تشکیل پا رہا تھا۔ مقابلے پر وہ جاہلیت تھی جس کے پاس کوئی حرکت انگیز نظریہ نہ تھا جو انتشار مزاج کا تحفظ کر رہی تھی، جو نفس پرستانہ معاشرہ چلا رہی تھی جس نے مذہب کو ایک افیون بنا دیا تھا اور اس کی بنا پر مقدس کاروبار چل رہے تھے رہی سہی قدیمی اخلاقی قدار بھی اس کے ہاتھوں تباہ ہو رہیا تھیں، غرضیکہ وہ آزادی، امن، انصاف اور ترقی کی راہ میں رکاوٹ بن رہی تھی۔ اپنی اسی کمزوری کی وجہ

سے وہ پسپا ہوتے ہوتے زچ ہوتی جارہی تھی۔ اس کے دلائل کے ترکش خالی ہو چکے تھے۔ اس کے تشدد کے ہتھیار کند ہوتے جارہے تھے۔ اس کی سازشیں ناکام ہورہی تھیں۔ اس کا انسان ذلیل سے ذلیل تر ہوتا جارہا تھا۔

جاہلیت کے قائدین اعلیٰ نے اپنی طرف سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے رفقاء کو مکہ سے نکال کر بڑا کاری وار کیا تھا۔ لیکن بہت جلد انہیں اندازہ ہو گیا کہ بیعت عقبہ کے ذریعہ حضورؐ کو انصار کا تعاون حاصل ہو جانے کے معنی یہ ہیں کہ اب مدینہ تحریک اسلامی کا ایک مضبوط مرکز بنے، وہاں ایک نظام حکومت نمودار ہو اور پھر مسلم معاشرہ ایک ایسی قوت بن کر سامنے آئے جس کا راستہ روکنا ہرگز ممکن نہ رہے۔

پھر حضورؐ نے مدینہ پہنچ کر مدینہ کے یہودیوں اور دوسرے قبائل سے سیاسی معاہدات استوار کر لئے تو قریش کے

لئے خطرہ واضح تو ہوگیا۔ اس کے بعد نور آسرور عالمؐ نے دفاعی قوت کی تنظیم کا آغاز کیا اور ریاست مدینہ کی سرحدات کی نگرانی اور ملحقہ علاقوں میں دشمن کی نقل وحرکت کی دیکھ بھال کے لئے طلایہ گردی کے طور پر مہمات بھیجنا شروع کیں تو قریش کے سامنے بہت سارے نئے خوفناک امکانات آ گئے۔ ان کی شام کو جانے والی تجارتی شاہ راہ مدینہ کے قریب سے ہوکر گذرتی تھی۔ اور اب سارے تجارتی نظام کے تباہ ہونے کا خطرہ پیدا ہوگیا بلکہ سعد بن معاذ کو جب حرم میں عمرہ کرنے سے ابوجہل نے روکا تو انہوں نے صاف صاف انتباہ دیا کہ ایسا کرو گے تو تمہاری تجارتی شاہ رگ کاٹ دی جائے گی۔ حضورؐ اور ان کے ساتھ جو پہلے بالکل ان کے پنجے میں جکڑے ہوئے تھے اب ان کی گرفت سے آزاد تھے۔ پہلے صرف داعی تھے اور اب وہ اقتدار سے بھی بہرہ مند تھے۔ پہلے مظلوم تھے اور ہر ظلم پر صبر کرنا ان کا شیوہ تھا مگر اب وہ ظلم کا توڑ کرنے کے قابل ہوگئے تھے۔

قریش سچائی کی دعوت کی مخالفت کے مختلف مراحل طے کرتے ہوئے اب جس مقام تک آ چکے تھے اس سے اگلا قدم لازمی طور پر معرکہ کارزار گرم ہونا ہی ہو سکتا تھا۔ تحریک اسلامی کے نقیبوں کو بدترین مظالم کا نشانہ بنانے اور حضورؐ کے قتل کے منصوبے باندھنے کے بعد لازماً ان کے اندر ایک قاتلانہ اور خونخوار ذہنیت پک چکی تھی۔ ادھر حضورؐ نے دور نو کی تعمیر کے لئے جو تھوڑی سی پونجی مدینہ میں جمع کی تھی اور جس کے بل پر نئی ریاست کا سنگ اساس رکھا جا چکا تھا اس کے تاراج ہونے کے معنی سارے کئے کرائے کام کے خاتمے کے تھے۔ کجا کہ نظام حق پوری طرح برگ و بار لائے اس کی نشو و نما اور حفاظت کے معاملے میں رفتار وقت کا لحاظ بڑا ضروری تھا۔ اگر ہر خطرے کو وقت پر محسوس نہ کیا جائے اور وقت پر اس کے انسداد کی تدبیریں نہ جائیں تو کسی قیادت کی اس سے بڑی کوتاہی کوئی نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ جو اقدام جس بہترین وقت پر..... بلکہ بہترین

اول وقت پر..... ہونا چاہتے۔ ٹھیک اسی وقت پر ہو۔ ورنہ برق رفتار زمانہ کبھی بھی رک تھم کر کسی کی راہ نہیں دیکھا کرتا۔ ہر دعوت وتحریک کو اپنا ہی آپ نہیں دیکھنا ہوتا۔ بلکہ اپنے آپ کو حریف طاقتوں کے مقابل رکھ کر دیکھنا ہوتا ہے کہ کب کون کتنی آگے اور کون کتنی پیچھے جارہی ہے۔ محسن انسانیتؐ اور آپؐ کے ذہین رفقاء کو خوب معلوم تھا کہ ہجرت کی فصل سے آگے کا باب لازماً جہاد کا باب ہے اور بقاء کی راہ قریش کی تلواروں کے درمیان سے ہوکر نکل رہی ہے۔ اس لئے مہاجرین کی بحالی اور مدینہ کے لئے توازن قوت کے قائم ہوتے ہی حضورؐ نے ایک ریاست کے سربراہ کی حیثیت سے دفاعی انتظامات کی طرف پوری توجہ صرف کی۔

اسلامی نظریۂ جہاد

یہاں ہم اس اصولی حقیقت کو اجمالاً بیان کرنا ضروری

سمجھتے ہیں کہ جہاد کسی بھی ریاست کا ویسا ہی طبعی وظیفہ ہے جیسا کہ انسداد جرائم کے لیے پولیس اور عدالت کا انتظام اس کا فطری عمل ہے۔ لیکن ایک نوخیز ریاست، ایک نوتشکیل یافتہ معاشرہ اور اپنے زمانہ کی ابتداء کرنے والا ایک نظام تو قطعی طور ہوتا ہے کہ وہ عین اپنی بقا اور نشوونما کے لیے ایک سنگین دور جہاد گذارے۔ خصوصیت سے جب کوئی جدید ہیئت اجتماعیہ کسی انقلابی نظریے پر اُٹھی ہو تو اس کے مقابلے میں لازماً قدیم انقلاب دشمن طاقتیں صف بستہ ہو کے آتی ہیں۔ ایسی انقلاب دشمن طاقتوں کے مقابلے میں محض دفاع ہی کافی نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کو تہس نہس کیے بغیر قطعاً ممکن ہی نہیں ہوتا کہ کوئی انقلاب اپنی موجودہ حدود اور معیار پر بھی قائم رہ سکے۔ سو اسلامی نظریۂ جہاد یہیں تک نہیں جاتا کہ کوئی حملہ کرے تو چاروناچار اس کا سامنا کرلیا جائے بلکہ وہ یہ رہنمائی دیتا ہے کہ اسلامی انقلاب کے داعی ایک طرف اپنی ریاست کے موجودہ وجود کے ایک

ایک ذرے کو بچا رکھنے کے لیے بوقتِ ضرورت جان و مال کی قربانیاں دیں، دوسری طرف لاکھوں بندگانِ خدا کو ظلم، جہالت، معاشی خستہ حالی اور اخلاقی پستی سے نکالنے اور انقلاب کی تکمیل کرنے کے لیے انقلاب دشمن طاقتوں کی سرکوبی کریں۔ اس کے علاوہ کسی انقلابی نظریہ پر استوار ہونے والی ریاست کے لیے کوئی چارہ نہیں ہے۔ (یہاں ہم ایک شبہ کا ازالہ کرنے کے لیے یہ ضروری وضاحت کرنا چاہتے ہیں کہ اصلاح و تعمیر کا کوئی بھی کام کسی بھی دائرے میں کیجیے اس کے لیے کسی نہ کسی نوع سے قوت کا استعمال ناگزیر ہو جاتا ہے۔ جس طرح ماں باپ اپنے بچوں کی بہتری کے لیے اور حکومتیں باشندوں کی بہتری کے لیے دلیل، نصیحت اور تعلیم و تربیت کے ساتھ قوت سے کام لیتی ہیں۔ اسی طرح اصلاحی و تعمیری انقلابوں کے علمبردار بھی کسی نہ کسی حد تک قوت کے استعمال پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ کہنے کو کہا جا سکتا ہے کہ عرب کے جاہلی دور میں قبائلی نظام کی جو کچھ بھی

شکل کارفرما تھی اور عوام اس کے تحت جس بھی حالت پر پڑے تھے اسے بدلنے کا کسی کو استحقاق ہی کیا تھا؟ اصلاح وتعمیر کے لیے کوئی انقلاب اٹھانا اور پھر اس کی تکمیل چاہنا اور اس سلسلے میں قوت سے کام لینا سرے سے جائز ہی کیوں مانا جائے۔ اس اعتراض کو اگر کچھ بھی وقعت دی جائے تو پھر کسی باپ یا ماں کو آپ آخر یہ حق کس بنا پر دیں گے کہ وہ اپنی اولاد کے ذہن میں کسی خیال کو ٹھونسے، کوئی آداب اس پر مسلط کرے اور کسی اخلاقی شعور سے اسے جبراً آراستہ کرے۔ آپ کسی حکومت کو یہ حق کس بنا پر دیں گے کہ وہ شہریوں کو بعض اعمال سے روکے اور بعض کے کرنے پر قوت سے مجبور کرے؟ وہ جہالت، گندگی، بداخلاقی کے خلاف اصلاحی تدابیر عمل میں لائے اور جو قوت بھی ان تدابیر میں مزاحم ہو اس کی مزاحمت ختم کردے؟ اصلاح وتعمیر کا کوئی کام کسی دائرے میں ممکن التصور نہیں ہے جس میں کوئی مزاحمت نہ ہو اور اس مزاحمت کو ختم کرنے کے لیے قوت سے

کام نہ لینا پڑے۔ آپ اگر مزاحم طاقتوں کو کھلی چھٹی دے دیتے ہیں تو سرے سے کسی اصلاح و تعمیر کا کام ممکن نہیں ہے۔ اصلاح و تعمیر کے ہر اقدام کے حق میں خود فطرتِ انسانی اپنی پوری طاقت سے موجود رہتی ہے۔ پس ایک قوم یا ملک کو پستی سے نکال کر فلاح کی راہ پر ڈالنے کے لیے جب کوئی تعمیری انقلاب نمودار ہوتا ہے تو انسانی فطرت ہی اس کے حق میں سب سے بڑی دلیل بنتی ہے اور یہی دلیل رائے عام کو اس کے حق میں ہموار کرتی ہے۔ رہا یہ امر کہ فطرتِ انسانی کے داعیات چونکہ ابہام کے دھندلکے میں ہونے کی وجہ سے واضح نہیں ہوتے اس لیے وہ قطعی معیار کیا ہے جو بتائے کہ کوئی انقلاب تعمیری و اصلاحی ہے یا نہیں؟ تو اس کے جواب میں محسنِ انسانیت کی دی ہوئی آئیڈیالوجی خدائی ہدایت کو ہمارے سامنے رکھتی ہے۔ انسانوں کے خوشنما دعوؤں کو پرکھنے کی کسوٹی یہ ہے کہ خدا نے اپنے انبیاء کے ذریعے تعمیر و فلاح کے راستے کی نشاندہی کس طرف کی

ہے۔عرب کو نزاج کی حالت سے منظم سلطنت کی بلندی پر لانا، قبائلی ٹکڑیوں کو جوڑ کر ایک سیاسی وحدت بنانا، لاکھوں باشندوں کو علم و اخلاق سے آراستہ کرنا اور انہیں امن و انصاف کا ایک نیا دور عطا کرنا ایک ایسا مقدس کارنامہ ہے کہ اگر اس کے لیے قوت کا استعمال روا نہیں تو پھر سرے سے انسانی تاریخ میں قوت کے استعمال کا کوئی بھی مقام باقی نہیں رہ جاتا۔)

خدا نے توفیق دی تو ہم یہ بحث تفصیل سے کتاب کے اس حصے میں کریں گے جس میں حضورؐ کے دور کی جنگی کارروائیوں کو تفصیل سے لیا جانا ہے۔

اس موضوع پر ایک نہایت غلط بحث نہایت غلط ذہنیت کے ساتھ اہلِ مغرب کی طرف سے اٹھائی گئی اور پھر خود نا آشنا مسلمانوں کا فرنگیت زدہ عنصر بھی پریشان خیالی میں مبتلا ہو گیا۔ معترضین نے ریاستِ مدینہ کی جنگی کارروائیوں کو یہ معنی پہنائے

کہ گویا ایک مذہب کو جبراً لوگوں پر ٹھونسنے کے لیے تلوار کو استعمال کیا گیا۔ حالانکہ معاملہ نرے ایک مذہب کا نہ تھا، ایک انقلابی تحریک کا تھا۔ جس نے جان و مال کی بیش بہا قربانیوں کے بل پر انسانیت کی تعمیر نو کے کام کا آغاز کیا تھا، اور مفاد پرست انقلاب دشمن طاقتیں اس کی تکمیل سے پہلے ہی اسے ملیامیٹ کر دینا چاہتی تھیں۔ پھر معاملہ ایک ریاست کا تھا۔ جس کی نیو ڈالنے کے لیے اس کے معماروں نے تیرہ برس تک انتہائی مظالم سہنے کے بعد گھر بار سب لٹوا دیئے تھے اور بالکل بے وطن اور تہی دست ہو کر انہوں نے اپنے آپ کو ایک چھوٹے سے خطہ میں سمیٹ لیا تھا جہاں وہ اپنی پسند کے نظامِ زندگی کے سائے میں زندگیاں گذار سکیں اور جہاں سے وہ دنیا بھر کو سلامتی کا راستہ دکھا سکیں۔

یہ نیا زرّیں باب جو تاریخ میں کھولا جا رہا تھا اسے مدینہ کے یہودی اور منافق ایک طرف اور مکہ کے قریش اور ان کے

حمایتی قبائل دوسری طرف اور بعد کے دور میں بعض بڑے بڑے بیرونی حکمراں تیسری طرف تکمیل سے قبل ہی غارت کر دینا چاہتے تھے اور مسلم انقلابیوں کو اس کا موقع ہی دینا نہیں چاہتے تھے کہ کہ وہ اس کے اوراق پر زندگی کی تقدیر کو منقش کر سکیں۔ مذہب اسلامی تحریک کا ایک اہم جزو (وہ بھی لفظ مذہب کے ان مسخ شدہ تصورات سے مختلف مفہوم کے ساتھ) ضرور تھا لیکن اس کے ساتھ بہت سے دوسرے اہم اجزاء سے مل کر تحریک نے وجود پایا تھا۔ چنانچہ مدینہ کی ریاست نے مذہب کے محدود دائرے میں غیر مسلم عناصر کو پوری طرح آزادی کی ضمانت فراہم کی۔ انہوں نے مذہب کے لیے نہیں بلکہ تحریک اور دین اور اسلامی ریاست کے تقاضوں کے تحت تلوار ہاتھ میں لی۔ ان کا اصل مسئلہ اپنی اس مقدس سیاسی ہیئت کے بقا اور نشو ونما کا تھا جو سارے عرب اور ساری نوع انسانی کے لیے باعثِ فلاح تھی۔ ان کا وسیع ترین دائرہ کشمکش سیاسی تھا

اور وہ خدا پرستانہ اخلاق کی بنیادوں پر سیاست کاری کا ایک نیا زریں تجربہ شروع کر چکے تھے۔ جس کو قریش اور یہود اور بدوی قبائل فوری طور پر ناکام بنا دینے کے لیے مضطرب تھے۔ اس صورتِ حالات میں یہ لایعنی بحث پیدا ہی کہاں ہوتی ہے کہ حضورؐ اور آپؐ کے ساتھیوں نے تبلیغ کے لیے تلوار استعمال کی یا نہیں؟ یہ سوال ہی کیسے اٹھتا ہے کہ جنگی کارروائیاں دفاعی تھیں یا جارحانہ؟ ۔۔۔۔۔ مگر ہمارے غیر بیں مسلمانانِ کرام نے ان لایعنی بحثوں کو قبول کر لیا اور ان کی ناپاک اور یاوہ روحِ استدلال کو تسلیم کر کے انھوں نے اپنے دامنِ تاریخ سے بزعم خویش کچھ شرمناک دھبے دھونے کے لیے کاغذی گھاٹ کھول دیئے اور اپنے اوپر سے سارا اعتماد ختم کر کے مستشرقین کے نظریاتی دربار میں بڑی لجاجت سے معذرت خواہی پر اتر آئے۔ انھوں نے اسلام کا نہایت غلط اور محدود تصور ذہنوں میں بٹھا لیا اور پھر نظریہ جہاد کو بالکل مسخ کر کے رکھ دیا۔ ان کے

مغربی ائمہ تہذیب کا اپنا حال یہ ہے کہ ان کے مذہبی اکابر نے محض نفسانیت کے لیے اور ان کے تاجداروں نے فقط توسیع سلطنت کے لیے جو گھناؤنی جنگیں ماضی میں لڑی ہیں وہ ان کی دنیائے شعر و ادب میں آج تک سرمایۂ افتخار بنی ہوئی ہیں۔ مختلف ممالک کو غلام بنانے کے لیے جو ظالمانہ کارروائیاں کی گئی ہیں ان کے گیت ہمیشہ فخر و مباہات کے ساتھ گائے گئے ہیں۔ اور خود محکوم قوموں کے ذہنوں میں بسا دیئے گئے ہیں۔ ان کے بحری قزاقوں کے جرائم اگر نوآبادیاتی مہموں میں مقید بیٹھ گئے ہوں تو ان کو انھوں نے ہمیشہ کے لیے اپنا ہیرو بنالیا ہے۔ لیکن اگر مدینہ کی اسلامی ریاست چوطرفہ خطروں میں گھرے ہوئے نظام کا تحفظ اور بعض جان لیوا اور خنامی قوتوں کا انسداد کرنے کے لیے، نیز وحدت، نظم، امن و سلامتی، عدل، آزادی اور جمہوریت کی نعمتوں سے خود اپنے ہی ملک کو مالا مال کرنے کے لیے بالکل بے لوث جد وجہد کرتی ہے تو اس کے خلاف چارج

شیٹ مرتب کرنے اور مقدمہ ثابت کرنے کے لیے مغرب کے بے شمار بہترین دماغ یکے بعد دیگرے اپنی کاوشیں کھپاتے چلے جاتے ہیں۔ وقت آ گیا ہے کہ اب خود ان مدعیوں اور ان وکیلوں کے خلاف تاریخ کی عدالت میں علمی مقدمہ چلایا جائے اور ان کی دسیسہ کاریوں کا پول کھولنے کے لیے فرد قرارداد جرم مرتب کی جائے۔ ہمارے یہ ملی ضرورت ملتظر ہے کہ تاریخ و سیرت کے نوجوان طالب علم اس فریضہ کی ادائی کے لیے آگے بڑھیں۔

ہمارا نظریہ جہاد قطعاً اس محدود دفاعی تصور پر مبنی نہیں ہے جو عام طور پر ذہنوں میں رچا بسا ہوا ہے۔ البتہ وہ اس معنی میں دفاعی ہے کہ:

..... اس کا مقصد قائم شدہ اسلامی ریاست اور اسلامی سماج کا تحفظ ہے۔

..... اس کا مقصد اس آئیڈیالوجی کا تحفظ ہے جس کی اساس پر نظامِ حق قائم ہوتا ہے۔

..... اس کا مقصد ہر اس نعال تخریبی قوت کا انسداد ہے جو اسلامی انقلاب کے کیے ہوئے کام کے لیے باعثِ خطر ہو اور جو اس کی تکمیل میں حائل ہونے والی ہو۔

..... اس کا مقصد ہر ایسے ظالمانہ اقتدار ..... خواہ وہ سیاسی ہو، معاشی ہو، مذہبی ہو یا معاشرتی ..... کا قلع قمع کرنا ہے جو تہذیب کے نشو و ارتقا اور انسانیت کی بھلائی کے راستے کا روڑا بن رہا ہو۔

قرآن کا فلسفۂ جنگ

یہاں تفصیلی بحثوں کا موقع نہیں، تاہم قرآن کی دو تین انتہائی ضروری آیات کو نگاہ میں رکھنا ضروری ہے۔ کہا گیا ہے کہ .....:

☆ ..... ''ان لوگوں کو (تلوار اٹھانے کی) اجازت دی جاتی ہے جن کے خلاف جنگ چھیڑی جارہی ہے..... کیونکہ ان کو ظلم کا نشانہ بنایا گیا ہے اور (ان مظلوموں کے مخالفین کان کھول کر سن لیں کہ) اللہ ان کی مدد کرنے کے لیے پوری پوری طاقت رکھتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو کسی جائز بنیاد کے بغیر محض اس بنا پر گھروں سے نکالے گئے ہیں کہ ان کی پکار یہ ہے کہ ''اللہ ہی ہمارا رب ہے۔'' اور اگر اللہ تعالیٰ (یوں اذنِ جنگ دے کر) کچھ لوگوں کو (جو بگاڑ کے علمبردار ہیں) کچھ دوسرے لوگوں کے ہاتھوں (جو اصلاح و تعمیر کے داعی ہیں) اقتدار سے برطرف نہ کرادے تو (بدی کے زور پکڑ جانے کے باعث) درویشوں کے صومعے، نصاریٰ کے گرجے، یہودیوں کے معبد اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں کثرت سے خدا کا نام پکارا جاتا ہے اُجڑ جائیں۔ اور اللہ تو ان ہی کی مدد کرے گا جو اللہ کے کام میں اپنا تعاون پیش کرتے ہیں اور یقیناً (ان کو مدد دینے کے

لیے) اللہ پوری طاقت رکھتا ہے اور غالب و برتر ہے۔

یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین میں اقتدار دیں تو یہ (نفس پرستی اور غارت گری میں پڑنے کے بجائے) نماز قائم کریں گے۔ زکوۃ دیں گے۔ نیکی کا حکم دیں گے اور ناپسندیدہ (برائیوں) کا انسداد کریں گے اور کشمکش کے ایسے تمام معاملات کا انجام اللہ کے اختیار میں ہے۔" (حج ..... ۳۹ تا ۴۱)

☆ ..... خدا کی راہ میں (اس کے نظامِ حق کی اقامت اور تحفظ کے لیے) ان لوگوں سے جنگ کرو جو تمہارے خلاف لڑیں۔ لیکن زیادتی (تفسیری نکات بیان کرنے کا یہ موقع نہیں ..... لیکن اتنا اشارہ کر دینا ضروری ہے کہ زیادتی سے روکنے کا وسیع مفہوم یہ ہے کہ ایک تو گندم کے ساتھ گھن نہ پیسا جائے۔ یعنی جو عنصر بالفعل پُر امن ہو اس پر قوت آزمائی نہ کی جائے۔ دوسرے جنگی کارروائی اس حد سے زیادہ نہ کی جائے جتنی بالکل ناگزیر

ہو، اور تیسرے دورانِ جنگ میں اسلام کے اخلاقی حدود کا پورا احترام کیا جائے۔ اور قانونِ جنگ کو ملحوظ رکھا جائے۔) نہ کرو۔ اللہ کو زیادتی کرنے والے لوگ پسند نہیں ہیں۔ دشمنوں کو جہاں بھی پاؤ ان کو جیتا نہ چھوڑو اور جہاں سے تم کو انھوں نے نکال دیا تھا تم بھی ان کو نکال باہر کرو کیونکہ فتنہ و شر (اقامتِ حق میں مزاحمت) کا ہونا قتل سے زیادہ بڑی برائی ہے۔ ان کے خلاف مسجدِ حرام کے ماحول میں نہ لڑو، تا آنکہ وہ (خود ہی اس حرمت کا پاس ختم کر کے) تم سے لڑیں۔ پھر اگر وہ واقعی (حدودِ حرم میں) تم سے جنگ آزما ہوں تو تم بھی (کسی جھجک کے بغیر) ان سے جنگ کرو۔ ان کافروں (یعنی اسلامی انقلاب کے دشمنوں) کو اسی طرح یفر کردار تک پہنچایا جا سکتا ہے پھر اگر وہ باز آ جائیں تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور (ہاں) ان کے خلاف اس وقت تک جنگی کارروائی جاری رکھو کہ نظامِ حق کی راہ سے مزاحمتوں کا قلع قمع ہو جائے اور پورے کا پورا نظامِ حیات اللہ کی ہدایت کے

تابع ہوجائے۔ پھر اگر وہ مزاحمت چھوڑ دیں تو ان پر ۔۔۔ ماسوائے مجرمین کے۔۔۔کوئی گرفت نہیں۔'' (بقرہ.....۱۹۰ تا ۱۹۳)

☆.....''تمہیں ہوکیا گیا ہے کہ تم خدا کی راہ میں.....اور خصوصاً ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کو ظلم سے بچانے کے لیے جنگ کرنے کو نہیں اُٹھ رہے ہو، جن کا حال یہ ہے کہ وہ دعائیں کرتے ہیں کہ ''اے ہمارے رب! ہمیں اس بستی سے نکال جہاں کے لوگ ظالم ہیں اور ہمارے لیے اپنی جناب سے کسی کو حمایتی بنا کے بھیج، اور اپنی جناب سے کسی کو ہمارا مددگار بنا کے اُٹھا'' (نساء.....۷۵)

☆.....پھر اگر وہ قول وقرار کرنے کے بعد اپنے پیمان توڑ دیں اور تمہارے معاملات میں نشتر زنی کریں (اور یہ ثابت کردیں کہ وہ شرانگیزی پر تُلے ہوئے ہیں) تو تم ان مخالفِ اسلام طاقتوں کے سربراہ کاروں کے خلاف دھاوا بولو۔ ان کے لیے

پیمان کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ شاید (تم ان کی خبر لو تو) یہ باز آجائیں۔ کیا تم ایسے ٹولے کے خلاف نہیں لڑو گے جنہوں نے عہد و پیمان توڑ ڈالے اور جنہوں نے (اسلامی تحریک کی جڑ اکھاڑنے کے لیے) رسولؐ کو (مدینہ سے) نکال دینے کے منصوبے باندھے اور جنہوں نے تمہارے خلاف شرارت کرنے میں پہل کی ہے۔" (توبہ.....۱۲)

☆ ....."اگر تم (جہاد کے لیے) نہیں نکلو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو دردناک سزا دے گا اور تمہاری جگہ اقتدار پر کسی اور گروہ کو لے آئے گا جس کا تم بال بھی بیکا نہ کر سکو گے اور اللہ ہر اقدام پر قادر ہے۔" (توبہ.....۳۹)

اسلام کے نظریہ جہاد اور حضورؐ پاک کی اختیار کردہ جنگی پالیسی پر قرآن میں اور بہت سے اہم اور غور طلب مقامات ہیں۔ لیکن ہم نے نہایت ہی واضح قسم کی وہ آیات لے لی ہیں جن سے اصولی باتیں اخذ ہو سکتی ہیں۔ ان آیات میں جو نکات

ذہن نشین کرائے گئے ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔ بہ حیثیت مجموعی اسلامی جماعت سالہا سال سے مظلومی کے مقام پر چلی آ رہی تھی اور حضورؐ اور آپؐ کے ساتھیوں کو مکہ بدر کر کے اجتماعی ظلم کا آخری وار کیا جا چکا تھا۔ مقابل کی طاقت کا موقف شروع سے ظالمانہ تھا، کیونکہ وہ مسلم معاشرہ کو پنپنے نہیں دے رہی تھی وہ یہ موقع نہیں دے رہی تھی کہ حق شناس لوگ اللہ کو اپنا رب بنا کے اس کی ہدایت کے تحت زندگیوں کی تشکیل کر سکیں۔ وہ عقیدہ و رائے، اظہارِ خیال، دعوتِ حق اور جماعتی تنظیم کی آزادیوں کو سلب کیے ہوئے تھی اور اس نے کئی سال تک شانِ بردبیت کے ساتھ شریف، پُرامن اور صبر کیش مسلم انقلابیوں پر تشدد کے وار کیے تھے اور بالآخر ان کے لیے اپنے زادِ بوم میں سانس لینے کا موقع ہی نہ چھوڑا۔

۲۔ اسلام اپنے مخالفین کو زیادہ سے زیادہ حد تک بات کو

سمجھنے اور تبدیلی قبول کرنے کا موقع تو دیتا ہے اور یہی موقع فراہم کرنے کے لیے وہ اپنے پیروؤں کو ایک دورِ صبر سے گذارتا ہے لیکن وہ اسے گوارا نہیں کرسکتا کہ اس کے صبر کیش علمبردار مستقل طور پر مظلومی میں پڑ کر ظالموں کے کبرِ نفس کی غذا بنتے رہیں اس کا منشاء انسانی تمدن میں کچھ درندوں کو پال رکھنے کے لیے سستے شکار فراہم کرنا ہرگز نہیں ہے، وہ اپنے صبر کیشوں کو تیار ہی اس لیے کرتا ہے کہ وہ ظالم طاقتوں کا استیصال کر کے انسانیت پر فلاح کی راہیں کھول دیں۔

۳۔ظالم اور تخریب پسند طاقتوں کا استیصال اس بنا پر ایک نہایت ہی اہم تمدنی ضرورت ہے کہ اگر فاسد گروہوں کو بزورِ اقتدار سے ہٹا نہ دیا جائے اور ان کو کام کرنے کی چھوٹ ہمیشہ کے لیے حاصل رہے تو خدا پرستی اور نیکی اور شرافت کی ساری قدریں غارت ہو کے رہ جائیں۔

۴۔ اسلامی نظریہ انقلاب بوقت ضرورت قوت شمشیر کا استعمال کر کے اقتدار کو ایسے ہاتھوں سے سلب کر لینا چاہتا ہے جو انتشار، جہالت، بدی اور ظلم کے پشت پناہ ہوں اور ایسے ہاتھوں میں دینا چاہتا ہے جو خدا پرستی اور نماز و زکوٰۃ کے نظام کو قائم کریں جو نیکیوں کو فروغ دیں اور برائیوں کا سدباب کریں۔

۵۔ ''ان لوگوں سے جنگ کرو جو تمہارے خلاف لڑیں'' کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اگر کبھی مخالفین تمہارے اوپر چڑھائی کر دیں تو تم کچھ تھوڑا بہت بچاؤ کر لیا کرو۔ یہاں اشارہ یہ ہے کہ ایک تو وہ لوگ ہیں جو مخالفت و مزاحمت میں فعال نہیں ہیں سو ان سے تعرض کرنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن وہ لوگ جو تمہارے کام میں مزاحمت ڈالتے ہیں اور لڑ کر تمہیں اور تمہارے نظام کو ختم کر دینے کے درپے ہیں۔ ان کے خلاف تو تلوار اٹھائے بغیر چارہ نہیں ہے۔ ضروری نہیں کہ اسلامی ریاست پر ان کے حملہ آور ہو جانے ہی کا انتظار کیا جائے۔ بلکہ وہ جہاں

کہیں بھی ہوں ان کی سرکوبی کی جائے۔ اس کی واضح دلیل بھی سامنے رکھ دی گئی ہے اور وہ یہ کہ قتل مقاتلہ فی نفسہ کوئی اچھا کام نہیں، لیکن دوسری طرف اسلامی تحریک اور اسلامی نظام کے خلاف فتنہ یا مزاحمت کی موجودگی کئی گناہ زیادہ بڑی برائی ہے جسے اگر پنپنے دیا جائے تو سرے سے وہ اسلام ہی کی جڑیں اکھاڑ پھینکے۔ اس لیے ناگزیر ہے کہ اس بڑی برائی سے بچنے کے لیے خنجر جہاد کو متحرک کیا جائے۔ اس وقت تک پوری قوت سے معرکہ آرائی کی جائے کہ راہ حق کی مزاحم طاقتوں کی سرکوبی ہو جائے اور پورے کے پورے دائرۂ حیات میں خدا کا پورے کا پورا دین جاری ہو جائے۔

۶۔ جہاں یہ تاکید کی گئی کہ دینی شعائر کی حرمتوں کا پورا پورا لحاظ رکھا جائے وہاں اس غلط تصور تقویٰ سے مسلمانوں کو بچایا گیا کہ اگر مخالفین ان حرمتوں کو توڑ کر درازدستی سے کام لیں تو تم چپ چاپ ذبح ہوتے رہو اور دم نہ مارا کرو کہ ہم تو حرم یا ماہِ

حرم کا احترام کرنے پر مجبور ہیں۔ اگر وہ کسی حرمت کو توڑیں تو انہیں بھرپور جواب دیا جائے۔

۷۔ مسلمانوں کا دینی و اخلاقی فرض صرف اپنا ہی بچاؤ نہیں قرار دیا گیا بلکہ انسانیت کے کمزور طبقے اور بے بس عناصر اگر کسی علاقے یا ماحول یا نظام میں پس رہے ہوں اور وہ ظالم طاقتوں سے نجات پانے کے لیے تڑپ رہے ہوں تو اسلامی نظام کا فرض ہے کہ ان کی پکار پر لبیک کہے یعنی اسلامی تحریک جملہ بنی آدم کے لیے نجات دہندہ بنائی گئی ہے اور اس کا حقیقی وسیع فریضہ تہذیب و دین کی اعلیٰ قدروں کا تحفظ ہے۔

۸۔ مزاحمتوں کو توڑنے کے لیے عہد و پیمان بھی ایک پرامن ذریعہ ہے اور اس ذریعہ سے رسولؐ پاک نے پورا پورا کام لیا۔ لیکن عہد شکنی کرنے والوں کے بارے میں قرآن نے سخت تاکید کی کہ ان کا دماغ قوت سے درست کر دیا جائے۔

خصوصاً ایسے عناصر جو عہد توڑ کر اسلامی مرکز کو برباد کرنے، قائدِ نظام کو برطرف کرنے اور قایم شدہ نظم کو اجاڑ دینے کے لیے منصوبے باندھیں اور پھر شر انگیزی میں پہل کریں۔ وہ اگر اعلانِ جنگ نہ بھی کر چکے ہوں تو بھی ان کی ہر حرکت ایک اعلانِ جنگ ہے ان کو پھلنے پھولنے نہیں دیا جا سکتا۔

۹۔ اسی سلسلے میں اس امر پر مسلم حکومت کو توجہ دلائی گئی کہ جنگی کارروائیوں کا اصل مقصود عوام کی جانیں لینا نہیں بلکہ ائمہ کفر اور انقلاب دشمن قیادتوں کو کچلنا ہے۔

۱۰۔ جہاد کے فریضہ کی ادائی میں تغافل کرنے کے معنی یہ بتائے گئے ہیں کہ تمہاری یہ ریاست، تمہارا یہ اقتدار، تمہارا یہ نظام ختم ہو جائے گا۔ تم آگے نہیں بڑھو گے تو مخالف قوتیں لڑ کے آئیں گی اور تمہیں ہٹا کر بلکہ پوری طرح پامال کر کے اپنا سکہ چلائیں گی۔ پھر تم ٹک ٹک دیکھا کرو گے اور دم نہ مار سکو

گے۔ سوچ لو کہ ایسی صورت میں تم کتنے بڑے دردناک عذاب سے گذرو گے۔

تم نہیں، یا ہم نہیں!

ان اشارات کی روشنی میں اسلامی نظریۂ جہاد کو ذہن نشین کیے بغیر ہم ان معرکہ ہائے کارزار کی نوعیت سمجھ ہی نہیں سکتے۔ جو اسلامی انقلاب کے علمبرداروں اور انقلاب دشمنوں کے درمیان واقع ہوئے سمجھنے کی بنیادی حقیقت صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ عرب کے میدان تاریخ میں دو قوتیں متقابل ہوگئی تھیں۔ ایک فاسد اور ظالمانہ جاہلی نظام سے عوام کو نجات دلا کر امن و انصاف کا دور نو پیدا کرنا چاہتی تھی۔ دوسری فرسودہ جاہلی نظام کو جوں کا توں قائم رکھنے کے لیے اسلامی تحریک کو ملیا میٹ کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی تھی۔ دونوں کے نظریات و مقاصد میں کوئی سمجھوتہ ممکن نہ تھا۔ اور نہ لین دین

کر کے فریقین کوئی سودا کر سکتے تھے۔ پوزیشن "تم نہیں، یا ہم نہیں" کی تھی۔ یا مشہور انگریزی محاورے کے مطابق یوں کہیے کہ "تم اسے پہلے مارلو، ورنہ وہ تم کو ختم کر دے گا۔" معاملہ کی نوعیت وہ ہے جو ایک باغبان اور جنگل کے وحشی جانوروں کے درمیان اس وقت پیدا ہو جاتی ہے جبکہ کوئی پیکر عمل اجاڑ زمین کو تیار کر کے اس میں چمن بندی کرنے لگے۔ وہ اگر جنگلی جانوروں سے تعرض نہیں کرتا تو اس کا باغ ختم ہوتا ہے اور باغ کو وہ بچانا چاہے تو جنگلی جانوروں کے لیے اسے بہر حال سنگ دل بننا پڑتا ہے۔ تاریخ میں کوئی بھی جامع انقلاب ایسا نہیں آیا جس کے ظہور پر اس کے علمبرداروں اور مخالفوں کے درمیان یہی فیصلہ کن صورت پیدا نہ ہوگئی ہو۔ یہ حقیقت اگر ذہن نشین ہو جائے تو سرے سے یہ لایعنی بحث غیر ضروری ہو جاتی ہے کہ اسلامی جنگوں کی نوعیت دفاعی تھی، یا نہیں تھی، اس نامعقول اعتراض کا راستہ بھی بند ہو جاتا ہے کہ تلوار کو اپنی بات منوانے

کے لیے استعمال کیا گیا۔ پھر ضرورت یہ بھی نہیں رہتی کہ ایک ایک لڑائی کو الگ الگ لے کر اس کے فوری اور وقتی اسباب و محرکات کی چھان بین کی جائے اور جان بوجھ کر حقائق کو غلط رنگ دینے والوں کو یقین دلایا جائے کہ مسلم حکومت کو یہ جنگ اپنی مدافعت کے لیے چار و نا چار لڑنی پڑی اور اس کی اصل ذمہ داری دوسرے فریق پر تھی۔ آج ہم جب دیکھتے ہیں کہ ہمارے بعض فاضل پیش روؤں نے مختلف جنگوں اور خصوصاً اولین معرکۂ بدر کے محرکات کا تجزیہ کرنے اور حالات کا ایک خاص نقشہ مرتب کرنے میں بڑی طرح دماغ سوزیاں کی ہیں تو حیرت ہوتی ہے کہ ایسی ایسی باریک نکتہ آرائیاں کرنے والوں کو وہ سیدھی سی بنیادی حقیقت کیوں نہ ہاتھ آئی جس کو ایک بار واضح کر کے وہ معذرت خواہانہ نقطۂ نظر سے نجات پا جاتے۔ سیرت پر ان کے انتہائی محنت سے کیے ہوئے قیمتی کارناموں میں ایسی جھلک ملتی ہے گویا کہ یہ منصب تو بس اہلِ مغرب کا ہے کہ وہ

فیصلہ کریں کہ حقیقت کیا تھی اور کیا نہ تھی اور ہم لوگ ان کے دربار میں اپنا صفائی کا بیان مرتب کر کے گھگھیا گھگھیا کے ایک ایک بات پیش کرتے پھریں اور پھر اس عدالت عالیہ کے چہرے کو پڑھا کریں کہ کیسا اثر مرتب ہو رہا ہے۔ ہم مجلس کی اس ترتیب کو بدل دینا چاہتے ہیں۔ اپنے دین، اپنی تاریخ اور اپنے نبیؐ کی سیرت کو سمجھنے سمجھانے والی سب سے بڑی اتھارٹی ہم خود ہیں اور ہمارا دین اور رسولؐ اپنے پاس سے ہمیں فکر و نظر کے معیارات دیتا ہے۔ اولین مرتبے پر ہم خود اپنے معاملات کو جانچنے والے ہیں۔ مغرب کے لوگ ہوں یا شمال کے یا جنوب کے۔۔۔۔۔ یہ ان کا منصب نہیں کہ وہ ہم کو ہمارا دین اور ہماری تاریخ سکھائیں۔ ان کا مقام یہ ہے کہ وہ ہم سے معلوم کریں کہ ہمارے دین و تاریخ کی کون سی حقیقت کیا مفہوم رکھتی ہے۔ یہ ہمارا کام ہے کہ اپنے ماضی کے کارناموں کا مفہوم ہم خود بیان کریں۔ یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اپنے ہاں کی اصطلاحات

کا مدعا سمجھائیں۔ ہمارا دین، ہماری تاریخ اور ہمارے نبیؐ کی سیرت کو سرے سے وہ کسوٹیاں ہی قبول نہیں ہیں جو قدیم عیسائی کلیسا یا جدید مادہ پرستانہ تمدن نے وضع کی ہیں۔ ہم ان باطل کسوٹیوں پر اپنے سرمایۂ ماضی کی جانچ کر کے دکھانے کے لیے تیار ہی نہیں ہیں۔

مدینہ کی جنگی کارروائیوں کی نوعیت

اس جملہ معترضہ کی روشنی میں یہ امر خوب اچھی طرح پیش نظر رکھیے کہ اسلامی ریاست کی جنگی کارروائیاں نہ تو دو سلطنتوں کی باہم آویزی کی نوعیت رکھتی ہیں۔ اور نہ وہ دو مذہبی فرقوں کے تصادم کی تعریف میں آتی ہیں۔ یہاں سکندر اور نپولین کی طرح دنیا کو فتح کرنے کا کوئی منصوبہ نہیں تھا اور نہ ہالینڈ، فرانس اور انگلستان کی طرح آزاد اقوام کی آزادی سلب کر کے نوآبادیات پیدا کرنے کا کوئی پروگرام تھا۔ یہاں ایک

ی ملک اور ایک ہی نسب کے لوگوں کے درمیان کشمکش اس بات پر تھی کہ ایک فریق تعمیر نو کے لیے بے لوث جانفشانیاں دکھا رہا تھا اور دوسرا اسے ناکام بنانے بلکہ صفحۂ ہستی سے محو کر دینے پر تلا ہوا تھا۔ تاریخ کے صالح ترین انقلاب کے خلاف قریش اور یہود اور بدوی قبائل ایک ردعملی جذبے میں بہک کر وہ گھٹیا حرکات، شرارتیں، سازشیں اور قاتلانہ تدبیریں پے در پے کر رہے تھے جن کو ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔ برسوں کے معاندانہ اقدامات کے بعد اب اگلا قدم ان کے لیے رہ ہی گیا تھا کہ وہ خنجر غضب کو بالکل بے نیام کر کے کھلے میدان میں آ جائیں اور بس چلے تو اس جھگڑے کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیں۔ چنانچہ آگے آگے قریش اٹھے اور پیچھے پیچھے دوسرے عناصر!۔۔۔۔۔ لیکن ان کا اپنی ہی قصہ پاک ہو گیا۔ ان جنگوں کی نوعیت..... بلاشبہ تمام ..... ویسی تھی جیسے کہ روس میں انقلاب فروری سے انقلاب اکتوبر تک معرکہ آرائیاں ہوئیں یا انقلاب فرانس کے زیر عنوان

Source: www.prophetmuhammadforall.org

شاہ پسندوں اور انقلابیوں میں آویزش ہوئی یا جیسے امریکہ میں سول وار ہوئی۔ مکہ اور مدینہ کی لڑائیاں بھی معنوی طور پر ایک طرح کی سول وار ہی تھیں۔ اس سول وار کی اولین بنائے نزاع یہ تھی کہ محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم آبائی نظامِ جاہلیت کی اندھی تقلید کو چھوڑ کر خدا کی ہدایت کے مطابق ایک روشن فکر اختیار کر رہے تھے اور قریش ان کو آزادی ضمیر سے کام لینے کا حق نہیں دینا چاہتے تھے۔ جاہلیت کے پاسبانوں نے جبراً تشدد سے کام لے کر نوجوانوں کی بیدار دل قوت کو اعتقاد و مسلک کی آزادی سے محروم رکھنا چاہا۔ اور اس بیدار دل قوت نے اپنا فطری حق حاصل کرنے اور دوسروں کو اسی حق سے بہرہ مند کرنے کی ٹھانی۔

مدینہ کی ابتدائی ریاست کی دہ (۱۰) سالہ جنگی کارروائیوں کی یہ خاص نوعیت جانی نقصان کے اعداد و شمار سامنے رکھنے سے بخوبی واضح ہو جاتی ہے۔ ماننا پڑتا ہے کہ حضورؐ

Source: www.prophetmuhammadforall.org

نے "کم سے کم خونریزی" کا اصول سامنے رکھا۔ اور برائے نام حد تک قلیل جانی نقصان کے ساتھ دس لاکھ مربع رقبہ کی سلطنت قائم کر دکھائی۔ مسلم شہدا اور دشمن مقتولین کی کل تعداد جو تکمیل انقلاب کے لیے کام آئی وہ علی الترتیب ۲۵۵ اور ۷۵۹ ہے (رحمۃ للعالمین قاضی سلیمان منصور پوری جلد ۲ ص ۲۶۵)۔ کئی لاکھ عربوں کی فلاح کا راستہ کھولنے کے لیے صرف ۷۵۰ جنگجو مزاحمین کا خاتمہ کرنا پڑا۔ اب ذرا اس تعداد کو سامنے رکھ کر معترضین اپنے نظریات و تصورات کو تاریخ میں نصب کر کے دیکھیں۔ یہ جنگیں اگر مذہبی تبلیغ کے لیے ہوئی ہوتیں تو نہ صرف یہ کہ عیسائیوں اور یہودیوں کی طرح ان میں بدترین جفاکاریوں سے کام لیا گیا ہوتا بلکہ اس سے کہیں زیادہ تعداد تو ایک ایک جنگ میں موت کے گھاٹ اتار دی گئی ہوتی۔ اگر فاتحانہ امنگوں کے ساتھ حضورؐ اٹھے ہوتے تو جس طرح بڑے بڑے جنگجوؤں نے دل کھول کر خونریزیاں کی ہیں اور تاریخ کے دامن کو لالہ زار

Source: www.prophetmuhammadforall.org

کردیا ہے اس طرح آپؐ نے بھی ریگستان عرب کے ذرے ذرے کو انسانی خون پلا دیا ہوتا۔ یہ اگر دو مخالف سلطنتوں کی آویزش ہوتی تو بھی جانی نقصان بہت زیادہ ہونا چاہئے تھا۔ اسی طرح اسیرانِ جنگ کی تعداد اگرچہ ۶۵۶۴ تھی لیکن ان میں سے صرف دو قیدیوں کو ان کے ثابت شدہ جرائم کی بنا پر سزائے موت دی گئی اور ۶۳۴۷ کو رہا کر دینا ثابت ہے۔ مؤلف رحمۃ للعالمین نے اس بارے میں بڑا تفحص کر کے بتایا ہے کہ صرف ۲۱۵ قیدیوں کے بارے میں ابھی وضاحت نہیں ہو سکی۔ شاید بعد کے لوگ ان کے متعلق بھی تحقیقات کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ اغلب یہ ہے کہ یہ لوگ اسلام قبول کر کے مسلم معاشرہ کا جز بن گئے ہوں گے یہاں تو ایک نشوونما پاتے ہوئے نظام اور اپنی تکمیل کرتی ہوئی ریاست کو داخلی مزاحمت کا سامنا تھا اور ایک ہی سرزمین کے قرابتدار باشندوں کے درمیان آویزش پیدا ہو گئی تھی۔ یہ بہت تھوڑی مدت میں تین چار بڑے بڑے

معرکوں کے بعد بہت تھوڑے جانی نقصان پر فیصل ہوگئی کیونکہ درحقیقت اس کا فیصلہ رائے عام کے وسیع دائرہ میں ہو رہا تھا۔

غور کیا جا سکتا ہے کہ اگر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ صحیح معنوں میں کوئی جنگجو شخصیت میدان میں آئی ہوتی تو کیا یہ ممکن تھا کہ وہ اپنے سپاہیوں کو بدر کے عرصۂ پیکار میں یہ ہدایت دیتی کہ بنو ہاشم کو قتل نہ کرنا کیونکہ وہ اپنی مرضی سے لڑنے نہیں آئے۔ چاروناچار شامل ہیں۔ عباس بن عبدالمطلب اور ابوالبختری بن ہشام کو نہ مارنا (سہواً موخر الذکر مارا گیا) کیا یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ بدر کے قیدیوں کی بےچینی سے متاثر ہو کر مدینہ کا فتح مند حاکم سکون سے سو نہ سکے اور شب میں جا کر ان کی بندشیں ڈھیلی کرائے؟ کیا یہ سمجھ میں آتا ہے کہ خونریزی کے لیے کوئی صاحبِ خنجر اٹھا ہوتا تو وہ عین حالتِ جنگ میں مکہ کی درخواست پر غلہ کی رُکی ہوئی رسد یمامہ سے جاری کراتا۔ بلکہ پانچ سو اشرفیاں قحط زدہ غرباء کے لیے اپنی جانب سے بھجواتا؟ اور پھر فتح

مکہ کے دن جس شخص کا پھریرا آسمانوں میں اڑ رہا تھا وہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے کوئی اور ہوتا اور اس کا مشن نظامِ حق کے غلبہ کے علاوہ کوئی دوسرا ہوتا تو کیا وہ پندرہ بیس برس کے وحشیانہ مظالم کے زخموں کی بھاری تاریخ کو طاقِ عفو پر ڈال کر "لا تثریب علیکم الیوم ..... اذھبوا فانتم الطلقاء!" کا اعلان کر سکتا؟ جی نہیں کوئی دوسرا ہوتا تو مکہ کی گلیوں میں قریشی خون کے دریا بہہ گئے ہوتے۔

دراصل حضورؐ کو چار و نا چار میدانِ جنگ میں اترنا پڑا۔ کیونکہ شہادت گہ الفت کے باہر باہر سے کوئی راہ نصب العین کی طرف جاتی نہ تھی۔ لیکن آپ زمین کے ٹکڑوں کے بجائے روحوں کو فتح کرنا چاہتے تھے۔ آپ تلوار کے زور سے بدنوں کو مطیع بنانے کے بجائے دلیل سے دماغوں کو اور اخلاق سے دلوں کو مسخر کرنا چاہتے تھے۔ آپ کا اصل معرکہ رائے عام کے میدان میں تھا اور اس میدان میں حریفوں نے زک پہ زک

اٹھائی۔ اور تیزی سے بازی ہارتے چلے گئے۔ جنگی کارروائی اس تصادم کا بہت چھوٹا جز ہے جو حضورؐ کو انقلاب دشمنوں سے پیش آیا۔

حضورؐ کا منصوبۂ جنگ

محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگ کی پالیسی کا اساسی کلیہ یہ تھا کہ مخالف عنصر کا خون بہانے کے بجائے اسے بے بس کر دیا جائے۔ تا آنکہ یا تو وہ تعاون کرے یا وہ مزاحمت چھوڑ دے چنانچہ حضورؐ کی حیاتِ طیبہ کے ابواب کو جن محققین و مفکرین نے ہمارے سامنے بے نقاب کیا ہے ان میں ارض ہند و پاک کا ایک مایہ ناز فرزند ڈاکٹر حمید اللہ صدیقی ہے۔ موصوف نے سرورِ عالمؐ کی جنگی پالیسی کو یوں بیان کیا ہے:

"اصل میں آنحضرتؐ نے دشمن کو نیست و نابود کرنے کی جگہ مجبور کرنا پسند فرمایا۔" (عہد نبوی کے میدان ہائے جنگ۔ ڈاکٹر

Source: www.prophetmuhammadforall.org

حمید اللہ صدیقی ص ۴۴)

دوسری جگہ لکھا ہے کہ:

"آنحضرت کی سیاست قریش کو تباہ و نابود کرنے پر نہیں، بلکہ بالکل محفوظ رکھ کر بے بس اور مغلوب کر دینے پر مشتمل تھی۔"
(عہد نبوی میں نظام حکمرانی۔ ڈاکٹر حمید اللہ صدیقی ص ۲۴۹)

اپنے اس نظریے کو حضورؐ کی اختیار کردہ تدابیر کی تفصیل دے کر اور سلسلہ واقعات پر تبصرہ کر کے فاضل محقق نے بڑی خوبی سے ثابت کیا ہے۔ اس پالیسی کے لیے حضورؐ پاک نے عملی خطوط حسب ذیل اختیار کیے:

..... اپنی دفاعی طاقت کو تعداد، تنظیم، جفاکشی جنگی تیاری اور اخلاقی تربیت کے لحاظ سے تیزی سے نشو و نما دی اور پھر اس کی مشین کی طرح نقل و حرکت میں رکھا اور مخالف طاقتوں کو مرعوبیت اور خوف کا ہدف بنایا۔

..... مکہ والوں کی تجارتی شاہ راہ کی ناکہ بندی (Blockade) کر کے ان کا زور توڑ دیا۔

.....معاہداتی رابطوں کے ذریعے مختلف قبائل کو تدریجاً دشمن سے توڑ کر اپنے ساتھ لے لیا۔

.....فوجی کارروائی کے لیے کبھی اچانک کسی موقع پر دشمن کو تیاری کا موقع دیئے بغیر جا لیا (مثلاً فتح مکہ) کبھی غیر متوقع راستے اختیار کر کے اور نقل و حرکت کی منزل مقصود کو اخفا میں رکھ کر مخالف طاقت کو غلط فہمی میں ڈالا۔ (مثلاً غزوہ بنو مصطلق) کبھی اپنا نقطۂ جنگ پہلے سے اپنے حق میں بنا لیا۔ (مثلاً معرکۂ بدر) اور کبھی کوئی ایسی نئی دفاعی تدبیر اختیار کر لی جس کا تجربہ دشمن کو نہ رہا ہو۔ (مثلاً غزوۂ خندق)

ریاست مدینہ کا پورا دہ (۱۰) سالہ نظام دفاع مذکورہ بالا اصولی پالیسی کا بین ثبوت ہے۔ پھر جب ہم اس کے ساتھ سرور

عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عالی ظرفانہ نقطۂ نظر کو لیتے ہیں جو اپنے اندر کسی فاتح کے بجائے ایک مشنری کی سی روح رکھتا ہے اور ایک جنگجو کے سے جذبۂ غیظ وغضب کے بجائے ایک معلم کی سی ہمدردی و خیر خواہی کے گہرے احساس کا ترجمان ہے تو وہ تمام معترضانہ نکتہ آرائیاں عبث قرار پاتی ہیں جو کرنے والوں نے کیں اور پھر ہم ان کی صفائی دینے کے لیے نقشہ واقعات ہی کو مسخ کرنے بیٹھ گئے۔ حضورؐ پاک کے سینے میں انسانیت کے لیے جو ہمدردانہ جذبۂ اصلاح کارفرما تھا اسے عیاں کرنے کے لیے ہم چند موقعوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

مکہ میں جب مظالم کا دور شدت اختیار کر گیا اور قریش کے آفتاب غضب میں بڑی تمازت آ گئی تو اس وقت تشدد کے محاذ پر دو سرگرم ترین افراد حضورؐ کے سامنے تھے۔ ایک ابوجہل اور دوسرے ابن الخطاب ایسے کٹر دشمنوں کے بارے میں کسی دنیوی سیاست کار کا ذہن سخت عناد میں پڑے بغیر نہ رہتا۔ اور وہ

Source: www.prophetmuhammadforall.org

دل سے ان کی ہلاکت کا خواہاں ہوتا لیکن تشدد کی گرم بھٹی میں اذیت پہ اذیت برداشت کرتے ہوئے حضورؐ بہ الحاح یہ دعا کرتے ہیں کہ خدا ان دونوں میں سے کم سے کم کسی ایک کو اسلامی محاذ پر لے آئے۔ یہ دعا گواہی دیتی ہے کہ انسانیت کا معمار اپنے مخالفوں کی ہلاکت پر ان کی اصلاح کو ترجیح دیتا تھا اور آخر دم تک ان سے اچھی امیدیں رکھتا تھا اور یہ دعا حضرت عمرؓ کے اسلام لانے سے پوری ہوئی۔

دوسرا موقع طائف کے باشندوں کے ہاتھوں ان کی خیر خواہی کے جرم میں زخمی ہونے کا ہے۔ دنیوی سیاست کے کسی علمبردار سے اس موقع پر آپ اس کے علاوہ کچھ توقع نہیں کر سکتے کہ اس کے دل کے دروازے ان لوگوں کے لیے ہمیشہ کو بند ہو جائیں اور اس کا بس چلتا تو وہ اسی وقت پوری بستی کو الٹ دیتا۔ ورنہ یہ زخم اس کے کلیجے میں عمر بھر ہرا رہتا اور جب بھی اسے قوت حاصل کرنے کے بعد پہلا موقع ملتا تو وہ ایسے

نا ہنجار شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتا۔ حضورؐ کے ساتھی کا کلیجہ طائف کی اس ظالمانہ کارروائی سے جب شق ہوتا ہے تو وہ فی الواقع اسی نہج پر سوچتا ہے اور عرض کرتا ہے کہ ان لوگوں کے لیے بددعا کیجئے..... بلکہ جبریل بھی جذبۂ پنہاں کے امتحان کے لیے یہ پیش کش کر دیتا ہے کہ اشارہ ہو تو کوہستانوں کا فرشتہ مکہ اور طائف کو پہاڑوں کے درمیان پیس کے رکھ دے۔ مگر حضورؐ کہتے ہیں کہ نہیں یہ لوگ نادانی کی وجہ سے غلط روش پر چل رہے ہیں۔ اگر یہ نہیں مانتے تو ان کی اولادیں سچائی کا پیغام قبول کر کے خدائے واحد کی پرستار بنیں گی۔

تیسرا موقع وہ ہے جبکہ میدانِ اُحد میں مسلمانوں کو بعض کوتاہیوں کی وجہ سے خدا کی طرف سے انتباہاً ہزیمت میں ڈالا گیا تھا۔ اور خود حضورؐ کو شدید قسم کے زخم آئے تھے۔ یہ وقت ایسا تھا کہ انتہائی تلخ جذبات پیدا ہو گئے تھے۔ ان حالات سے بظاہر بجا طور پر متاثر ہونے والے بعض ساتھیوں نے عرض کیا

کہ آپؐ ان مشرکوں کے لیے خدا سے بد دعا کریں کہ ان پر لعنت برسے۔ آپؐ نے جواب دیا کہ مجھے لعنت برسانے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ بلکہ ایک پیغام پہنچانے اور رحمت کا مژدہ سنانے پر مامور ہوں۔ یہ کہہ کر میدانِ جنگ میں حملہ کر کے سخت نقصان پہنچانے والے دشمنوں کے لیے دعا یوں فرمائی کہ "اے اللہ! میری قوم کے لوگوں کو ہدایت دے۔ کیونکہ وہ (اصل حقیقت) جانتے نہیں ہیں۔" یعنی قریش کی تلواروں کے زخم کھا کر بھی یہ جذبہ نہیں اُمڈتا کہ ان کو تہس نہس ہو جانا چاہئے۔ بلکہ حالتِ جنگ میں بھی یہی آرزو اور امید ہے کہ وہ ہدایت پا جائیں۔

غزوۂ خیبر کی مہم کے دوران میں قلعۂ قموص کو فتح کرنے کے لیے حضرت علیؓ کو سرورِ عالمؐ نے علمِ خاص عنایت فرماتے ہوئے تاکید کی کہ:

"اے علیؓ! اگر تمہارے ذریعے سے ایک شخص کو بھی ہدایت ہو گئی

تو یہ تمہارے لیے سب سے بڑی نعمت ہوگی۔''

یعنی اصل مطلوب دشمن کا جانی نقصان اور خونریزی نہیں ہے بلکہ فوقیت اس بات کو ہے کہ زیادہ سے زیادہ افراد کے دل ودماغ میں تبدیلی واقع ہو اور وہ نظامِ نو کو قبول کرلیں۔

یہ چند نمایاں مواقع ہم نے محض بطور نمونہ لے لیے ہیں۔ ورنہ ایسے شواہد کی کمی نہیں جن سے حضورؐ کا بنیادی نقطۂ نظر سامنے آجاتا ہے۔ جنگجوئی اور خونریزی کرنے والے لوگ مغلوب الغضب اور جلد باز ہوتے ہیں بخلاف اس کے ہم انسانیت کے محسن کو ٹھنڈے عزم اور لمبے حوصلے سے آراستہ پاتے ہیں۔ اور آپؐ کی سیاست میں قوت کے استعمال کے بجائے حکمت وتدبیر کی کام کرتی دکھائی دیتی ہے۔ سیاسی حکمت و تدبیر کی کا اس سے بڑا معجزانہ ثبوت اور کیا ہوگا کہ حضورؐ مدینہ میں جاتے ہی مختلف عناصر کو گفت وشنید سے جوڑ جاڑ کر اسلامی سلطنت کی اساس رکھ دیتے ہیں۔ کسی انقلابی نظریے پر بغیر

Source: www.prophetmuhammadforall.org

ایک قطرہ خون بہائے نظامِ ریاست کو یوں استوار کر دینے کی مثال شاید ساری تاریخ میں نہ مل سکے گی۔ صحیح معنوں میں غیر خونی (Bloodless) انقلاب ہمیں یہی ایک ملتا ہے جس کی بنیادوں میں انسانی خون کا ایک قطرہ نہ گرا اور جس کی نیو کے پتھروں میں کسی ایک فرزندِ آدم کا لاشہ شامل نہیں ہے، یہ محیر العقول واقعہ خود مزاج نبوت کی مخصوص شان کا ترجمان ہے۔

یہ بھی نہ بھولیے کہ واقعاتی تاریخ خود گواہ ہے کہ اسلامی ریاست کی ساری جنگی کارروائیاں قریش اور ان یہودی قبائل کے خلاف ہوئی ہیں جنھوں نے اسے مجبور کر کے میدانِ جنگ کی طرف کھینچا ہے۔ بقیہ سارا عرب اپنی معمول کی زندگی میں سرگرم رہا۔ تھوڑے سے علاقے کو چھوڑ کر باقیماندہ خطے میں کوئی لڑائی نہیں ہوئی۔ بلکہ عرب کی عام آبادی دونوں طاقتوں کے مقاصد، کردار اور سیاسی قوت کا خاموشی سے جائزہ لیتی رہی اور

جب مسلم طاقت نے اپنی فوقیت ہر پہلو سے ثابت کردی تو مختلف علاقوں اور قبیلوں کے نمائندہ وفود نے آگے بڑھ بڑھ کر اسلام کو لبیک کہی۔ یہ امر کسی بھی تحقیق پسند کی توجہ کھینچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ تمام بڑی بڑی لڑائیاں بدر، اُحد، احزاب دشمن نے بہ حیثیت حملہ آور مدینہ کے گرد و پیش میں خود آ کر لڑی ہیں اور حضورؐ کو مجبور کر دیا ہے کہ اس سلسلے کا خاتمہ کرنے کے لیے دشمن کے مراکز قوت کو زیر نگیں کریں۔ چنانچہ قریش اور ان کے حمایتیوں کا زور توڑنے کے لیے مدینہ کی طرف سے ایک ہی بار فیصلہ کن اقدام ہوا۔ اور فتح مکہ کے بعد حُنین اور طائف کے معرکوں نے حریف کی قوت ختم کر دی۔ دوسری طرف کم سے کم جانی نقصان کے ساتھ یہود کے اڈے اکھیڑ دیئے گئے۔

ایک وسیع غلط فہمی

غزوات وسرایا کی جو لمبی فہرست حدیث، سیرت اور مغازی کی کتابوں میں ملتی ہے۔ اس کی وجہ سے اغیار تو اغیار، خود مسلمانان کرام بڑی غلط فہمیوں میں مبتلا ہوتے رہے ہیں۔ حالانکہ غزوہ اور سریہ کتب احادیث و مغازی کی خاص اصطلاحات ہیں اور ان کا اپنا اپنا متعین مفہوم ہے۔ فوجی اور دفاعی اقدام، دیدبانی یا طلایہ گردی اور باغیوں یا مجرموں کی سرکوبی یا تعلیم اور دعوت عام دینے یا معاہدہ باندھنے وغیرہ مختلف ضروریات کے تحت جب کبھی کوئی دستہ (خواہ وہ دو ہی نفوس پر مشتمل ہو) بھیجا گیا ہے تو اسے سریہ کا عنوان دیا گیا ہے۔ اور جس دستہ کے ساتھ حضورؐ خود بہ نفس نفیس نکلے ہیں وہ غزوہ کہلایا ہے۔ ضروری نہیں کہ واقعی کوئی تصادم یا کسی اور طرح کی کارروائی عملاً واقع بھی ہوئی ہو۔ علاوہ ازیں اگر کچھ مسلم افراد کو اتفاقیہ کسی تصادم یا سرحدی جھڑپ سے دوچار ہونا پڑا ہو تو ایسے

Source: www.prophetmuhammadforall.org

واقعات کو بھی سرلیا کے زیر عنوان درج کیا گیا ہے۔ اس طرح کے تمام واقعات کو اگر چھانٹ دیا جائے تو صحیح معنوں میں جنگی معرکے صرف چندرہ جاتے ہیں۔ یعنی بدر، احد، احزاب، خیبر، مکہ بمع حنین واضح رہے کہ تبوک اور ملحقہ علاقوں میں جیش عسرت کی ترسیل شام کی غیر ملکی حکومت کی طرف سے اندیشۂ جنگ ہونے پر کی گئی تھی اور اس کی نوعیت مختلف ہے ہم اجمالاً ان جنگی کارروائیوں پر ایک نگاہ ڈالیں گے۔

سب سے پہلے توجہ اس سوال پر جاتی ہے کہ آویزش کا آغاز کیسے ہوا؟ اس کا جواب دینے کے لئے ہم فریقین کی پوزیشن کا جائزہ لیتے ہیں۔

قریش کی جارحانہ ذہنیت

قریش کی پوزیشن اس واقعہ سے ازخود متعین ہو جاتی ہے کہ انہوں نے جب حضورؐ کے قتل کی اجتماعی سازش باندھی تھی

Source: www.prophetmuhammadforall.org

تو اس میں مکہ کی قیادتنے بحث کرتے ہوئے اپنا ذہن کھول کر رکھ دیا تھا۔ ایک تجویز آئی تھی کہ سچائی کے اس داعی کو آہنی زنداں میں بند کر دیا جائے اور اس کا دروازہ مقفل رکھا جائے۔ یہاں تک کہ وہ گھل گھل کر ختم ہو جائے۔ ایک شیخ نجدی نے اس پر کہا تھا "کہ اگر تم اسے قید کرو گے تو اس کی دعوت آہنی زنداں کے بند دروازوں سے بھی نکل نکل کر پھیلے گی اور اس کے ساتھیوں تک اس کے اثرات پہنچیں گے۔ بلکہ بعید نہیں کہ یہ لوگ اسے نکال کے لئے جائیں۔ پھر تمہارے مقابلے میں وہ بلحاظ تعداد بڑھ جائیں اور آخر اس جدوجہد میں تم کو زک دیدیں"۔ دوسری تجویز یہ بھی آئی تھی کہ "ہم اس شخص کو اپنے درمیان سے الگ کر دیں اور اپنے وطن سے خارج کر دیں۔ پھر جب وہ ہمارے ہاں سے نکال دیا گیا ہو تو پھر ہمیں کیا کاوش کہ وہ کدھر گیا اور کہاں ٹکا۔ بس وہ ہماری نظروں سے اوجھل ہو جائے اور ہم اس سے نجات پا کر اپنے معاملات کو ٹھیک ٹھاک کر لیں اور باہمی

الفت کو حسب سابق مجال کر لیں"۔ (سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۹۴) نہایت اہم تبصرہ ہے جو اس تجویز کو مسترد کرنے کے لئے شیخ نجدی نے کیا اور جسے مجلس نے قبول کر لیا۔ ملاحظہ ہو:۔

"نہیں، خدا کی قسم! تمہاری لئے یہ صورت مناسب نہیں۔ کیا تم اس کی خوبی گفتار اس کی شیرینی کلام کو نہیں دیکھتے کہ جس کے بل پر لوگوں کے دلوں پر وہ اپنا اثر بٹھا لیتا ہے۔ خدا کی قسم! اگر تم نے ایسا کیا تو پھر تم اس صورت میں اپنا کوئی بچاؤ نہیں کر سکتے کہ وہ عرب کے کسی قبیلے کے پاس پہنچے اور اپنے کلام و گفتار سے لوگوں پر اپنا اثر بٹھا لے اور وہ اس کے پیچھے لگ جائیں۔ پھر وہ انہیں لے کر تم پر چڑھائی کرے اور تمہاری بستیں میں آ گھسے اور تمہارے ہاتھوں سے تمہارا اقتدار چھین کر تمہارے ساتھ جو سلوک چاہے روا رکھے۔ پس کوئی اور تدبیر نکالو"۔

شیخ نجدی کے یہ الفاظ پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ کمبخت کتنا زیرک اور معاملہ فہم تھا۔ اس نے محسن انسانیتؐ کی

Source: www.prophetmuhammadforall.org

شخصیت کو پڑھنے میں ذرا بھی سہو نہیں کیا۔ اسی کے ساتھ اس ساری بحث سے یہ بات بھی واضح ہو جاتا ہے کہ مکہ کے کارپرواز تیرہ برس کے تجربہ کی روشنی میں حضورؐ کے وجود، کردار، پیغام اور جن اخلاق کو اب ایک مستقبل سیاسی خطرہ اور ایک مہلک خطرہ سمجھتے تھے۔ اب ان کو یہ صورت بھی گوارا نہ تھی کہ انسانیت کا یہ محسنؐ زمین کے کسی بھی گوشے میں زندہ رہ سکے اور کہیں بھی بیٹھ کر اپنے مشن کو چلا سکے۔ ورنہ وہ جانتے تھے کہ جو مظالم انہوں نے ڈھائے ہیں اور مسلم نوجوانوں کو ان کے گھروں سے نکال کر جو جرم کیا ہے اس کا حساب ایک دن انہیں دینا پڑے گا۔ پھر ان کا حضورؐ کے قتل پر متفق ہو جانا اور آپؐ کے بچ کر نکل جانے پر قابو پانے کے لئے دوردھوپ کرنا اور بھاری انعام مقرر کرنا اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ اگر بس چلے تو وہ سرور عالمؐ کو زندگی کی سانس لینے کا موقع نہیں دینا چاہتے تھے۔ اب حضورؐ کا عین وجود ان کے لئے خطرہ اور آپؐ کی زندگی ہی ان کے لئے چیلنج تھی۔

قریش کی اس ذہنیت سے کوئی وجہ نہیں کہ محسن انسانیت کو فوراً اطلاع نہ مل گئی ہو۔

ذرا اس موقع سے بھی پیچھے چلے جایئے۔ بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر حضرت عباس نے انصار کو انتباہ دیا تھا۔ کہ ''جس مقصد کے لئے حضورؐ کو دعوت دے رہے ہو اگر اسے نبھا سک اور ان کی جو مخالفت کی جائے گی اس کا مقابلہ کر سکو تو پھر تمہارا وہ بھاری ذمہ داری اٹھانا درست جو تم نے اٹھائی ہے''۔ پھر حضورؐ کا بیعت کے مضمون میں یہ افتتاحی کلمات شامل کرنا کہ ''جس طرح تم اپنے اہل وعیال کی دافعت کرتے ہو، اسی طرح میری مدافعت کرو گے''۔ پھر انصار کا یہ جواب دینا، کہ اطمینان رکھئے۔ ''ہم جنگجو لوگ ہیں''۔ اور یہ سوال اٹھانا کہ آپ کی خاطر ہمارے بہت سے معاہدانہ رابطے ٹوٹ جائیں گے تو ایسا تو نہ ہو کہ ہم سب کچھ بھگتیں اور آپؐ پھر اپنے خاندانی لوگوں میں لوٹ آئیں اور ہمیں چھوڑ دیں۔ اس پر حضورؐ کا یقین دلانا کہ

"انا منکم واتم منی" پھر عباس بن عبادہ انصاری کا اپنے ساتھیوں کو تاکیداً متنبہ دینا کہ تم لوگ انسانوں کے متعدد سرخ و سیاہ گروہوں سے جنگ مول لے رہے ہو۔ پھر ایسا نہ ہو کہ جب تم مالوں کی تباہی اور اپنے سرداران قوم کے قتل کے حادثوں سے دوچار ہو تو پھر حضورؐ کو دشمنوں کے حوالے کر دو۔ یہ سب کچھ اسی لمحے سوچ لو"۔

ان گفتگوؤں کے معنی یہ ہیں کہ قریش کے طرف سے ماحول کے قرطاس پر مستقبل کا اعلان جنگ ایسے جلی الفاظ میں لکھا ہوا موجود تھا کہ حضورؐ اور حضرت عباس ہی نہیں اسے دور دراز سے آنے والے انصار نے بھی پڑھ لیا تھا۔

پھر اس مجلس بیعت کی روداد کسی شیطان نے چھپ کر سنی اور قریش کو آگاہ کر دیا تو اکابر نے انصار کی قیام گاہوں پر جا کر یوں بات چیت کی کہ "ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تم ہماری اس

شخص (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) سے ملے ہو اور اس کو ہمارے درمیان سے نکل لے جانا چاہتے ہو اور تم نے اس کے ہاتھوں پر ہمارے خلاف جنگ کرنے کا معاہدہ باندھا ہے۔ حالانکہ ہمیں عرب کے کسی بھی قبیلے اور اپنے درمیان جنگ چھڑنے سے زیادہ ناپسند نہ ہے کہ تمہارے ساتھ ہماری لڑائی ٹھن جائے"۔ یعنی انصار اگر حضورؐ کو مکہ سے نکال لے جائیں اور ان کو اپنی حفاظت میں رکھیں تو مکہ اسے اعلان جنگ کے معنی میں لیگا اور اس صورت میں قیادت قریش کی جانب سے گویا واضح طور پر پیشگی اعلان جنگ سنا دیا گیا۔ لیکن کچھ لوگ تو اس قصے سے ناواقف تھے اور جو جانتے تھے انہوں نے رازداری سے کام لیا۔

پھر جب انصار کے اصحاب بیعت مکہ سے نکل گئے۔ تو بعد میں معاملہ پر بحث و تمحیص ہوئی اور مشورہ کر کے تعاقب کیا گیا۔ مدنی قافلہ بچ بچا کر نکل گیا۔ البتہ مکہ والے سعد بن عبادہ اور منذر بن عمرو کو پکڑ لے گئے اور ان کو مارا پیٹا۔ یہ واقعہ بھی بتاتا

ہے کہ حضورؐ کا مکہ سے بچ کر نکل جانا مکہ والوں کو کتنا ناپسند تھا اور انہیں حضورؐ کو اپنی حفاظت میں لینے کا عہد کرنے والوں پر کتنا غصہ تھا۔

علاوہ ازیں مہاجرین حبشہ کو واپس لانے اور مدینہ جانے والے مہاجرین کو ابتداء ہجرت سے روکنے کے لئے جو اقدامات قریش کی طرف سے ہوئے وہ بھی بتاتے ہیں کہ انہیں یہ گوارا نہ تھا کہ کسی دوسری سرزمین میں اسلامی تحریک جڑ پکڑ سکے۔ ایسے ہر امکان کا وہ سدباب کرنے پر تلے بیٹھے تھے۔

ان سارے واقعاتی شواہد سے یہ بالکل واضح ہے کہ ہجرت سے قبل ہی قریش کی طرف سے کسی بھی ایسی طاقت کے لئے جنگی چیلنج فضاء میں موجود تھا۔ جو حضورؐ کو اپنے ہاں جگہ دے اور اسلامی تحریک کے پودے کی جڑ اپنی سرزمین میں لگنے دے۔ اسلامی انقلاب کے علمبردار اتنے سادہ لوح اور خوش فہم نہ تھے کہ

وہ اس چیلنج سے صرف نظر کر سکتے۔

آخر ماحول کے قرطاس پر لکھا ہوا یہ اعلان جنگ اس سازشی خط کی شکل میں واضح طور پر سامنے آگیا جو مکہ سے غداران مدینہ کے سرخیل عبداللہ بن ابی کو موصول ہوا۔ جس میں مدینہ کے یہود و انصار سبھی کے لئے یہ دھمکی مرقوم تھی کہ یا تو تم از خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے حدود سے نکال دو۔ یا پھر ہم چڑھائی کریں گے اور تمہیں قتل کر کے تمہاری عورتوں کو سرمایۂ نشاط بنائیں گے۔

پھر یہودیوں سے سازباز کر کے قریش نے براہ راست مسلمانوں کو پیغام بھجوایا، کہ ''تم لوگ اس پر مغرور نہ ہو جاؤ کہ مکہ سے صحیح سلامت نکل گئے۔ ہم مدینہ پہنچ کر تمہاری خبر لیں گے''۔

اسی زمانے میں سعد بن معاذ کو ابوجہل نے طواف کعبہ سے روکا اور صاف صاف کہہ سنایا کہ مجھے یہ گوارا نہیں کہ تم لوگ

کعبہ میں قدم رکھ سکو۔

پھر اس دوران میں مکہ سے برابر شرارت اور غارت گری کے لئے چھوٹی چھوٹی فوجی ٹولیاں نکلنے لگیں حضورؐ ان اقدامات کی اطلاع ملتے ہی جواباً طلایہ گرد دستے بھیجتے۔ متعدد بار مدینہ کے دستور نے مکہ کی ان ٹولیوں کو دیکھا جو مسلم طاقت کو چوکس پا کر پلٹ جاتی رہیں۔

ہجرت کے تیرھویں ہی مہینے کا یہ واقعہ انتہائی چونکا دینے والا تھا کہ کرز بن جابر فہری نے ڈاکہ زنی کی اور مدینہ کی چراگاہ سے حضورؐ کے مویشی، سرکاری اونٹ اور دوسری لوگوں کے جانور ہنکا لے گیا۔ اس واردات کا مدعا یہ واضح کرنا تھا کہ ہم تین سو میل سے آ کر تمہارے حدود میں سے یوں تمہاری دولت پر ہاتھ صاف کر سکتے ہیں۔ (ابن ہشام، ج ۲، ص ۲۳۸۔ اصح السیر، مولانا عبدالرؤف، ص ۱۲۵، رحمۃ اللعالمین قاضی سلیمان منصور

پوری، ج ۱، ص ۱۴۰) حضور بہ نفس نفیس ایک مختصر دستہ لے کر تعاقب کو نکلے اور مدینہ میں زید بن حارثہ کو قائم مقامی کا منصب سونپا۔ وادی سفوان (متصل بہ بدر) تک گئے لیکن کرز دسترس سے نکل گیا تھا۔ یہ دشمن کی ایک ایسی جسارت تھی کہ جسے کوئی بھی ایسی ریاست برداشت نہیں کر سکتی۔ جس کے کارپرداز حمیت و شجاعت سے مالا مال ہوں اور ان کو اپنی آزادی اور اپنی سرزمین کی حرمت کا پاس ہو۔ یہ ڈاکہ زنی سیاسی لحاظ سے حملہ کے مترادف تھی۔ اب ایک دور کارزار اور ایک خون آلود مستقبل مدینہ کے سامنے تھے۔

مکہ کا مدینہ پر حملہ آور ہونا ۲ھ تک اگر موخر ہوتو اس کی ایک بڑی اہم وجہ تھی لوئی رکاوٹ اگر حائل نہ ہوتی تو شاید قریش کی تلوار اس سے بہت قبل برہنہ ہو جاتی اور وہ مدینہ کے نئے اسلامی مرکز کو سنبھلنے کا موقع بھی نہ دیتی۔ مکہ اور مدینہ کے درمیان بنو کنانہ کا علاقہ حائل تھا۔ جن سے قریش کی دیرینہ

Source: www.prophetmuhammadforall.org

مخاصمت تھی۔ اندیشہ تھا کہ بنو کنانہ اول تو قریش کو اپنے علاقہ سے گذرنے نہ دیں گے۔ اور ایسا ہو بھی تو دوسرا خطرہ یہ تھا کہ بنو کنانہ مکہ کو خالی دیکھ کر حملہ نہ کر دیں یا کم سے کم قریشی فوج کا مکہ سے رابطہ کسی نازک موقع پر کاٹ نہ دیں سراقہ بن مالک مدلجی کنانی اس درمیانی علاقہ کا سردار تھا۔ اسے جب اطلاع ہوئی کہ قریش ایسے ایسے اندیشوں کی وجہ سے اقدام نہیں کر رہے ہیں تو اس نے خود مکہ جا کر قریش کو تعاون کا یقین دلایا۔ اس گٹھ جوڑ کے معنی جنگ بدر تھے۔

اس تصریح سے ہمارا مدعا یہ ہے کہ قریش کو مسلمانوں کی طرف سے نہ کسی اقدام کا انتظار تھا اور نہ وہ جنگی کارروائی کے لئے کسی چھیڑ کی تلاش میں تھے۔ ان کے اندر جارحیت کی روح پوری آتشیں شان سے کام کر رہی تھی۔ (رحمۃ اللعالمین، قاضی سلیمان منصور پوری، ج ۲، ص ۶۱۔۲۶۰)

اب آیئے دوسرے فریق کو لیجئے۔

جب ہم محسن انسانیتؐ اور آپؐ کی انقلابی جماعت کے حالات کا گہرا تجزیہ کرتے ہیں تو ہر پہلو سے یہی شہادت ملتی ہے کہ اس فریق کے لئے جنگی کارروائی سے زیادہ ناپسندیدہ صورت کوئی اور نہیں ہو سکتی تھی۔ اجڑے پجڑے لوگوں کا ایک نئے ماحول میں داخل ہونا۔ آدھی جماعت کا معاشی تباہی سے دوچار ہو کر اپنی بحالی کے لئے ہاتھ پاؤں مارنا ایک نئے ماحول کو انقلابی دعوت کے لئے آہستہ آہستہ تیار کرنا۔ مختلف قبائیلیت زدہ عناصر میں اخوت کا جوڑ لگانا اور ان کی ذہنی و اخلاقی تربیت کرنا، نیز ایک نئی ریاست قائم کر کے اس کے جملہ شعبوں کا نظم و نسق تعمیر کرنا یہ سب کام بیک دم اسلامی انقلاب کے علمبرداروں کے سامنے آ گئے تھے۔ اور ان میں سے ہر کام دیر تک پوری پوری توجہ اور محنت چاہتا تھا۔ ایسے کٹھن مسائل میں گھری ہوئی

ایک چھوٹی سی جماعت کبھی بھی کوئی لڑائی مول لینے پر تیار نہیں ہوسکتی تھی۔ لیکن دوسری طرف یہ لوگ ایک عظیم بین الانسانی مشن رکھنے والے لوگ تھے۔ ان کے سامنے دنیا بھر کی بھلائی کا ایک مقدس نصب العین تھا۔ انہوں نے زندگی کی عظیم ترین سچائی .....یعنی ایک ہی خدا کی ربوبیت والٰہیت ..... کے نور سے تمدن کو جگمگا دینے کے لئے اپنے سارے مفاد اور آرام قربان کر رکھے تھے اور صبر اور ایثار کی خوفناک وادیاں طے کر کر کہ وہ آگے بڑھ رہے تھے۔ ان کا تو سرمایۂ حیات ہی نظریہ حق تھا۔ اپنی چھوٹی سی جماعت تھی اور مدینہ کی نوتشکیل یافتہ ریاست تھی۔ ان کا سارا مستقبل اسی پونجی سے وابستہ تھا۔ وہ اس کی حفاظت کے لئے ٹھیک وہی مقدس فطرح جذبہ رکھتے تھے جس سے سرشار ہوکر کوئی مرغی جب کسی چیل کو منڈلاتے دیکھتی ہے تو سب کچھ فراموش کر کے اپنے چوزوں کو پروں تلے سمیٹ لیتی ہے۔ وہ فاقے کاٹ کر مال خرچ کرتے تھے۔ وہ سوکھے ہوئے جسموں

کے ساتھ چٹانوں سے ٹکرا جانے کے لئے تھے۔ وہ ساری لذتیں اور مفاد فراموش کر کے دیوانہ وار ہر اس طاقت کے بازو توڑ دینے کے لئے سچا ولولہ رکھتے تھے جو ان کے مقصد حیات کو غارت کرنے کے لئے ٹیڑھی نگاہ سے دیکھے۔ وہ مدینہ کی سرور انگیز ہواؤں اور باغوں اور اخوت کی لامثال فضاؤں میں آ کر بھی تشدد کے ان زخموں کو فراموش کر کے کبھی چین سے غفلت کی نیند نہ سوئے۔ اور ان کی نگاہ سروں پر لٹکتے ہوئے اس خنجر پیکار سے کبھی نہ ہٹی جس کے قبضہ پر مکہ کی قیادت کا ہاتھ تھا اور جس کے بارے میں کچھ معلوم نہ تھا کہ کب وہ برق خرمن سوز کی طرح اچانک ٹوٹ پڑے۔ نہ حضورؐ نے حفاظتی انتظامات سے تغافل برتا۔ اور نہ آپؐ کے رفقاء نے اس سلسلے میں اپنا فرض ادا کرنے میں کوئی کوتاہی دکھائی۔ آخر دنیا بنانے چلے تھے۔ ایسے تاریخ ساز لوگ مخالفین کو طاقت کا جواب طاقت سے دینے کا دماغ رکھتے تھے۔

حضورؐ کی دفاعی تدابیر

آیئے جائزہ لیں کہ حضورؐ نے حفاظتی تدابیر کیا کیا اختیار فرمائیں۔ مدینہ میں محسن انسانیت کے ساتھ آنے والے مہاجرین محض اپنے لئے جائے امن وسکون تلاش کرنے والے لوگ نہ تھے۔ اور نہ ان کا تبدیلیٔ وطن کا اقدام کچھ معاشی حوصلوں کی تکمیل کے لئے تھا۔ وہ ایک اونچے مقصد کے لئے آئے تھے اور اسے فراموش کر کے وہ اپنے لئے ٹھکانے حاصل کرنے اور اقتصادی عروج کی راہیں تلاش کرنے میں گم نہیں ہو گئے۔ بلکہ حضورؐ نے ان کو منظم طریق سے بسایا اور انصار کے ساتھ ان کی معاشی وسماجی اخوت قائم کی۔ اور پھر ان کو مسجدوں کے تمدنی مراکم کے ذریعے جماعتی تنظیم پر پرو لیا۔ عبادات، مواعظ، تعلیم قرآن اور دوسری تدابیر سے ان کی ذہنی عملی اور اخلاقی تربیت کا کام فوراً شروع کر دیا اور اس کام کو تیزی سے توسیع دی۔ اسی کے ساتھ ساتھ نظام ریاست کے ذریعہ ان کی شیرازہ بندی

کردی۔ یوں وہ بے سروسامان مہاجرین انصار سے مل کر ایک مضبوط قوت بن گئے اور یہ قوت برابر نشوونما پاتی چلی گئی۔ دوسرے لفظوں میں انسانی قوت کو اولیت دے کر اسے تیار کیا گیا۔

ضمناً یہاں یہ اہم نکتہ بیان کر دینا نہایت ضروری ہے کہ مکہ کی طرح مدینہ دفاعی (Strantegic) لحاظ سے بہت ہی موزوں مقام تھا۔ قطع نظر اس جغرافیائی پوزیشن کے جو مدینہ کو حاصل تھی کہ شام وعراق کے اہم علاقوں کے وہ بالکل سامنے تھا۔ عرب کے عظیم ترین تجارتی شاہراہ کے سرے پر تھا اور سمندر سے صرف ۷۰، ۷۵ میل کے فاصلہ پر تھا۔ خود اس شہر کو قدرتی تحفظات کا ایک مضبوط قلعہ مہیا تھا اور ذرا سی چوکسی باشندوں کی تنظیم اور دفاع کی مناسب تدابیر اسے مضبوط تر بنا سکتی تھیں۔ شہر تقریباً دس میل لمبے اور دس میل چوڑے میدان میں پھیلا ہوا تھا اور فاصلے فاصلے پر مختلف قبائل کی چھوٹی چھوٹی بستیاں اس

Source: www.prophetmuhammadforall.org

وسیع رقبے میں پھیلی ہوئی تھیں۔ یہ قطعہ "جوف مدینہ" کہلایا اور اسی کو "حرم" قرار دیا گیا۔ اس ناہموار میدان کے بیچ میں "سلع" نامی پہاڑ واقع ہے۔ اور کچھ دوسری چھوٹی پہاڑیاں ہیں۔ جبل عیر اور جبل ثور نے اسے گھیرے میں لے رکھا ہے۔ قبائلی بستیوں میں آجام یا آطام کے نام سے مضبوط حفاظتی گڑھیاں موجود تھیں جن کی تعداد ایک وقت میں ایک صد بھی رہی ہے۔

"مدینہ النبی" جہاں مسجد النبیؐ اور حجرات نبویؐ تھے اور جو جودار السلطنت تھا۔ وسطی حصے میں واقع تھا۔ اس کے جنوب میں گنجان باغ تھے۔ جنوب مشرق میں قبا اور عوالی کی بستیاں اپنے باغوں سمیت موجود تھیں۔ مشرق میں قباء سے احد تک یہودی محلے شرقاً غرباً پھیلے ہوئے تھے۔ جنوب مغرب میں بھی آبادیوں اور باغیوں کا تسلسل تھا۔ قدیم فصیل مدینہ کے باب الشامی کے پاس بنو ساعدہ (جن کی چوپال میں خلیفۂ

Source: www.prophetmuhammadforall.org

اول کی نامزدگی ہوئی تھی) رہتے تھے اور ان سے آگے جبل سلع پر بنو حرام کی آبادی تھی۔ شمال مغرب میں وادی العقیق کے کنارے بئر رومہ تک بکثرت باغات تھے۔ جنوب میں بلند پہاڑیاں تھیں۔ اور کٹھن راستہ وادیوں اور گھاٹیوں سے گذرتا تھا۔ مدینہ کے مشرق اور جنوب میں لاوے کے پتھریلے میدان تھے جو نہ جنگی پڑاؤ کے لئے موزوں تھے۔ اور نہ میدان کارزار بننے کے لئے۔ صرف شمال کی جانب سے شہر کا راستہ فوجی لحاظ سے کھلا تھا۔ چنانچہ بدر و احد کی جنگیں لڑنے کے لئے قریش نے وہی سمت پسند کی لیکن مکہ کی فوجوں کا شمال کی طرف جا کر حملہ کرنا جنگی لحاظ سے ایسی پیچیدگیاں رکھتا ہے جو مدینہ کے لئے مفید پڑ سکتی ہیں۔ (عہد نبوی میں نظام حکمرانی، ڈاکٹر حمید اللہ صدیقی۔ مقالہ۔ دنیا کا سب سے پہلے تحریری دستور)

لیکن مدینہ کے محل وقوع اور اس کی موزوں ترتیب سے فائدہ اٹھانے کا انحصار اس پر تھا کہ اس کی آبادی کو ایک نظم میں

پر ودیا جائے۔ اس غرض کے لئے دوسرا بڑا کارنامہ حضورؐ نے یہ انجام دیا کہ معاہدات کے ذریعے یہود اور اوس اور خزرج اور دوسرے متصل قبائل کو ان کے مذہبی، تمدنی اور معاشی فروق کے باوجود ایک نظم میں پرودیا۔ حضورؐ کی سیاسی مہارت کا یہ ایک درخشاں ثبوت ہے کہ ایک شخص بالکل اجنبی ماحول میں جاتا ہے اور وہ متضاد عناصر کو قلیل عرصہ میں ایک سیاسی وحدت بنا دیتا ہے۔ کمال یہ ہے کہ اس سیاسی وحدت کے تحریری دستور میں نہایت واضح طور پر عدالتی، تشریعی، فوجی اور تنفیذی اختیارات حضورؐ کے ہاتھوں میں دے دیئے جاتے ہیں اور یہ نوشتہ خدا کی حاکمیت کی اصولی روح سے آراستہ ہے۔ اس سیاسی دستاویز میں جملہ شرکاء سے یہ منوالیا گیا کہ عربی قبائل میں جو مشرک اور یہودی شامل ہوں۔ وہ مسلمانوں کے تابع اور جنگ کی صورت میں ان کے معاون ہوں گے۔ نیز یہ کہ وہ قریش مکہ کے جان و مال کو نہ تو خود کوئی امان دیں گے اور نہ مسلمانوں کی راہ میں کوئی

رکاوٹ اور صورت میں ایسی گے جبکہ وہ کسی قریشی پر حملہ آور ہوں۔ اس میں یہ بھی منوالیا گیا کہ جنگ و صلح کے معاملات مشترک ہوں گے۔ کوئی جنگ سب کے لئے جنگ ہوگی۔ فوجی خدمت لازمی اور جبری ہوگی۔ البتہ جملہ حلیف اپنے اپنے حصے کے مصارف جنگ خود ادا کریں گے۔ یہودیوں کے ساتھ یہ امر پوری وضاحت سے طے ہوگیا کہ وہ ان سب سے لڑیں گے جن سے مسلمان لڑیں..... اور وہ ان سب سے صلح کریں گے جن سے مسلمان صلح کریں۔ وہ مدینہ کی مدافعت میں مساویانہ طور پر حصہ لیں گے۔ مسلمانوں پر کوئی حملہ آور ہو تو یہودی مسلمانوں کی مدد کریں گے اور جواباً اگر یہودیوں پر کوئی حملہ آور ہو تو مسلمان یہودیوں کی مدد کریں گے۔ (عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی، ڈاکٹر حمید اللہ صدیقی، مابلہ دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور)

مدینہ کی دستوری دستاویز میں اس سلسلے کی دفعات اس

حقیقت کی آئینہ دار ہیں کہ سرور عالمؐ کے سامنے واضح طور پر قریش کی طرف سے جنگی کارروائی کا اندیشہ تھا اور اس کا مقابلہ کرنے کے لئے سیاسی لحاظ سے پوری پوری پیش بندی کرلی گئی تھی۔

ایک نہایت ہی اہم اقدام مدینہ کو حرم (City of Peace) قرار دینا ہے۔ یہ بہت بڑا فیصلہ بھی اسی دستوری دستاویز میں طے ہوگیا۔ اس کی معنویت مذہبی لحاظ سے یہ تھی کہ پورے ماحول کو ایک تقدس حاصل ہے اور اس ماحول کا احترام اس کے باشندوں کو کرنا ہوگا۔ اس کا سیاسی مفہوم یہ تھا کہ جس طرح قریش ایک حرم میں محفوظ تھے۔ اسی طرح حضورؐ نے ریاست مدینہ کے باشندوں کے لئے تحفظ فراہم کردیا۔ گویا اب مکہ اور مدینہ کی اس لحاظ سے پوزیشن مساویانہ تھی۔ اور اس میں ایک چیلنج اہل مکہ کے لئے مضمر تھا کہ اگر تم حرم مدینہ کا احترام توڑ کر اس کے باشندوں پر زیادتی کروگے تو پھر تم بھی حرم مکہ کے

حضور تقدس میں محفوظ نہ رہ سکو گے۔

مدینہ کے حدود حرم ..... جو اسلامی مرکز حکومت کی حد بندی بھی کرتے تھے کو مستقل طور پر معین کرنے کے لئے حضورؐ نے خاصا اہتمام کیا اور کعب بن مالک کو مامور فرمایا کہ حرم مدینہ کی بلندیوں پر منارے یا برجیاں (روایت میں اصطلاحی لفظ "علم" آیا ہے) تعمیر کراؤ۔ چنانچہ انہوں نے ذات الجیش (غیرہ پہاڑی کے ساتھ جو بیداء کے وسط میں ہے اور مکے اور مدینے کے راستے پر ہے) کے ٹیلوں پر مشیرب ذات الجیش سے متصل) پر، مجیص کے پہاڑوں پر (شام کے راستہ میں، حفیا (مدینہ کے شمال کے جنگل میں ذوالعشیر کے مقام پر (حفیا کے کنارے واقع ہے) اور تیم پہاڑ پر (مدینہ کے مشرق میں) جابجا علامتی برجیاں نصب کیں، جن کے کھنڈرات اب تک موجود ہیں۔ یہ نشان زدہ علاقہ تقریباً ایک منزل طویل اور ایک منزل عریض ہے۔ (عہد نبوی کے میدان ہائے جانگ ڈاکٹر

Source: www.prophetmuhammadforall.org

حمید اللہ صدیقی، ص ۱۲-۱۱)

مدینہ کے داخلی نظم کی تاسیس کرنے کے ساتھ ساتھ حضورؐ نے گردونواح کے قبائل کی طرف فوراً توجہ دی چنانچہ مدینہ کے جنوب مغرب کے علاقہ اور بحر احمر کے ساحلی حصے کا آپؐ نے متعدد بار دورہ کیا۔ سب سے پہلے آپ دوان کے مقام پر گئے۔ جو مکہ کے راستے پر ابواء سے سات میل کی دوری پر واقع ہے۔ وہاں بنی حمزہ سے حلیفانہ تعلق قائم کرلیا۔ اسی طرح ینبوع کے اطراف میں رہنے والے قبائل سے بھی بہت جلد معاہدانہ تعلقات استوار کرلئے۔ اس اہم سیاسی علاقہ میں ۱ھ میں جہینہ کا اور ۲ھ کے اوائل میں بنوضمرہ بنوزرعہ، اور بنوالربعہ اور ۲ھ کے اواخر میں بنومدلج کا تعاون بھی حاصل ہوگیا۔ بعض کے ساتھ تو مشترکہ دفاعی معاہدات طے پا گئے کہ ان پر حملہ ہوتو مسلمان مدد دیں گے اور مسلمانوں پر حملہ ہوتو وہ امداد کو آئیں گے۔ بعض معاہدوں میں اپنے پر اکتفاء کیا گیا کہ حضورؐ

Source: www.prophetmuhammadforall.org

کے دشمنوں سے دوستانہ تعلقات نہ رکھے جائیں اور بعض میں غیر جانبداری تسلیم کرائی گئی کہ اسلامی ریاست کے ساتھ اگر کسی دشمن کی لڑائی ہو تو معاہد قبیلہ غیر جانبدار رہے گا۔ گویا تدبیر کے دائرے میں حضورؐ کی سیاسی حکمت بہت ہی لچک رکھتی تھی۔ (عہد نبوی کے میدان ہائے جنگ، ڈاکٹر حمید اللہ صدیقی، ۳۶۴، ۳ حدیث دفاع از میجر جنرل محمد اکبر خان، ۱۳۴۔ تفہیم القرآن از مولیٰنا ابو الاعلیٰ مودودی، ۲، ص ۱۲۳)

ظاہر بات ہے کہ اس حلیفانہ فضاء نے ان قبائل میں دعوت اسلامی کے راستے کھول دیئے اور تحریک کے علمبردار اور حامی بھی پیدا ہونے لگے۔

بعد ازاں سیاست نبوی کی یہ تدبیر ایک مستقل باب بن گئی اور ہر زمانے میں متعدد سفر آپؐ نے اسی غرض سے کئے اور دیدہ بانی کی مہمات ہوں یا جنگی اقدامات جب بھی آپؐ مدینہ

سے نکلے حلیفانہ تعلقات کو توسیع دینے کا لائحہ عمل ہمیشہ سامنے رہا۔ یہاں ہم تفصیل نہیں دے رہے۔ اس کا موقع کسی اور باب میں آئے گا۔ دشمن کو کمزور کرنے، اسلامی تحریک کو آگے بڑھانے، اپنی دفاعی سیاست کو مضبوط کرنے اور حدود ریاست کو وسیع کرنے کا ایک نہایت ہی موثر ذریعہ یہی معاہدانہ تعلقات کا پھیلاؤ تھا۔

ان تدابیر کے ساتھ اسلامی انقلاب کے داعی اول اور اس کے رفقاء نے یہ امر واقعہ اچھی طرح محسوس کر لیا تھا کہ ہمیں ایک طوفانی سمندر کے درمیان جو ننھا سا جزیرہ پاؤں ٹکانے کے لئے نصیب ہوا ہے۔ اس کا وجود ہر آن معرض خطر میں ہے۔ یا تو طوفانوں کا منہ پھیر کر جو طرفہ سمندر کو مسخر کرنا ہوگا۔ یا پھر یہ جزیرہ بھی ایک بلبلے کی طرح طوفانوں میں گم ہو جائے گا۔ انہوں نے نہایت تیزی سے اپنے آپ کو ایک متحرک جنگی قوت میں بدل لیا۔ یہ ہستیاں بدلتے ہوئے حالات میں تحریک اسلامی کے نئے

نئے تقاضوں کو اس خوبی سے سمجھتی تھیں کہ نئے مراحل کے لئے نورانی صلاحیتیں اپنے اندر ابھار لیتی تھیں۔ مدینہ میں جب دور جہاد نے ان کو پکارا تو یہ ایک ثانیہ کے لئے بھی اپنی سابق پوزیشن سے نئے موقف پر آتے ہوئے نہیں جھجکتے۔ ان میں سے کبھی کسی نے یوں نہیں سوچا کہ ہم تو داعی اور واعظ لوگ ہیں۔ ہمیں بھلا جنگ و پیکار کے ہنگاموں سے کیا واسطہ، یہ تو دنیوی سیاستکاروں اور سلطنتیں فتح کرنے والوں کے مشغلے ہیں اور اصلاح پسندوں کو یہ کہاں زیب دیتے ہیں حکومت و سلطنت اور جنگ و پیکار کی راہ مبلغوں کی راہ کہاں ہو سکتی ہے۔ مبلغوں کا کام تو بس پڑے پڑے مار کھاتے رہنا اور اسی حالت میں برداشت کا کمال دکھانا ہوتا ہے۔ اگر مدینہ کی جماعت اسلامی اس طرح سوچتی۔ تحریک کے تقاضوں کی تبدیلی کا شعور نہ پا سکتی آگے بڑھتے بڑھتے بحث و نزاع میں لگ جاتی تو چار تنکوں سے تحریک نے جو آشیانہ بنایا تھا۔ وہ آشیاں سازوں کے جذبات

کی اپنی ہی کسی چنگاری سے جل چکا ہوتا۔ اس کے لیے کسی خارجی برق درخشاں کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔

یہ عقابی شان کے گنے چنے افراد جہاں اپنے نظریۂ صداقت کے سرگرم داعی تھے۔ وہاں اس نظریہ پر قایم ہونے والی ریاست کا دفاع کرنے کے لیے بہترین جانباز سپاہی بھی ثابت ہوئے۔ انھوں نے اپنے آپ کو منظم سپاہ میں بدلنے کے لیے فوری اقدام کیے اور جہاں مدینہ ایک دارالامن، ایک تعلیم گاہ اور تہذیب اسلامی کا ایک چمن زار بن رہا تھا، وہیں وہ ایک مضبوط فوجی کیمپ کی حیثیت بھی اختیار کر گیا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سر اب ایک کمانڈر کی ذمہ داریاں بھی آپڑی تھیں جن کی انجام دہی انتہائی بے سروسامانی کے عالم میں آپؐ نے اس خوبی، کمالِ فن اور حکمتِ بالغہ کے ساتھ فرمائی کہ تنہا یہ موضوع تصانیف کا

ایک دفتر بے پایاں چاہتا ہے۔

طلایہ گردی کا نظام اور اس کے مقاصد

ریاستِ مدینہ کے عظمت مآب سربراہؐ نے ہجرت کے چار چھ ماہ بعد ملحقہ علاقے میں طلایہ گردی کے لیے فوجی دستوں کی ترسیل شروع کر دی۔ معرکۂ بدر سے پہلے حسب ذیل دستے روانہ کیے گئے:

۱۔ امیر حمزہ بن عبد المطلب کی سرکردگی میں ۳۰ آدمیوں کا دستہ سیف البحر کی جانب دشمن کی نقل و حرکت کا جائزہ لینے کو بھیجا گیا تھا۔ ابوجہل تین سو آدمیوں کے ساتھ مکہ سے نکلا تھا لیکن مسلمانوں کو چوکنا پا کر پلٹ گیا (رمضان ۱ھ)

۲۔ ۶۰ سپاہیوں پر مشتمل جیش رابع عبیدہ بن حارث کی کمان میں اہلِ مکہ کے فوجی حالات معلوم کرنے کو بھیجا گیا۔ دشمن کے ۲۰۰ آدمی عکرمہ یا ابوسفیان کی سرکردگی میں ثنۃ المرۃ

Source: www.prophetmuhammadforall.org

کے مقام پر موجود پائے گئے۔ گشت لگا کر یہ جیش سلامتی سے واپس آیا۔ (شوال ۱ھ)

۳۔ سعد بن ابی وقاص کی قیادت میں ۸۰ افراد کا جیش طلایہ گردی کے لیے جحفہ تک بھیجا گیا۔ یہ لوگ بغیر کسی واردات کے واپس آ گئے۔ (ذی قعدہ ۱ھ)

۴۔ نبی اکرمؐ خود ۷۰ افراد کو لے کر ابواء کے علاقہ میں تشریف لے گئے جہاں سے قریشی شاہ راہِ تجارت گذرتی تھی۔ حضورؐ عمرو بن مخشی ضمری سے معاہدہ کر کے بغیر کسی تصادم کے واپس آ گئے (صفر ۲ھ)

۵۔ حضورؐ نے بہ نفس نفیس ۲۰۰ سپاہیوں کو لے کر بواۃ کی جانب (رضوی پہاڑ کا علاقہ جو ینبوع کے قریب ہے) اقدام کیا۔ راستہ میں امیہ بن خلف کی سرکردگی میں سو افراد پر مشتمل قریش کا قافلہ ملا۔ مگر کوئی تعرض نہیں کیا گیا۔ (ربیع الاول ۲ھ)

۶۔ کرز بن جابر الفہری نے مدینہ کے مویشیوں پر ڈاکہ ڈالا تو اطلاع ملتے ہی حضورؐ پاک نے ۷۰ سپاہیوں کا دستہ ساتھ لے کر تعاقب کیا۔ کرز اگرچہ بچ کر نکل گیا مگر اس تعاقب سے یہ مفید اثر ضرور پڑا کہ مدینہ بہر حال ایک متحرک قوت ہے (ربیع الاول ۲ھ)

۷۔ حضورؐ ۱۵۰ افراد کا ایک جیش لے کر ذوالعشیرہ (جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ینبوع کے قریب ہے) تشریف لے گئے اور وہاں بنی مدلج اور بنی ضمرہ سے معاہدہ کیا (جمادی الآخر ۲ھ)

۸۔ عبداللہ بن جحش کی سرکردگی میں ۱۲۵ افراد کے ساتھ ایک مہم نخلہ کی جانب طلایہ گردی کے لیے بھیجی گئی۔ قریش کے ایک قافلہ سے مڈبھیڑ ہوگئی (رجب ۲ھ)

ان مہمات کی ترسیل تصادم کے لیے نہیں کی جاتی رہی

تھی بلکہ نخلہ میں وقتی فضا کے زیر اثر مدینہ کی طے شدہ پالیسی کے خلاف جو تصادم ہوا اسے حضورؐ نے ناپسند (Disown) فرمایا اور قیدی رہا کر دیئے گئے اور مقتول کا خون بہا ادا کیا گیا۔ ان سے دوسرے بہت ہی بڑے بڑے مقاصد وابستہ تھے۔ یعنی:

..... ان مہمات کے ذریعے ریاستِ مدینہ کی سرحدات کی حفاظت کا انتظام رہے اور دشمن کی نقل و حرکت کا اندازہ رہے۔ قریش اور دیگر قبائل کو نئی حقیقت محسوس کرانا بھی مقصود تھا کہ اب یہاں ایک باقاعدہ نظام حکومت موجود ہے اور مدینہ اس کا مرکز ہے۔

..... مسلم انقلابی جماعت کے رضا کار سپاہی آس پاس کے علاقہ، اس کی بستیوں، اس کے نشیب و فراز، اس کے چشموں سے براہ راست واقف ہوں۔

..... ان کو کمان کرنے، کمان میں رہ کر فرض ادا کرنے،

باہم تقسیم کار اور تقسیم اوقات، تدبیر سوچنے، وقت کے وقت فیصلے کرنے کی مہارت حاصل ہو جس کے بغیر کوئی دفاعی نظام نہیں چل سکتا۔

.....قریش کو محسوس ہو جائے کہ اب ان کی معاشی شاہ رگ مدینہ کے پنجے میں آ چکی ہے۔ اور وہ ان کی تجارتی شاہراہ کو روک کر ان کے کاروانوں کا گذر جب چاہیں بند کر سکتے ہیں۔ واضح رہے کہ حضورؐ نے بچپن میں بصریٰ اور مدینہ کی طرف اور جوانی میں دوبارہ شام کی جانب جو سفر کیے تھے اس کے دوران میں آپؐ نے مدینہ کی جغرافیائی اور سیاسی اہمیت سمجھ لی تھی اور قریش کی تجارتی شاہراہ کے ہر پیچ و خم سے آپ واقف تھے۔ اپنی سابق واقفیت کی بنا پر خوف دلانے اور دباؤ ڈالنے کی پالیسی فوراً بنانے میں آپ کو کوئی دقت پیش نہیں آئی۔ دوسری طرف آپ نہ صرف قریش کا ایک قریبی فرد ہونے کی بنا پر بلکہ خود تاجر رہ کر اور کاروانوں میں شریک ہو کر قریش کی معیشت کے سب سے

Source: www.prophetmuhammadforall.org

بڑے تجارتی ذریعہ سے آگاہ تھے۔ طائف اور یمن و نجران کی تجارتی مہمات کو درکنار رکھ کر دیکھیں تو محض شام و عراق کی شاہ راہ پر تجارتی سفروں سے قریش کو ۲۵ لاکھ اشرفی سالانہ کی آمدنی تھی (تفہیم القرآن، سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ ج ۲ ص ۱۲۱)

ان مہمات کی ترسیل جس تربیتی نقشے کے تحت کی گئی اس میں اہتمام تھا کہ سپاہیوں کو منظم جنگی کارروائی کی مشق ہو۔ وہ ایک مرکزی کمانڈ کے تحت مشین کے پرزوں کی طرح حرکت کر سکیں۔ صف بندی کی مشق پیدا کریں۔ علَم اور فوجی رموز و اشارات کا استعمال کرنا سیکھیں۔ روزہ داری اور نمازوں کی پابندی اور مشکل ترین حالات میں احکام کے مطابق ادائے فرض کر کے جفاکشی کی صلاحیت پیدا کر لیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ آپ نے خبر رسانی کا ایک مضبوط نظام قائم کر دیا جس کے بل پر آپ مکہ اور گرد و پیش کے قبائل اور اپنے سرحدی علاقے کے حالات سے پوری طرح باخبر رہتے۔ اسی سلسلہ میں آپؐ

Source: www.prophetmuhammadforall.org

نے مرکز ریاست کی حفاظت کے لیے دیدبانی اور پہرہ کا انتظام بھی کیا۔

یہ تھے دوطرفہ حالات جن کے زیر اثر قریش نے معرکۂ بدر لڑنے کا فیصلہ کیا۔

دو واقعاتی محرکات

اس میں کیا شک ہے کہ جنگ کے لیے ماحول تیار بہ تیار موجود تھا۔ کرز بن جابر فہری کی ڈاکہ زنی مدینہ کے لیے قطعی طور پر ایک جنبی چیلنج تھی۔ کیونکہ کوئی زندہ و بیدار حکومت اپنے حدود (Territory) میں غیروں کی ایسی مجرمانہ مداخلت کو جنگ کے ہم معنے سمجھے بغیر نہیں رہ سکتی۔ دوسری طرف نخلہ کا حادثہ ہوگیا۔ جس کی نوعیت اگرچہ ویسی ہی سرحدی جھڑپوں کی تھی جیسی حکومتوں اور جنگی کمانڈروں کی مرضی کے بغیر سپاہیوں کے درمیان ہر دو ملکوں کی سرحدوں پر واقع ہوتی رہتی ہیں۔ مگر

اہل مکہ کو اس واقعہ کی بنیاد پر مخالفانہ پروپیگنڈا کی مہم چلانے کا سنہری موقع ملا۔ انہوں نے خوب غوغا مچایا کہ لیجئے نئے دین کے علمبرداروں نے ماہ حرام کی حرمت بھی پامال کردی۔ ادھر حضورؐ نے قیدی چھوڑ دیئے۔ مقتول کا خول بہا ادا کیا اور اپنے آپ کو بہ حیثیت سربراہ حکومت کے اس حادثہ کی ذمہ داری سے بری قرار دیا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ قرآن نے مکہ کے پروپیگنڈے کی دھجیاں یوں بکھیر دیں کہ ماہ حرام میں قتال کوئی اچھی بات نہیں لیکن تمہارا لوگوں کو خدا کے دین سے روکنا، ان کو حرم سے نکالنا اور اصلاح انسانیت کی راہ میں روڑے اٹکانا اس سے زیادہ بڑی برائی ہے اور برائی کا قلع قمع کرنے کے لئے مسلمان اگر خنجر قتال کو حرکت میں لائیں تو وہ ایک خدمت انجام دیں گے۔ واقعہ نخلہ کا افادی پہلو یہ تھا کہ قریش کی آنکھیں کھل گئیں کہ جن لوگوں کو انہوں نے بے سروسامان بنا کر نکالا تھا اور جنہیں وہ خالہ بلی کے منہ کا نوالہ سمجھ رہے تھے وہ ضرورت پڑنے

پر اینٹ کا جواب پتھر سے دے سکتے ہیں۔ تاہم مکہ کی پروپیگنڈا مشینری نے آتش غضب کو بھڑکانے میں واقعہ نخلہ سے خوب فائدہ اٹھایا۔

قریش کی سنگانہ ضروریات

مدینہ پر چڑھائی کرنے کے لئے قریش کے سامنے تین بڑے مسائل تھے۔ ایک بنو کنانہ کے تعاون کا حصول دوسرے جنگجو سپاہیوں کی فراہمی اور تیسرے جنگی مصارف کا بندوبست۔ اول الذکر الجھن کے حل ہونے کا ذکر ہم اوپر کرا آئے ہیں۔ دوسری ضرورت یوں پوری ہوئی کہ قریش کا معاملہ احابیش سے طے پا گیا۔ مکہ کے قریب حبشی نام کی ایک پہاڑی ہے جس کے متصل چند قبائل (بنو نصر، بنو مالک اور مطیبین) نے حلیفانہ معاہدہ استوار کیا تھا اور اس سے ان کا نام احابیش پڑا۔ مکہ کے شہریوں کے مقابل یہ لوگ جنگجو یانہ صلاحیتوں میں بڑھے

ہوئے تھے اور حلیفانہ بنیادوں کے علاوہ معاوضے پر بھی لڑائیوں میں کام دیتے تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ جلدی کی وجہ سے پہلے معرکہ میں عملاً ان کو ساتھ نہ لیا جا سکا، اور قریشی سرداروں کو جنگ بدر کا نتیجہ دیکھ کر اس کوتاہی کا افسوس بھی ہوا۔ ادھر بنو مصطلق سے بھی (جو بارہ ضمنی خانوادوں پر مشتمل تھے) قریش کا معاملہ طے پا گیا۔ (رحمۃ اللعالمین۔ قاضی سلیمان منصور پوری، ج ۲، ص ۲۶۲۔۲۶۱)

تیسرے مسئلے کا حل یہ نکالا گیا کہ قریش کا جو تجارتی قافلہ اپنے موسم پر شام جا رہا تھا اس کے سامنے مکہ نے اپنا زیادہ سے زیادہ سرمایہ لا کر ڈھیر کر دیا۔ غیر تاجر عورتوں تک نے اپنے زیوارت اور اندوختے لا لا کے دیئے خود ابوسفیان کا قول ہے کہ مکہ کے قریشی مرد و زن میں سے کوئی ایسا نہ تھا کہ جس نے اس موقع پر حصہ نہ لیا ہو۔ (سیرت النبی شبلی نعمانی، ج ۲، ص ۲۹۲) مدعا یہ تھا کہ زیادہ سے زیادہ سرمایہ لگا کر زیادہ سے زیادہ نفع

حاصل کیا جائے اور اس آمدنی کے بل پر جنگی مہم بھیج کر ریاست مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجادی جائے۔

قریشی قافلہ تجارت جنگ کا دیباچہ تھا

ظاہر بات ہے کہ معرکہ کی دوسری تیاریوں کے ساتھ جن کی اطلاع حضورؐ کو ساتھ کے ساتھ رہتی، اس تدبیر کے اختیار کرنے کے معنی یہ تھے کہ قریش کا یہ قافلہ تجارت بجائے خود جنگی کارروائی کا دیباچہ تھا۔ یوں کہیے کہ اسلامی تحریک کا گلا کاٹنے کے لئے یہ قافلہ سونے کا خنجر لینے نکلا تھا۔ حالات ایسے ہوں تو کونسی مہذب ترین حکومت آج بھی ملحقہ شاہراہوں، پانیوں اور فضاؤں سے حریف سلطنت کو گذر جانے کا موقع دے سکتی ہے۔ ہوائی جہاز مار گرائے جاتے ہیں۔ بحری جہازوں کو پکڑ لیا جاتا ہے۔ یا تار پیڈو کر دیا جاتا ہے۔ سرمائے ضبط کر لئے جاتے ہیں۔ ڈاک روک دی جاتی ہے۔ تجارتی

مبادلہ ختم ہو جاتا ہے آخر مدینہ ہی کی ریاست کے لئے یہ انوکھا تقاضا کیوں وضع کر لیا گیا کہ اسے حریف کو اپنے سینے پر مونگ دلنے کی کھلی چھٹی دیئے رکھنی چاہئے تھی اور اگر نہیں دی تو اس کی مزاحمتی کارروائیوں کو لوٹ مار کر مہموں کا نام کیوں دیا جاتا ہے جب یہ حقیقت واضح ہے کہ تجارتی شاہراہ ایسے علاقوں سے گذرتی تھی جو معاہدانہ تعلقات کی بناء پر مدینہ کے زیر نگیں علاقے تھے تو آخر اسلامی حکومت کیوں اپنے علاقوں میں سے حریف طاقت کو گذرنے کا موقع دیتی۔

کوئی وجہ نہیں کہ مدینہ میں اس قافلہ پر چھاپہ مارنے کا جو رجحان پایا جاتا تھا۔ اس کے سلسلے میں کچھ بھی معذرت کی جائے۔ اور کسی بھی درجے میں اس کو سیاسی یا دفاعی گناہ تصور کیا جائے۔ اس قافلہ پر ہاتھ ڈالنے کے لئے اگر مسلم طاقت میں کچھ بھی داعیہ موجود تھا۔ تو وہ اپنی جگہ بالکل بجا تھا۔ اور ابوسفیان کو اس قسم کا اندیشہ ہوا تو نہایت درست ہوا۔ اندیشہ کی اس فضاء

میں یہ افواہ بھی مدینہ کے کسی اقدام سے قبل شائع ہوگئی کہ قافلہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں ہورہی ہیں۔ ادھر ابوسفیان نے شام جاتے ہوئے بھی مدینہ کی فضاء کو سونگھنے کی کوشش کی تھی اور واپسی پر وہ بہت ہی پھونک پھونک کر قدم رکھ رہا تھا اس نے جائزہ لے کر جب یہ محسوس کرلیا کہ پراسرار قسم کی نقل وحرکت ہورہی ہے اور خطرہ بالکل سامنے ہے تو اس نے فوجی امداد طلب کرنے کے لئے اپنا قاصد مکہ دوڑ لیا اور قافلہ کا راستہ بدل دیا۔ قاصد نے مکہ پہنچ کر عربوں کے مخصوص اسلوب پر اونٹ کے کان کاٹے، ناک چیری، کجاوا الٹا کردیا۔ قمیض پھاڑ دی اور روایتی ''نذیر عریاں'' بن کر دھائی دی کہ قریش کے لوگو! اپنے قافلہ کو محمدؐ سے بچانے کے لئے نکلو۔ کہیں تمہارے پہنچنے سے قبل اس کا خاتمہ نہ ہوجائے اس مروج ڈرامائی انداز نے مکہ بھر میں سخت جذباتی ہیجان پیدا کردیا۔ اور جلد از جلد ایک مضبوط فوج جس کے ساتھ ابولہب کے علاوہ تمام کے تمام اکابر خود شامل تھے۔ کیل کانٹے

سے لیس ہو کر نکل کھڑی ہوئی۔ سرداران فوج کے سامنے قافلے کو بچا لانے کا محدود مشن ہی نہ تھا بلکہ جس طنطنے سے وہ نکلے تھے وہ خود گواہ ہے کہ وہ مسلم طاقت کو پہلے ہی دور میں کچل کر ہمیشہ کے لئے قصہ پاک کر دینا چاہتے تھے۔

اس موقع پر اگر مسلم طاقت ذرا بھی کمزوری دکھاتی۔ دبک کے بیٹھی رہتی اور کوئی فوجی نقل و حرکت نہ کرتی۔ بوسفیان اپنا قافلہ بھی اطمینان سے گذار لے جاتا اور قریشی فوج بھی مدینہ کے علاقہ میں گھس کر بلکہ مدینہ کے دروازے پر تاریخی دستک دے کر بخیریت واپس چلی جاتی تو پھر اس نوخیز ریاست کی ہوا اکھڑ گئی ہوتی۔ مدینہ کے یہود اور منافق الگ سرکش ہو جاتے آس پاس کے قبائل کی نگاہوں میں وقعت نہ رہتی اور اس حکومت میں اتنا اثر نہ رہتا کہ وہ حلیفانہ تعلقات کو بڑھا سکے۔ بلکہ مٹھی بھر افراد کا اپنے جان، مال اور آبرو کو بچا رکھنا بھی مشکل ہو جاتا۔ کشمکش کرنے والی طاقت کو ایسے مراحل پیش آتے

ہیں کہ اپنی قلت تعداد و وسائل اور سنگین مشکلات کے باوجود اپنے نہایت جرأت مندی سے حالات کے چیلنج کو قبول کرنا پڑتا ہے ایسے موقعے کبھی کبھی آتے ہیں اور ان موقعوں پر اگر وقت کا فرض مردانگی سے ادا کر دیا جائے تو تحریکوں کو قدم میلوں آگے بڑھ جاتا ہے اور دوں ہمتی سے کام لے کر ان مواقع کو گنوا دیا جائے تو اس بری طرح پسپائی ہوتی ہے کہ پھر برسوں میں تلافی نہیں کی جا سکتی بلکہ کبھی تو وقت سے پیچھے رہ جانا ہمیشہ کے لئے پوری بازی کو چوپٹ کر دیتا ہے۔ ایسے تاریخی موقعہ ہائے تصادم جب سامنے آجاتے ہیں تو پھر سپاہیوں کی گنتی اور اسلحہ اور رسد کی مقداری کو سامنے رکھ کر منصوبہ اقدام نہیں بنایا جاتا۔ بلکہ سوال یہ پیش ہوتا ہے کہ وقت سے پیچھے رہ جانے پر تاریخ کی رو کہیں سروں کے اوپر نہ گذر جائے۔ درحقیقت ایسے ہی مواقع پر قیادت کی صلاحیتوں کی جانچ بھی ہو جاتی ہے اور پیروکاروں کی بھی۔ سو مدینہ کو ایسا ہی فیصلہ کن تاریخی موقعہ درپیش تھا۔ ننھی سی

مسلم ریاست اگر کافی قوت رکھتی تو یقیناً اسے نہ قافلے کو بچ کے جانے دینا چاہئے تھا۔ اور نہ قریشی فوج کے چھکے چھڑانے میں کوتاہی کرنی چاہئے تھی۔ مگر بیک وقت دونوں مہمات چونکہ دسترس سے باہر تھیں اس لئے مشیت کا فیصلہ بھی یہی ہوا کہ کوئی ایک ہی بازی (احدی الطائفتین) لی جاسکتی ہے۔ خدا نے یہ چاہا کہ معرکہ ہو تو ایسا کہ جس سے احقاق حق اور ابطال باطل ہو جائے وار کفر کی جڑیں کٹ جائیں۔

محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے نظام خبر رسانی کے ذریعے قافلے اور فوج دونوں طرف کی اطلاعات مسلسل مل رہی تھیں۔ آخر آپؐ نے وادیٔ ذفران میں مشاورتی اجتماع طلب کیا اور پوری صورت حالات سامنے رکھ کر جائزہ لینا چاہا کہ آیا جماعت میں ایک بڑی بازی کھیل جانے کا بل بوتا ہے بھی یا نہیں۔ (ہمارے دور کے سیرت نگاروں میں اس امر میں سخت اختلاف ہے کہ آیا حضور مدینہ ہی میں مہاجرین و انصار کی

Source: www.prophetmuhammadforall.org

خصوصی مشاورت کر کے قافلہ کو چھوڑ کر قریشی فوج سے جھڑپ لینے نکلے تھے۔ یا مدینہ سے نکلتے وقت تو قافلہ مدنظر تھا اور بعد میں جب وادی ذفران پہنچ کر قافلہ کے نکل جانے سے نئی صورت حالات سامنے آگئی تو آپؐ نے وہیں ہنگامی مشاورت منعقد کی اور فوج سے معرکہ آرا ہونے کا فیصلہ فرمایا۔ یہ بحث مستشرقین کے اس گھٹیا الزام سے پیدا ہوتی ہے کہ مدینہ کی حکومت (نعوذ باللہ) لوٹ مار کی کارروائیاں کر کے معاشی بحران کا ازالہ کرنے کے درپے تھی۔ چنانچہ تفسیر، حدیث، مغازی اور سیرت کے کثیر دفاتر کے خلاف جا کر یہ ثابت کرنے کی کوشش شروع ہوئی کہ حضورؐ دستہ لے کر قافلہ کو نشانہ بنانے نہیں نکلے تھے بلکہ مدینہ ہی میں مشاورت ہو کر فوج سے نبرد آزما ہونے کا فیصلہ ہو گیا تھا۔ اس نقطہ نظر کے سب سے بڑے وکیل مولانا شبلی نعمانی تھے اور انہوں نے قرآن کو اپنے حق میں ناطق قرار دیا۔ لیکن درحقیقت ان کی تعبیر واقعات کے حق میں نہ تو

قرآن فی الواقع ایسا ناطق ہے نہ کثیر التعداد مضبوط روایات کو بالائے طاق رکھا جا سکتا ہے۔ نہ سلسلہ واقعات ان کی تائید میں ہے اور نہ سرے سے وہ اعتراض ہی درست ہے جس سے یہ بحث پیدا ہوئی۔ ہم انشاء اللہ یہ بحث اس کے اصل موقع پر پوری تفصیل سے اٹھائیں گے۔ موخر الذکر نقطۂ نظر ہی درست ہے۔)

خود آپ عزم رکھتے تھے کہ جو کچھ قوت فراہم ہے اسے زندگی اور موت کی بازی میں لگا دیا جائے حضورؐ نے دونوں امکانات جماعت کے سامنے رکھ دیئے کہ ادھر قافلہ ہے ادھر فوج۔ کس طرح اقدام کیا جائے۔ ایک خاصے بڑے گروہ نے قافلے کی طرف اقدام کرنے کی تجویز کی حمایت کی اور قرآنی اشارے کے بموجب اس گروہ میں کچھ ایسے لوگ بھی شامل تھے جو سہل پسندی کا شکار تھے اور جن کے لئے مالی مفاد بھی اہمیت رکھتا تھا۔ آپؐ نے دوبارہ مسوال دوہرایا جس کے معنی یہ تھے کہ حضورؐ قافلے والی تجویز کے حق میں نہیں تھے۔ اس اشارہ کو سمجھ کر

مہاجرین کی طرف سے حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور مقدادؓ بن عمرو نے بھرپور انداز سے تعاون پیش کیا کہ آپ حکم الٰہی کے مطابق جدھر بھی اقدام کریں گے ہم ساتھ ہوں گے اور بنی اسرائیل کی طرح یہ کہہ کر بیٹھ نہیں رہیں گے کہ موسیٰ! جاؤ تم اور تمہارا خدا مل کر لڑیں۔ ہم تو یہیں بیٹھیں رہیں گے۔ حضورؐ نے پھر اپنا سوال دوہرایا اور مدعا یہ تھا کہ انصار کا نقطۂ نظر سامنے آئے۔ ان سے معاہدہ عقبہ میں صرف اتنی بات طے تھی کہ مدینہ پر حملہ ہونے کی صورت میں وہ بچاؤ کریں گے وہ اگر حضورؐ کے ساتھ مدینہ سے نکلے تھے تو محض قافلہ سے تعرض کرنے کے لئے۔ لیکن بعد میں یکا یک حالات نے باقاعدہ جنگی معرکہ واجب کر دیا سو اب ان کا عندیہ سامنے آنا چاہئے تھا اس مدعا کو سمجھ کر سعد بن معاذ انصار کی طرف سے بولے اور انہوں نے پورے ایمانی جذبے سے پیشکش کی کہ آپؐ اپنے عزم کے مطابق عمل فرمایئے۔ ہم آپؐ کے ساتھ سمندر میں بھی کودنے کو

تیار ہیں۔

بہر حال ۱۲ رمضان ۲ھ کو ریاست مدینہ کا سربراہ کار (صلی اللہ علیہ وسلم) بہ نفس نفیس تین سو سے زائد سپاہیوں کے ساتھ (جن میں ۸۶ مہاجر، ۷۰ اخزرجی اور ۶۱ افراد قبیلہ اوس کے تھے۔ حالانکہ مشہور عالم تعداد ۳۱۳ ہے) شہر سے نکلا۔ حضورؐ نے اقدام ایسے حکیمانہ طریق سے کیا۔ کہ زد دونوں طرف پڑتی معلوم ہو۔ ایک نگاہ قافلے کی طرف تھی تا کہ ابو سفیان کو محسوس ہو جائے کہ راستہ پر خار ہے دوسری نگاہ فوج پر تھی۔ یہ معلومات حاصل کرنا بھی اشد ضروری تھی، کہ قافلہ کدھر اور فوج کہاں ہے۔ دونوں کے درمیان فاصلہ کس قدر ہے اور دونوں کے مل جانے کا تو امکان نہیں۔ قافلہ پیچھے رکا رہتا ہے یا ساحل کی طرف رخ کرتا ہے۔ تاہم مقام صفراء میں پہنچ کر آپؐ نے بسبس بن عمرو الجہنی اور عدی بن ابی الرغباء کو بدر کی جانب بھیجا کہ قافلے کا پتہ لگائیں اور خود وادی ذفران جا پہنچے۔ اطلاع ملی کہ قافلہ بدر کا

Source: www.prophetmuhammadforall.org

راستہ چھوڑ کر ساحل کے لمبے راستے کی طرف نکل گیا ہے اور خاصا دور جا چکا ہے۔ حضورؐ نے اب در کا رخ کیا۔

ادھر ابو سفیان نے ساحلی علاقے میں پہنچنے کے بعد اپنے آپ محفوظ پا کر قریشی فوج کو پیغام بھیجا کہ اب ہم بچ کے نکل آئے ہیں۔ لہذا تم لوگ بھی لوٹ آؤ۔ مگر ابو جہل کے ذہن میں دوسرا ہی سودا سما رہا تھا۔ اس نے بدر جانے کا فیصلہ کیا۔ وار مسلمانوں پر حملہ کی ٹھان لی۔ قبیلہ زہرہ اور عدی کے سرداروں کو چونکہ قافلہ کے بچاؤ کے لئے ساتھ لیا گیا تھا۔ لہذا انہوں نے واپس چلنے کی تحریک کی۔ ان کی بات نہ سنی گئی تو وہ اپنے آدمیوں کو لے کر لوٹ گئے۔ حکیم بن حزام اور عتبہ نے بھی جنگ سے باز رکھنے کی کوششیں کی۔ مگر ابو جہل ان باتوں کو سن کر آگ بگولا ہو گیا۔ اور اس نے حامیان امن کو سخت طعن و تشنیع کی اور ساتھ ہی واقعہ نخلہ کے مقتول حضری کے بھائی عامر کے جذبات کو بھڑکا دیا۔ عامر نے شور مچا کر ایک جذباتی طوفان برپا کر دیا۔ آخر

قریشی فوج بڑے طنطنے کے ساتھ بدر کے کنارے آپہنچی۔

حضورؐ نے ساتھیوں کے مشورے سے زیادہ بہتر جگہ پر قبضہ کیا اور مناسب جنگی منصوبہ بنا کر نحاذ کی ترتیب سوچ لی۔ دشمن کی تعداد اور اہم افراد کے بارے میں تجسس کرایا اور جب نام بنام ہر ایک کا علم ہوا تو رفقاء سے فرمایا "کہ" مکہ نے اپنے جگر پارے تمہارے سامنے لا ڈالے ہیں"۔ دشمن کی ایک ہزار سپاہ جس میں چھ سو زرہ پوش۔ مکیصد سوار شامل تھے۔ جس کے ساتھ اونٹوں کا ہجوم تھا۔ اسلحہ کی فراوانی تھی۔ رسد بافراط تھی۔ جانبازوں کی خوشنودی کے لئے شراب کے مٹکے اور گانے کے لئے لونڈیاں حاضر تھیں۔ اس کے مقابل میں تین سو سے کچھ زائد بے سروسانوں کو میدان میں اتار دینا محض تہور نہ تھا۔ جنگی قوت تعداد اور اسلحہ کے علاوہ اور بہت سے عناصر پر مشتمل ہوتی ہے۔ حضورؐ خوب جانتے تھے کہ وہ جن سپاہیوں کو تین کے مقابلے میں ایک کے تناسب سے لا رہے ہیں۔ ان میں مظلومی

کی روح بے تاب موجزن ہے۔ ان میں اپنے نظریہ کی صداقت پر زلزلہ افگن ایمان کارفرما ہے۔ وہ تنظیم اور کردار کے لحاظ سے فائق تر ہیں۔ پھر ان پر احساس چھایا ہوا ہے کہ سوال محض ایک جنگ کے جیتنے یا ہارنے کا نہیں بلکہ تحریک کی پوری بازی مار لینے یا گنوا دینے کا ہے ان کا ماضی، حال اور مستقبل سارا کچھ میدان بدر میں سمٹ آیا تھا۔ پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ ان کو خدا کی نصرت پر یقین تھا جو ان کی نگاہ میں اصل فیصلہ کن طاقت تھی اور نصرت الٰہی کے بادل اس لمحے کس شان سے لہرائے ہوں گے جب حضورؐ نے گڑگڑا کر بھیگی پلکوں کے ساتھ اپنے پروردگار کو ان درد بھرے لفظوں میں پکارا ہوگا کہ:

اللھم ھذہ قریش قد اقبلت بخیلاء ھا وفخرھا تحادک وتکذب رسولک اللھم فنصرک الذی وعدتنی! اللھم احنھم الغداۃ!

اے اللہ! یہ ہیں قریش اپنے کبر و اعجاب کے نشے میں سرشار ہو کر

اس غرض سے آرہے ہیں کہ تیرے بندوں کو تیری اطاعت سے باز رکھیں اور تیرے رسول کو جھٹلائیں۔ پس اے اللہ اپنی نصرت بھیج جس کا تو نے مجھ سے وعدہ کر رکھا ہے۔ اے اللہ! کل ان کو ہلاکت میں ڈال دے۔!

اور پھر یہ جملہ کہ ''خداوندا! اگر یہ چند جانیں آج ختم ہوگئیں تو پھر قیامت تک تیری عبادت نہ ہوگی'' حضور جیسی ہستی جب اپنا کل سرمایہ تحریک میدان عمل میں رکھ کر ایسی رقت آفریں دعا کا قاصد عرش پر دستک دینے کے لئے بھیجے تو کیوں نہ فرشتوں کی فوجیں اتر پڑیں۔ چنانچہ فتح کی بشارت آگئی۔

معرکہ بدر کا نتیجہ

وقت کی تاریخ گویا بدر کے چھوٹے سے میدان میں سمٹ آئی تھی اور اس کو حرکت میں رکھنے والی دو کونہ قوتیں اپنے اپنے جذبہ میں پوری طرح سرشار ہو کر آمنے سامنے تھیں۔ ایک

طرف آبائی مذہب، قدیم رسم و رواج اپنی قیادت اور معاشی مفاد کا بچاؤ کرنے کے لئے خون کھول رہا تھا۔ اور دوسری طرف کرنوں کا ایک غول تھا جو مدینہ کے افق سے ظہور کرنے والی صبح تو کو پورے خطہ حیات میں پھیلا دینا چاہتا تھا اور جس کی نگاہ میں جاہلیت کی تاریکیوں کا سینہ چھیدنا ایک مقدس فریضہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس معرکہ میں باپ اور بیٹے، چچا اور بھتیجے۔ بھائی اور بھائی، خسر اور داماد خونی رشتوں کو فراموش کر کے اپنے اپنے تصور حیات کے بچاؤ کے لئے آمنے سامنے آ گئے تھے۔ اس موقع پر انصار نے یہ جانتے ہوئے سرکار رسالتمآب کا دل و جان سے ساتھ دیا کہ وہ پورے عرب کے تیروں اور تلواروں کی مد پر جا رہے ہیں۔ بڑا کٹھن امتحان تھا جس میں سرخرو ہو کر حضورؐ کے رفقاء نے ثابت کر دیا کہ وہ تحریک اسلامی کے سچے اور بے لوث اور جیدار علمبردار ہیں۔ یہ معرکہ غیر المعقول نتیجہ کے اعتبار سے تاریخ انسانی میں اپنی مثال آپ ٹھیرا، کہنا چاہئے کہ لا بیلوں کے ذریعہ

قدرت نے ایک بار پھر ہاتھیوں کے لشکر کو تہس نہس کر دکھایا.....

۱۷ رمضان کو مقابلہ ہوا۔ اسلامی فوج کے ۲۲ جانبازوں نے اپنی جانیں اپنے نصب العین پر نچھاور کر کے دکھا دیا کہ وہ عظیم ترین سچائی کے اخلاص مند گواہ ہیں۔ لیکن دوسری طرف دشمن کے ستر آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتارا اور اپنا کوئی آدمی ان کے ہاتھ میں دیئے بغیر ۷۰ ہی افراد کو جنگی قیدی بنایا۔ نیز مال غنیمت حاصل کیا۔ عظیم درجے کے روسائے قریش جن میں شیبہ، عتبہ، ابوجہل، ابوالبختری، زمعہ بن الاسود، عاص بن ہشام، امیہ بن خلف، منبہ بن الحجاج جیسی شخصیتیں شامل تھیں اسلامی تیغ جہاد کا لقمہ ہو گئے۔ ان کی قیادت کی صفیں غارت ہو گئیں۔ قریش کی کمر درحقیقت اسی پہلے معرکے میں ٹوٹ گئی اور ان کا غرور پامال ہو کے رہ گیا اور اسلامی تحریک یکا یک اپنا سر اونچا کر کے مستقبل کے نئے افق دیکھنے کے قابل ہو گئی۔ اسی بناء پر قرآن نے معرکہ بدر کے دن کو "یوم الفرقان" یعنی حق و باطل کو نتھار دینے

والی کسوٹی قرار دیا۔ اس معرکے نے درحقیقت فیصلہ کردیا کہ قریش کے محبوب نظام جاہلیت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کردہ اسلام میں سے کس کو زندہ رہنے اور پنپنے کا حق ہے اور کس میں یہ صلاحیت ہے۔ اس لئے قرآن نے اپنے تبصرہ میں کہا کہ دونوں میں سے اب زندہ اسی کو رہنا ہے جو اپنے زندہ رہنے کے لئے واضح دلیل جواز رکھتی ہو۔ اور عوام کو بھی جس کا دامن تھا منا ہو۔ وہ دلیل کی بنیاد پر تھا میں..... پھر چاہیں تو جاہلیت کی خندق ہلاکت میں گریں اور چاہیں تو اسلامی زندگی افروز فضاؤں میں پرواز کریں۔

قیدیوں کو چار چار ہزار درہم (بعض امرا سے زیادہ رقوم لی گئیں) فدیہ لے کر واپس کردیا گیا۔ اس طرح قریش پر ڈھائی لاکھ درہم سے زائد کا مالی بار پڑ گیا۔ اور اس معاشی چوٹ نے ان کی طاقت کو اور بھی مضمحل کردیا۔ سیاسی حیثیت سے بدر کے اس غیر متوقع (قریش کے نقطہ نظر سے) نتیجے کا اثر یہ ہوا کہ

قبائل عرب کی نگاہوں میں اسلامی تحریک اور ریاست مدینہ کا وزن بڑھ گیا اور یہ قوت امیدگاہ مستقبل قرار پانے کے قابل ہوگئی۔ چنانچہ (ایک نقطہ کے مطابق) مدینہ کے بعض یہودی قبائل جنگ بدر کے بعد ہی مدینہ کے دستوری معاہدہ میں شریک ہوئے۔ بکثرت باشندگان مدینہ ایمان لائے۔ صحیح معنوں میں اسلام معرکہ بدر کے بعد ہی ایک مسلمہ عام ریاست بنا۔ کیونکہ اس نے اپنا سیاسی قوت ہونا بیچ کھیت منوالیا۔

اسی تغیر احوال کو ایک نعمت عظمیٰ قرار دیتے ہوئے قرآن نے مسلمانوں کو توجہ دلائی کہ:

واذکروا آاذانتم وقلیل مستضعفون فی الارض تخافون ان یتخطفکم الناس فاویکم وایدکم بنصرہ ورزقکم من الطیبت لعلکم تشکرون۔ (الانفال ۔ ۲۶)

اور یاد کرو وہ وقت جبکہ تم تھوڑے تھے، زمین میں تم کو بے زور سمجھا جاتا تھا۔ تم ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں لوگ تم کو مٹا نہ دیں۔ پھر اللہ نے تم کو جائے پناہ مہیا کر دی۔ اپنی مدد سے تمہارے ہاتھ مضبوط کئے اور تمہیں اچھا رزق پہنچایا تا کہ تم شکر گذار بنو۔

یہ آیت درحقیقت ہر دور کی اسلامی تحریک کے دو بڑے ادوار کو عیاں کرتی ہے ایک قلت، ضعف اور خوف وخطر کا دور۔ دوسرا جماؤ مضبوطی، اقتدار، فاتحانہ اقدام اور معاشی فلاح کا دور۔ اسلام میں جیسے پہلا مرحلہ فطری اور لازم ہے۔ ویسے ہی دوسرا مرحلہ بھی طبعی اور واجب ہے۔ اس آغاز کا منطقی انجام یہی ہے۔ لیکن جو تصور اسلام، افراد اور اقوام کو مستقلاً اولین حالت میں ڈالے۔ اس پر قانع کر دے اور آگے کے دور روشن کی طرف کوئی راہ نکال کے نہ دے رہا ہو وہ محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے سکھائے ہوئے اسلام سے کہیں نہ کہیں انحراف کر جانے والا ہوگا۔

اس موقع پر کفار کو بھی نصیحت کے ساتھ چیلنج کیا گیا۔ کہ "اگر تم لوگ واضح فیصلہ چاہتے تھے تو لو وہ فیصلہ تمہارے سامنے آگیا۔ اب باز آجاؤ۔ یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔ ورنہ اگر تم پھر پلٹ کر اس حماقت کا اعادہ کرو گے۔ تو ہم بھی دوبارہ تمہاری خبر لے ڈالیں گے....." (الانفال۔۱۹) پھر مسلم قوم کی طرف رخ پھیر کر کہا گیا کہ اب کمریں کھول دینے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ اب ان ہاتھوں کو شل کئے بغیر دم نہ لو جنہوں نے تیغ کارزاری کو بے نیام کر لیا ہے۔ "اب ان سے جنگ جاری رکھو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین پورے کا پورا اللہ کے لئے ہو جائے"۔ (انفال۔۳۹) یعنی جنگ اور فتنہ کی جو آگ قریش نے دہکا دی ہے اب اسے پوری طرح بجھائے بغیر کار دین کی تکمیل ہو نہیں سکتی۔

دو قوتوں کا فرق

معرکہ بدر کو حق تعالیٰ نے جس بناء پر یوم الفرقان قرار دیا جس بناء پر کہا کہ جاء کم الفتح لو! (فیصلہ تمہارے سامنے آگیا) جس بناء پر سورۂ آل عمران میں فرمایا کہ "تمہارے لئے نشانی ہے دو لشکروں کے تصادم میں"۔ نیز توجہ دلائی کہ "اس واقعہ میں دیدۂ بینا رکھنے والوں کے لئے نصیحت ہے"۔ وہ درحقیقت نظریاتی و اخلاقی فرق ہے جو دونوں طاقتوں کے بالمقابل آنے پر پوری طرح واضح ہوگیا۔ ایک لشکر دنیوی مقابلہ و اغراض اور قبائلی و نسلی تعصبات کو بالائے طاق رکھ کر محض اللہ کی راہ میں نوع انسانی کی عظیم فلاح کے لئے اٹھتا ہے۔ دوسرا لشکر اپنی سرداری، اپنے نسلی غرور، اپنے تجارتی مفاد اور اپنے اندھے جذبات کی خاطر آگے بڑھتا ہے، وہ لشکر خدا کے سامنے عاجزی کرتا ہوا، نمازوں اور رکوع و سجود میں مگن اور رضائے الٰہی پر نگاہیں جمائے میدان میں اترتا ہے یہ لشکر دعوتیں اور ضیافتیں، شرابوں کے دور چلاتا، موسیقی کی تانوں میں بہکتا اور رقاصاؤں

کی بدنی حرکات سے دل بہلاتا سامنے آتا ہے، وہ لشکر افراد کی تعداد اور اسلحہ کی کمی کے ساتھ ایمان، وحدت نظم اور کردار کے لحاظ سے زیادہ اونچی قوتوں سے آراستہ ہے یہ لشکر تعداد میں بڑا اور سامان کے لحاظ سے بھاری ہے مگر اخلاقی قوت کے لحاظ سے نہایت بودا، اور پھر قدرت دونوں کے درمیان فتح وشکست کا انتہائی بین فیصلہ کرتی ہے کہ اندھوں کو بھی دکھائی دینے لگے کے ٹنے والی قوت کونسی ہے اور پھلنے پھولنے والی کونسی؟

یہ فرق بعض واقعات کو سامنے رکھنے سے اور بھی زیادہ نمایاں ہو جاتا ہے۔

..... ابو حذیفہ بن یمان اور ابو عیل دو مسلم نوجوان اس زمانے میں مکہ سے آئے۔ راستے میں کفار نے روکا کہ ہم تم کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدد کے لئے نہ جانے دیں گے۔ انہوں نے عدم شرکت کا وعدہ کر کے نجات حاصل کی۔ حضورؐ کی خدمت

میں آ کر سارا واقعہ سنایا۔ قلت تعداد کے ساتھ یہ نازک موقع جبکہ ایک چیونٹی کی مدد بھی ملتی تو گراں بہا محسوس ہوتی۔ حضورؐ نے فیصلہ فرمایا کہ تم نے جو وعدہ کر لیا ہے اسے لازماً ایفا کرو۔ ہماری مدد اللہ تعالیٰ خود فرمائے گا تاریخ کے پاس ایسی زریں مثالیں کتنی ہوں گی؟

..... کفار مقتولین کی لاشوں کو آپؐ نے گڑھا کھدوا کر دفن کر لیا۔ کسی لاش کی بے حرمتی نہیں ہوئی۔

..... مال غنیمت کے بارے میں عام طریقہ یہ تھا کہ جو کچھ جس کے ہتھے چڑھ گیا وہ اس کا ہوتا۔ اور اس قاعدہ کی وجہ سے فتح کے آثار پیدا ہوتے ہی ہڑبونگ اور ہاتھا پائی مچ جاتی لیکن قرآن نے مال غنیمت کا نیا ضابطہ مقرر کیا جس کے لئے اساسی تصور یہ دیا کہ "الانفال للہ وللرسول" یعنی مال غنیمت اللہ اور رسول کا ہے اور اس میں تصرف کرنا اور اسے تقسیم

کرنا اسلامی حکومت کا کام ہے۔ اس نئے ضابطے کی بناء پر پورا مال غنیمت پائی پائی اور رتی رتی سالار لشکر کے قدموں میں ڈال دیا جانے لگا اور پھر اس میں سے پانچواں حصہ ریاست کی اجتماعی ضروریات کے لئے روک کر بقیہ کو سپاہ پر تقسیم کیا جاتا

..... جاہلی نظام میں اسیران جنگ فاتح کے رحم وکرم پر ہوتے۔ اور ان پر ظلم توڑے جاتے۔ ان سے بدسلوکی کی جاتی۔ اور ان کی غلامی میں ڈال دیا جاتا ..... اور آج کے دور تہذیب میں بھی جنگی قیدیوں کے ساتھ جو وحشیانہ سلوک روا رکھا جاتا وہ واضح ہے۔ لیکن حضورؐ نے جنگی قیدیوں کو نیا مرتبہ دیا۔ ہدایت دی گئی تھی کہ قیدیوں کو نہایت آرام سے رکھا جائے۔ بعض صحابہ نے اس کی تعمیل میں خود کھجوریں کھا کر اپنے چارج میں آئے ہوئے قیدیوں کو پیٹ بھر اچھا کھانا کھلایا۔ خود ایک بدری قیدی ابو عزیر (مصعب بن عمیر کے بھائی) کا بیان ہے کہ جن انصاریوں کے ہاں مجھے رکھا گیا تھا۔ وہ خود کھجوروں پر گذر

کرتے اور مجھے اچھا کھانا لا کر دیتے۔ اس سلوک کی وجہ سے میں سخت شرمسار ہوتا۔ جن اسیروں کے پاس لباس کم تھا۔ ان کو کپڑے دیئے گئے۔ حضرت عباس کے بدن پر لمبے قد کی وجہ سے کوئی کرتا پورا نہیں اترتا تھا۔ اس لئے ان کے لئے عبداللہ بن ابی نے کرتہ بھجوایا۔ اسی احسان کے بدلے میں حضورؐ نے اس کے کفن کے لئے اپنا کرتا عطا کیا تھا۔ قیدیوں میں سہیل بن عمرو بھی تھا جو اپنا پورا زور فصاحت حضورؐ کے خلاف تقاریر کرنے میں صرف کرتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے مشورہ دیا کہ اس کے سامنے کے دانت اکھڑوا دیئے جائیں تا کہ آئندہ یہ جوش خطابت نہ دکھا سکے۔ کوئی اور ہوتا تو اپنے ایک بے بس قیدی کے ساتھ بدترین سلوک کرنے میں بھی تامل نہ کرتا۔ لیکن حضورؐ نے فرمایا کہ اگر میں اس کے کسی حصہ بدن کو بگاڑوں، اصطلاح میں اسے مثلہ کرنا کہتے ہیں۔ تو میرے نبی ہونے کے باوجود خدا اس کی سزاء کے طور پر میرے بھی اسی حصہ بدن کو بگاڑے گا۔

فاتح طاقت بالعموم نشۂ پندرا میں بدمست ہوکر نہایت غیر سنجیدہ ہوجایا کرتی ہے لیکن حضورؐ اور آپؐ کے ساتھیوں میں ایسے اوچھے پن کی کوئی جھلک نہیں دکھائی دیتی۔ یہاں تک کہ جب ابوجہل کی ہلاکت کی خبر ملتی ہے اور اس کا سر آپؐ کے سامنے لایا جاتا ہے تو اس وقت خدا کی تعریف کے کلمات آپؐ کی زبان پر جاری ہوتے ہیں۔ مدینہ کی طرف فاتح فوج کا مارچ ہوتا ہے تو اس وقت بھی نہ کوئی بینڈ باجے کا انتظام کیا جاتا ہے۔ نہ گانا بجانا ہوتا ہے اور نہ مدینہ پہنچ کر کوئی جشن مسرت منایا جاتا ہے۔ فقط ایک جذبہ تشکر دلوں پر طاری ہوتا ہے جس کی بنیاد اس احساس پر ہے کہ یہ فتح اللہ تعالیٰ کا انعام ہے۔

.....بجائے اس کے کہ مسلم سپاہی اپنے معمم قوت کا شکار ہوجائیں۔ ان کا کمانڈر (صلی اللہ علیہ وسلم) قرآنی الیا کے آئینے میں ان کو رعی سہی ذہنی و اخلاقی کمزوریوں کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ ان کے جنگی کردار پر ناقدانہ تبصرہ کرکے نامطلوب

پہلوؤں کو نمایاں کرتا ہے۔ اس طرح ان میں مزید تعمیر و اصلاح کے لئے تحریک پیدا کی جاتی ہے۔

اس مبحث میں اگر گنجائش اتنی نہیں کہ ساری جنگی کارروائیوں پر ایک فصل میں اتنی تفصیل سے کام لیا جائے۔ لیکن ہم نے اولین معرکہ پر اتنی توجہ اس لئے صرف کی ہے کہ قاری اس کے ذریعہ وہ نقطۂ نظر حاصل کرے جس کے بغیر بعد کے جنگی واقعات کو سمجھنا ممکن نہیں ہے۔ (جنگ بدر کے متعلق اوپر کی معلومات فراہم کرنے کے لئے حسب ذیل کتب پیش نظر ہیں (۱) تفہیم القرآن، مولینا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ، جلد ۲، سورہ ٔ ب الفال کا دیباچہ اور حواشی۔ (۲) سیرت النبی از علامہ شبلی نعمانی، ج ۱، ص ۳۳۷۔۲۹۲۔ (۳) اصح السیر مولانا عبدالرؤف ،ص ۱۴۲۔۱۲۸۔ (۴) عہد نبوی کے میدان ہائے جنگ ڈاکٹر حمید اللہ صدیقی، ص ۲۹۔۱۴۔ (۵) حدیث دفاع۔ میجر جنرل محمد اکبر خان، ص ۱۶۵۔۱۲۲۔) بقیہ جنگوں کی روداد ہم نسبتاً

اختصار سے بیان کریں گے۔

معرکۂ بدر کے بعد

معرکۂ بدر میں اسلامی ریاست کے ایک مختصر دستہ نے سرور عالمؐ کی قیادت میں اگرچہ قریش کو ایک سبق سکھانے والی شکست دی لیکن اس کے ساتھ مستقبل میں ایک سلسلہ آویزش واجب ہوگیا۔ مکہ کی تلوار کے ایک بار بے نیام ہوجانے کے بعد اب قیام امن بغیر اس کے ممکن نہ رہا کہ اس تلوار کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا جائے اور اسے لہرانے والے ہاتھوں کو شل کردیا جائے حریف جب زخم کھالیتا ہے تو پھر اس کا جذبۂ انتقام اس سانپ کی طرح پیچ وتاب کھاتا ہے جس کی دم کچل دی گئی ہو۔ یہ بات بالکل واضح تھی کہ اگرچہ قریشی قیادت کی صف سرگرم اور دی فہم سرداروں سے یکا یک خالی ہوگئی تھی۔ ان کا اقتصادی مستقبل خطرے میں پڑ چکا تھا اور ان کی طاقت کی جو ہوا بندھی چلی آرہی

تھی وہ پہلے بار کسی قدر اکھڑنے لگی تھی۔ لیکن تاریخ کا یہ بھی ایک کلیہ ہے کہ مذہبی، سیاسی یا معاشی اقدار جس کسی کو حاصل ہوتا ہے۔ وہ اسے بچانے کے لئے آخری بازی تک کھیلتا ہے۔ خصوصاً پشت ہا پشت چھوڑ سکتے جن کے فروغ کا لازمی نتیجہ ان کی قیادت کے خاتمے کی صورت میں رونما ہونے والا ہو۔ وہ دانتوں اور ناخنوں کا پورا زور صرف کر کے آخری سانس تک لڑتے ہیں۔ پس حضورؐ خوب سمجھتے تھے کہ بدر کی فتح اسلامی ریاست کے لئے دفاعی لحاظ سے مستقبل کی کتنی بھاری ذمہ داریاں اپنے ساتھ لے کے آئی ہے۔ حضورؐ کو اچھی طرح اندازہ تھا کہ قریش اپنے پورے کے پورے مذہبی و سیاسی اثر، اپنے پرانے حلیفانہ تعلقات اور اپنی مکمل معاشی قوت کو کھپا کر بھی اپنے اس جنگی پھریرے کو بلند رکھنے کی کوشش کریں گے۔ جسے لہراتے ہوئے ان کی فوج مکہ سے پہلی بار نکلی تھی۔ یوں گویا تعمیر و اصلاح کے داعی اور سچائی اور انصاف کے علمبردار کو مجبور کر دیا گیا کہ وہ

تعمیری کام کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی جماعت کی مختصری قوت کو ہر آن چوکنا اور نت نئے معرکوں کے لئے تیار رکھے۔ چنانچہ عملاً معرکہ بدر کے بعد پے در پے حضورؐ کو دفاعی اقدامات کرنے پڑے۔ معرکہ بدر سے واپسی کے بعد سات ہی روز گذرے تھے کہ حضورؐ کو فوجی مہم لے کر مدینہ سے ماء الکدر جانا پڑا۔ جہاں سے اطلاع ملی تھی کہ بنی سلیم اور بنی غطفان کے کچھ لوگوں نے جنگی ارادے سے کچھ قوت اکٹھی کی تھی۔ مگر حریف سامنے نہیں آیا۔ اور تین روز پڑاؤ رکھ کر آپؐ واپس آ گئے۔ بعد میں پھر ان لوگوں کے جمع ہونے کی خبر آئی تو غالب بن عبداللہ لیثی ایک دستہ لے کے گئے۔ مختصری جھڑپ ہوئی اور مفسدین بھاگ گئے۔

حضورؐ جب بدر کی مہم پر مدینہ سے باہر تھے تو پیچھے بنوقینقاع نے معاہدہ توڑ کر بلوہ کر دیا تھا۔ اتنے بڑے واقعہ کو نظر انداز کرنا گویا آئندہ کے لئے مدینہ کو تباہی کے حوالے کرنا تھا۔ اس لئے شوال ۲ھ میں حضورؐ نے ان کے خلاف فوجی طاقت کے ساتھ ایک

نوع کی پولیس کارروائی (Police Action) کی اور ان کے حسب خواہش تالشی کرائی گئی۔ جس کے فیصلے کے بموجب اس عنصر کو حدود مدینہ سے نکال دیا گیا۔

معرکہ بدر کے دو ماہ بعد (ذی الحجہ) ابوسفیان دوسو آدمیوں کے ساتھ مدینہ کے علاقہ میں آیا اور خفیہ طور پر سلام مشکم سے مل کر جنگی ساز باز کرنا چاہی۔ مگر کامیابی کی کائی صورت نہ دیکھ کر مقام عریض میں درختوں کو تباہ کر کے اور ایک انصاری کو قتل کر کے فرار ہو گیا۔ حضورؐ تعاقب کرتے ہوئے قرقرہ الکدر کے مقام تک گئے۔ مگر غارت گروں کا دستہ بھاگنے میں کامیاب ہو گیا۔ بھاگتے ہوئے ان لوگوں نے بوجھ کم کرنے کے لئے ستوؤں کے تھیلے گرا دیئے۔ جو اسلامی دستہ کے قبضہ میں آئے۔ اسی لئے اس مہم کا نام غزوۂ سویق پڑ گیا۔ ذی الحجہ کا بقیہ مہینہ مدینہ میں گذرا لیکن محرم ۳ھ میں اطلاع ملی کہ بنو ثعلبہ و بنو محارب حملہ کے لئے مجتمع ہو رہے ہیں۔ مہینے کے آخر میں آپؐ

بخد تشریف لے گئے ارقریباً صفر کا پورا مہینہ اسی علاقہ میں گذارا۔ دشمن مقابلے پر نہیں آیا۔ بغیر تصادم کے واپسی ہوئی۔ اتنا وقت آپؐ نے اس غرض سے صرف کیا کہ اس علاقے میں حلیفانہ تعلقات بڑھ جائیں۔ تاکہ قریش ادھر سے تجارتی راستہ اختیار نہ کرسکیں۔ (اس مہم کو غموہ ذی امر اور غزوہ انمار کا نام بھی دیا گیا ہے۔)

ربیع الآخر میں قریش کی طرف سے حملہ کا اندیشہ ہوا۔ مدینہ میں ابن ام مکتوم کو قائم مقام بنا کر حضورؐ مقابلہ کے لئے بحران بحران کے مقام تک پہنچے اور جمادی الاولیٰ تک سرحدوں کی حفاظت کے لئے فوجی کیمپ ڈالے رکھا۔ بغیر کسی تصادم کے واپسی ہوئی۔ ۳ھ میں قریش کا ایک تجارتی قافلہ پھر نکلا تو اس کے مجوزہ راستے میں اعتباہ کے لئے فوجی نقل وحرکت کی گئی۔ زید بن حارثہ جمادی الآخریٰ میں یکصد سپاہ کے ساتھ موقع پر پہنچے۔ قابلہ کا رہنما (گائیڈ) فرات بن حیان گرفتار ہوکر اسلامی جماعت

میں شامل ہوا۔ ایک لاکھ درہم کی چاندی قافلہ سے چھین لی گئی۔

حالات کا یہ تسلسل تھا جو معرکہ اُحد پر منتج ہوا۔

دوسرا بڑا معرکہ.....اُحد

تاریخ انسانی میں جب بھی کبھی مثبت اور منفی نظریاتی قوتوں کا تصادم ہوتا اور ایک انسانیت کو راستی اور فلاح و ترقی کی راہ پر لے جانے کے لئے اٹھانا چاہتی ہے اور دوسری آبائی نظام کا تحفظ کرنے کے درپے ہوتی ہے تو ایسے تصادم میں بڑا جوش و خروش کام کرتا ہے۔ اسلام اور جاہلیت کی آویزش نے معرکہ احد میں ایسے ہی غیر معمولی جوش و خروش کا سماں دکھایا۔

قریش کو معرکہ بدر میں جو دوسرے ناقابل تلافی نقصان پہنچے تھے ان کے علاوہ اقتصادی چوٹ سخت کاری لگی تھی ڈھائی لاکھ درہم کی رقم خطیر تجارتی شاہراہ کو بچانے کے لئے فوجی کارروائی میں کھپائی گئی۔ ڈھائی لاکھ درہم سے زائد قیدیوں

کے فدیہ میں دینے پڑے۔ پھر قافلہ کے لمبے راستے سے گھوم کر آنے کی وجہ سے مصارف بڑھ گئے اور نفع کی مقدار پہلے سے کم رہی۔ اس امر پر مستزاد یہ کہ آئندہ کے لئے نظام تجارت مستقلاً خطرہ میں پڑ گیا۔ جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔ قریش کے تجارتی قافلہ سے ایک لاکھ درہم کی چاندی مسلمانوں نے ضبط کر لی۔ ہندوستان اور یورپ کے درمیان بین الاقوامی تجارت کی جتنی بھی نقل و حرکت ہوتی تھی۔ وہ یمن و مکہ کے راستہ سے ہوتی تھی اور قریش مکہ اپنے معاہداتی نظام کے بل پر خفارے کا انتظام کر کے خاصی بڑی کمائی کرتے تھے۔ طائف اور دوسرے علاقوں کی تجارتی آمدنی درکنار رکھتے ہوئے محض شامی راہ سے قریش کو ڈھائی لاکھ اشرفی سالانہ کی آمدنی ہوتی تھی۔ اب مکہ کے سر پر ایک خوفناک اقتصادی بحران منڈلا رہا تھا۔ ان حالات میں بدر کے انتقام کا لاوہ اندر ہی اندر کھولنے لگا۔

نئے معرکہ کے لئے بہت جلد تیاریوں کا آغاز ہو گیا۔

قافلہ شام سے حاصل شدہ مجموعی منافع جنگی فنڈ میں لے لیا گیا۔عمرو نجمی اور مسافع جیسے نامور شعرا نے اپنے فن لطیف سے پوری طرح کام لے کر جنگ کی آگ بھڑکائی۔مکہ کی عورتوں نے اپنے بھائیوں اور بیٹوں کی موت کے جو زخم کھائے تھے ان کی ٹیسوں سے بیتاب ہوہو کر وہ منتیں مان رہی تھیں۔کہ آئندہ جنگ میں وہ مسلم شہداء کا خون پئیں گی۔ چنانچہ عملاً فوج کے ساتھ بڑے بڑے گھرانوں کی ممتاز عورتیں میدان جنگ کو روانہ ہوئیں۔مثلاً ہند (عتبہ کی بیٹی)، ابوسفیان کی زوجہ اور امیر معاویہ کی ماں) ام حکیم (عکرمہبن ابوجہل کی زوجہ) فاطمہ (حضرت خالد کی بہن) برزہ (مسعود ثقفی رئیس طائف کی بیٹی) ریطہ (عمرو بن العاص کی زوجہ) جناس (حضرت مصعب بن عمیر کی والدہ) وغیرہم۔

قریش نے اپنی رضا کارانہ سپاہ کو تیار کرنے کے ساتھ ساتھ احابیش کو بھی ساتھ ملایا۔نیز عمرو بن العاص، عبداللہ بن

الزبعریٰ، ہبیرہ بن ابی وہب، مسافع بن عبد مناف اور عمرو بن عبداللہ جمحی کو مختلف عربی قبائل میں مدینہ کے خلاف ترغیب جنگ دلانے کے لئے روانہ کیا۔ اس طرح خاصی طاقت جمع ہوگئی۔ تین ہزار سپاہ جس میں سات سو زرہ پوش اور دو سو گھوڑ سوار شامل اپنی جگہ دل دہلا دینے والے طاقت تھی فوجی قوت کا یہ سیلاب تھا جو سال بھر کی تیاری کے بعد مکہ سے روانہ ہوا۔ مدینہ کی چراگاہوں میں پہنچا تو اطمینان سے اپنے جانوروں کو سبز چارہ کھلا کھلا کر موٹا کیا اور کئی دن راستے میں گذار کر بدھ کے روز احد پر انہوں نے پڑاؤ ڈالا۔

حضرت عباس دل سے حضورؐ کے وفادار اور اسلامی تحریک کے حامی تھے۔ اور اذن خاص سے مکہ میں مقیم تھے تا کہ دشمن کے کیمپ کے اندرونی حالات پر نظر رکھیں۔ انہوں نے تیز رو قاصد دوڑا کر ان تیاریوں کی اطلاع حضورؐ کو پہنچا دی۔ پھر حضورؐ کو اپنے خاص جنگی نظام خبر رسانی کے ذریعہ ۱۵ شوال ۳ھ کو

اطلاع ملی کہ قریشی لشکر مدینہ کے پاس پہنچ گیا ہے۔ اور عریض کی چراگاہ کو اس کے جانوروں نے صاف کر دیا ہے۔ پھر اس کی تعداد اور اس کی قوت کے صحیح اندازے کی رپورٹ بھی پہنچ گئی۔ شہر میں رات کو پہرے کا انتظام فوری طور پر کر دیا گیا۔ صبح کو آپؐ نے مشاورت طلب کی۔ بیشتر مہاجرین اور اکابر انصار نے شہر میں رہ کر مقابلہ کرنے کی تجویز رکھی۔ لیکن بدر کی شرکت سے محروم رہ جانے والے نوجوانوں نے جوش و خروش سے اس رائے پر زور دیا کہ باہر نکل کر مقابلہ کیا جائے۔ حضورؐ ہر دو نقطہ ہائے نظر کے سامنے آجانے کے بعد گھر تشریف لے گئے اور زرہ پہن کر واپس تشریف لائے۔ گویا دوسری تجویز کو آپ نے قبول فرمایا۔ اس سلسلے میں نہ بھولئے کہ عبداللہ بن ابی بھی اول الذکر رائے کا علمبردار تھا اور یہ بات معلوم عام تھی کہ قریشی سازباز کے تار اس کی ذات سے آکر جڑتے تھے۔ دوسری بڑی جنگ کے موقع پر قریش نے اس سے قارورہ ملا رکھا تھا۔ حضورؐ نے اسی حقیقت کو

جانتے ہوئے کوئی بحث کئے بغیر خاموشی سے نوجوان طبقے کی رائے قبول کرلی۔ جمعہ کے روز جمعہ پڑھ کر آپؐ کی کمان میں ایک ہزار مسلم سپاہ روانہ ہوئی۔ عبداللہ بن ابی بھی ساتھ تھا اپنی پہلی تجویز مسترد ہونے کے بعد اس نے شر انگیزی کی ایک کوشش کرتے ہوئے ایک خاص موقع محاذ بنانے کے لئے تجویز کیا۔ یہ تجویز بھی جب حضورؐ نے نامنظور کردی تو وہ فتنہ گر مایوس ہوگیا۔ اور مقام شوط سے تین سو حمایتیوں کو ساتھ لے کر واپس روانہ ہوگیا۔ اسے شکایت تھی کہ ہماری بات جب نہیں مانی جاتی اور اختیارات میں ہمارا کچھ حصہ نہیں ہے تو ہم کیوں لڑیں۔ اس منافقانہ حرکت کا برا اثر دوسروں پر بھی پڑا۔ مثلاً بنو سلمہ اور بنو حارثہ بھی دل شکستہ ہوکر واپس جانے لگے۔ لیکن جید اور ہستیوں نے ان کی ہمت بندھائی۔

مدینہ سے باہر جاکر میدان میں اترنے سے قبل حضورؐ نے سپاہ کا جائزہ لیا۔ متعدد لڑکے بھی جذبۂ جہاد سے سرشار ہوکر

ساتھ چلے تھے۔ ان کو حضورؐ نے واپس جانے کا حکم دیا پھر بھی ہر ایک کی کوشش تھی کہ کسی طرح اسے شریک معرکہ ہونے کا موقع ملے۔ رافع بن خدیج نے ایڑیوں کے بل کھڑے ہو کر اپنے آپ کو لڑائی کا اہل ثابت کیا اور سمرہ نے کشتی میں رافع کو پچھاڑ کر اپنی قوت تسلیم کرائی۔ نئی نسل کا یہ کردار نتیجہ تھا ایک صالح ماحول کی تربیت کا۔ مسلم خواتین پر اگرچہ جہاد فرض نہ تھا۔ لیکن تحریک کے لئے نہایت ہی نازک صورت حال کو دیکھ کر ان کے جذبات بھی لڑ رہے تھے۔ چنانچہ متعدد خواتین مثلاً حضرت عائشہ بنوام سلیط (ابو سعید خدری کی والدہ) ام سلیم (حضرت انسؓ کی والدہ) ام عمارہ اور بعض دوسری خواتین مسلم فوج کے ساتھ روانہ ہوئیں۔ اور انہوں نے شاندار خدمات انجام دیں۔ مسلم فوج کی کل سپاہ سات سو تھی جس میں ایک سو افراد زرہ پوش تھے۔ ان کی ایمانی تھی کہ یہ اپنے سے چار گنی اور خوب آراستہ فوج سے ٹکر لینے جا رہے تھے۔

حضورؐ نے کوہ احد کو پشت پر لے کر محاذ کا نہایت بہترین نقشہ ترتیب دیا۔ مصعب بن عمیر کو اسلامی علم تفویض کیا۔ زبیر بن عوام رسالے کے افسر مقرر ہوئے۔ حضرت حمزہ غیر زرہ پوش سپاہیوں کے کمانڈر بنائے گئے۔ پشت کی طرف جبل عینین (جبل رماۃ) کے درے پر پچاس تیر اندازوں کا دستہ تعینات کیا گیا اور اس دستہ کی قیادت عبداللہ بن جبیر کو سونپی گئی۔ قریش نے بھی بدر کے تجربے کی روشنی میں منظم جنگ کے اس نئے طریقے کی تقلید کی جسے اسلامی سپاہ نے اختیار کیا تھا۔ میمنہ۔ میسرہ۔ سواروں اور تیر اندازوں کے دستے الگ الگ کمانوں میں ترتیب دیئے گئے۔

جنگ کی تمہید کے طور پر چودہ قریشی عورتوں کی ایک ٹولی نے ہندہ کی قیادت میں دف بجا کر جنگی راگ الاپنا شروع کیا۔ اس نغمہ کی جذباتی تحریک کا اندازہ ذیل کے اشعار سے ہوسکتا ہے۔

ذحن بنات طارق تمشی علی النمارق

ان تقبلو الغالق اوتدبر والفارق

ہم آسمانی ستاروں کی بیٹیاں ہیں اور ہم قالینوں پر خرام کرتی ہیں۔ اگر تم آگے قدم بڑھاؤ گے تو ہم تمہیں گلے لگائیں گے اور پیچھے ہٹو گے تو تم سے الگ ہو جائیں گے۔

ایک طرف یہ شاعرانہ رومانی اور شہوانی اکساہٹ تھی اور دوسری طرف اللہ کی رضاء کے علاوہ کوئی چیز باعث تحریک نہ تھی۔

یکا یک میدان میں مشہور ابو عامر راہب نمودار ہوتا ہے اور انصار پر اپنے اثر کے زعم میں ان کو پکارتا ہے۔ انصار اس کے زھد کی حقیقت کو خوب سمجھتے تھے جس کا رشتہ قریش کے جاہلی مشرکانہ اور انتہائی فاسد نظام سے جا ملا تھا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ''اوفاسق! ہم تجھے خوب پہچانتے ہیں''۔ انسانی تاریخ

میں ایسی مثالیں کم ہی ملیں گی کہ اسی ابو عامر کے بیٹے حضرت حنظلہ نے حضورؐ سے والد پر حملہ کرنے کی اجازت طلب کی۔ مگر حضورؐ کے جذبہ رحمت کو یہ پسند نہ آیا کہ بیٹے کی تلوار سے باپ کا خاتمہ ہو۔ اس کے بعد طلحہ کس بل دکھاتا ہوا للکارنے لگا۔ حضرت علیؓ نے بڑھ کر اس کے وجود کو معاً پیوند زمین کر دیا۔ پھر اس کا بیٹا عثمان اس شان سے فخریہ اشعار پڑھتا سامنے آیا کہ اس کے پیچھے عورتوں کا ایک غول رجز گا رہا تھا۔ حضرت حمزہ کی تلوار نے اسے بھی ڈھیر کر دیا۔ بس اب معرکہ عام شروع ہو گیا۔

یوں تو ساری ہی مسلم فوج اپنی قلت تعداد و سامان کی تلافی والہانہ ایمانی جذبے سے کر رہی تھی۔ روشن مستقبل کی لہریں قدِ اعتکے ساحل سے خوب ہی ٹکرائیں مگر حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ اور حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہم کی شان جانبازی سب سے بڑھ کر نمایاں تھا۔ آخر جاہلیت پرستوں کے قدم

اکھڑ گئے۔ اور ان کی رجز خواں نازنینیں بدحواسی میں بھاگیں تو چھلاووں کی طرح غائب ہوگئیں۔ مسلم سپاہ نے محسوس کیا کہ بس اب بازی تمام ہوئی۔ سو انہوں نے دشمن کو آئندہ کے لئے بے سروسامان کرنے کا مقصد سامنے رکھ کر سامان جنگ اور رسد اور دوسری اشیاء پر قبضہ کرنا شروع کیا۔ محاذ کا نظام ٹوٹ گیا۔ ہڑبونگ پھیل گئی۔ افراد مرکزی کمانڈ سے بے توجہ ہوگئے اور غضب یہ ہوا کہ نازک ترین عقبی ناکے کو تیر اندازوں کے اس دستے نے بھی چھوڑ دیا۔ جسے تاکید کی گئی تھی کہ وہ فتح وشکست کسی بھی حالت میں وہاں سے نہ ٹلے۔ حضورؐ کے یہ الفاظ تھے کہ ”اگر تم دیکھو کہ پرندے ہمارے بوٹیاں نوچے لئے جارہے ہیں تو بھی تم جگہ سے نہ ٹلنا“۔ اس عجلت کا بڑا خوفناک خمیازہ مسلمانوں کو بھگتنا پڑا اور جیسے ان کے قدموں کو چومتی ہوئی فتح روٹھ کر پیچھے ہٹ گئے۔ قریشی فوج میں خالد جیسا زیرک اور بہادر جنگی لیڈر موجود تھا۔ اس نے دور عی سے پورے محاذ کا

Source: www.prophetmuhammadforall.org

سمان دیکھا تو چند سواروں کی معیت میں پہاڑ کے پیچھے سے ہو کر
اسی نازک عقبی ناکے سے (جبل عینین) جو خالی پڑا تھا۔ اچانک
بلہ بول دیا۔ اب تو قریشی فوج کے مزید دستے بھی پلٹ کر حملہ
آور ہوئے۔ اپنی فتح کے سرور سے مسلمان چونکے تو دیکھا کہ
تلواروں کی برق ہائے بے تاب سروں پر چمک رہی ہیں۔ ادھر
دشمن نے حضورؐ پر حملہ کرنے کے لئے ہجوم کر دیا۔ آپؐ دوڑتے
ہوئے مسلمانوں کو پکار رہے تھے۔ الی عبداللہ۔ الی
عبداللہ (خدا کے بندو! ادھر میری طرف آؤ) مگر لوگ بدحواسی
میں کچھ سن نہیں رہے تھے۔ ایک نازک لمحہ ایسا آیا کہ صرف
گیارہ رفقاء آپ کے گرد رہ گئے۔ موقعہ پا کر عبداللہ بن قمیہ نے
چہرۂ مبارک پر تلوار ماری جس سے مغفر کی کڑیاں ٹوٹ کر جبڑے
میں گڑ گئیں۔ ایک بار دشمن کے ہجوم کی وجہ سے آپ گڑھے میں
گر گئے اور کچھ چوٹیں بھی آئیں۔ لیکن مٹھی بھر رفقاء نے دور نو
کے اس آسمانی نقیب کا بچاؤ کرنے میں جس کا وجود تحریک

اسلامی کی روح رواں تھا۔ ایسی فداکاری کا مظاہرہ کیا کہ اس کی مثال کل عی سے کوئی مثال تاریخ کے دوسرے ابواب میں مل سکتی۔ حضورؐ کا اس محشر انگیز لمحے میں جمے کھڑے رہنا بلکہ چوکس رہتے ہوئے مدافعت کرنا اور ابی بن خلف کی گردن پر چھوٹے حربے سے خود زخم لگانا غیر معمولی شجاعت کا ثبوت ہیں تاہم اس موقع پر حضورؐ کے زخمی ہونے اور گڑھے میں گر کر نگاہوں سے اوجھل ہو جانے اور پھر آپ کے ہم شباہت مصعب بن عمیر کے شہید ہو جانے کی بناء پر مخالفین نے حضورؐ کی وفات کا غل مچا دیا۔ اس سے مسلمانوں میں اور زیادہ پریشانی پھیل گئی۔ اس غلغلہ کا ردعمل دو کو نہ ہوا۔ حضرت عمرؓ نے ہتھیار پھینک کر کہا کہ اب لڑ کے کیا لینا جبکہ رسول اللہ بھی شہید ہو گئے۔ ان پر حضورؐ کی محبت کا اتنا غلبہ تھا کہ ان کی نگاہ میں اس سب سے قیمتی متاع کو کھو دینے کے بعد بڑی سے بڑی فتح بھی فتح نہ تھی۔ ابن نضر (حضرت انس انصاری کے چچا) نے یہ سنا تو کہا "رسول اللہ کے بعد ہم زندہ رہ

کر کیا کریں گے''۔ اور پھر اس بے جگری سے لڑے کہ چند ہی لمحوں میں اسی (۸۰) سے زیادہ زخموں کی لذت سمیٹ کر شہادت کا پیالہ لبوں سے لگا لیا۔ بہر حال اس پریشانی اور بدحواسی کے عالم میں مسلمان مسلمانوں کی زد پر آئے۔ یہاں تک کہ حضرت حذیفہ کے والد اپنے ہی رفیقوں کی تلواروں سے شہید ہو گئے۔

پھر حالت پلٹنا شروع ہوئی۔ ہر مسلم سپاہی اپنی اپنی جگہ تلواروں میں گھرا تھا اور حضورؐ کو دیکھنے کے لئے بے تاب۔ سب سے پہلے کعب بن مالک نے سرور عالمؐ کو دیکھ لیا۔ اور پکار کر کہا۔ کہ ''مسلمانو یہ رہے خدا کے رسولؐ!'' پھر جوں جوں یہ مژدۂ جانفزا پھیلتا گیا۔ مسلم سپاہ میں نئی روح دوڑنے لگی جانباز ہر طرف سے مرکم کی طرف سمٹتے گئے۔ دشمنوں کا ہجوم کم ہونے لگا تو حضورؐ پہاڑ کی چوٹی پر چلے گئے۔ ابوسفیان نے ادھر کا رخ کیا تو صحابہ نے بلندی سے پتھر برسا کر اسے لوٹا دیا۔ اب دشمن کو

اندیشہ ہوا کہ اسے جو اتفاقی غلبہ حاصل ہو چکا ہے، کہیں وہ ہاتھ سے جاتا نہ رہے۔ لہٰذا انکی فوج کے دستے بھی سمٹنے لگے۔

ابو سفیان نے مقابل کی ایک پہاڑی پر چڑھ کر حضورؐ کے متعلق یقینی معلومات حاصل کرنا چاہیں آخر اس نے بلند آواز سے حضورؐ اور ابو بکرؓ اور عمر کے نام لے لے کر پکارا کہ کوئی ہے۔ ادھر سے مصلحتاً کوئی جواب نہ دیا گیا تو کہنے لگا۔ ''سب مارے گئے''۔ حضرت عمرؓ تڑپ کر بول اٹھے۔ ''او خدا کے دشمن! ہم سے زندہ وہ سلامت ہیں''۔ ابو سفیان نے نعرہ لگایا۔

''اے ہبل! تو سربلند رہے!''

جواب ملا۔

''اللہ ہی کی ذات بلند و برتر ہے''۔

ابو سفیان نے پھر ہانک لگائی۔

''ہمارے ساتھ عزیٰ ہے! تمہارے ساتھ عزیٰ

نہیں"۔

ادھر سے پکارا گیا:۔

"اللہ ہمارا آقا ہے، تمہارا کوئی آقا نہیں"۔

دراصل ان مختصر فعروں میں وہ دو نظریات بول رہے تھے جن کے ٹکراؤ نے تاریخ میں یہ سارا مدوجزر پیدا کیا تھا۔

اس معرکہ میں ۷۰ مسلمان شہید ہوئے اور ۴۰ زخمی۔ دوسری طرف مخالف فوج کے صرف ۳۰ آدمی موت کے گھاٹ اتارے جا سکے۔ حضورؐ کے چچا حضرت حمزہ جیسا بہادر جرنیل اور آپ کے پھوپھیرے بھائی عبداللہ بن جحش، ذی مرتبت صحابیوں میں سے۔ مصعب بن عمیر، حنظلہ بن ابی عامر، رافع بن مالک بن عجلان (ہر سہ بیعت ہائے عقبہ میں شریک ہوئے) عبداللہ بن عمرو خزرجی عمرو بن جموح اور متعدد بدری صحابی دنیا کی عظیم ترین سچائی کے شجر طیبہ کو اپنے خون سے سیراب کر گئے۔

بہر حال جونہی مسلم فوج اپنے آپے میں آئی۔ اور ہائی کمانڈ سے اس کا تعلق جڑا۔ انقلاب دشمن طاقت جلد جلد پیچھے ہٹ کر میدان جنگ سے کوچ کر گئی۔ اس طرح اتفاقی فتح کے پردے میں چھپی ہوئی کمزوریوں کا پول کھل گیا۔ اور مسلم فوج نے ایک بار پھر اپنا وزن محسوس کیا۔

مسلمانوں نے اپنی ایک لغزش کے سبب نقصان ضرور اٹھایا تھا۔ لیکن نہ وہ شکست خوردہ تھے اور نہ ان کی قوت نے کوئی خم کھایا تھا۔ چنانچہ حضورؐ کے ارشاد سے ستر آدمیوں کا ایک دستہ قریشی فوج کے تعاقب کو نکلا۔ ادھر ابو سفیان نے روحاء کے مقام پر پہنچ کر جب صورت حالات کا جائزہ لیا تو اسے سخت پشیمانی ہوئی کہ احد کی حاصل شدہ فتح کا طرہ تو وہ جلدی میں میدان احد ہی میں چھوڑ آیا ہے اور مدینہ کی قوت کو چکنا چور کرنے کا کام ناتمام رہ گیا ہے۔ اب سے تلافی مافات کی فکر ہوئی۔ مگر بعد از وقت۔ یہ گویا مثل ہے کہ بعد از جنگ یاد آید کی

صورت تھی۔ حضورؐ کو پہلے سے اس کا اندیشہ تھا۔ آپؐ مدینہ واپس جانے کے بجائے اپنی فوج ساتھ لے کر مدینہ سے ۸ میل دور مقام حمراء الاسد تک جا پہنچے۔ اسی اثناء میں قبیلہ خزاعہ (جو اسلام نہیں لایا تھا مگر اسلامی حکومت کا دل سے حمایتی تھا) کے رئیس معبد نے ابوسفیان کو بطور خود جا کر خوف دلایا کہ ''محمدؐ بہت بڑی قوت کے ساتھ آ رہے ہیں''۔ اس خبر سے ہراساں ہو کر ابو سفیان رخصت ہو گیا۔

معرکہ اُحد کے چند خاص پہلو

اب ہم اس معرکہ کے خاص خاص قابل غور پہلوؤں پر ایک اجمالی نگاہ ڈالتے ہیں۔

۱۔ نظم اور ڈسپلن تحریکوں کی اصل طاقت ہوتا ہے اور پھر ہر قسم کے مقابلوں میں اس کی اہمیت اساسی ہے۔ اور نظم اور ڈسپلن کی بنیاد اس اخلاقی صفت پر استوار ہوتی ہے۔ جس کا نام

صبر ہے یعنی اپنے اوپر اتنا قابو ہونا کہ خوف ونقصان اور مفادات کے مقابلے میں ثبات اور جماؤ برقرار رہے۔ اسلامی جماعت چونکہ زیر تربیت تھی اور خصوصاً میدان جنگ کا اسلامی کردار مضبوط کرنے کے لئے ابھی تک تجربہ وسیع نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ احد سے پہلے ایک ہی معرکہ پیش آیا تھا۔ اس لئے لغزش ہوگئی۔ کوئی بھی انسانی جماعت کسی نظریے پر نیا کردار تعمیر کرتے ہوئے لغزشوں سے بالکل محفوظ رہ کر کمال حاصل نہیں کرسکتی۔ لیکن اس ذراسی لغزش پر مشیت نے جماعت کو ایسا واقعاتی سبق دیا کہ جو محض وعظ ونصیحت سے کبھی دلوں میں اتر نہ سکتا۔ اس سبق نے یہ نکتہ بھی کھول کے سمجھا دیا کہ اللہ تعالیٰ کے نوامیس نہایت بے لاگ طریقے سے کام کرتے ہیں اور اگر ان کو توڑا جائے تو بہترین انسان بھی عقوبت سے بچ نہیں سکتے۔

پھر اس معرکہ پر قرآن نے مفصل تبصرہ کرتے ہوئے ان کمزوریوں پر شدید گرفت کی جو ابھی تک جماعت میں کام

کر رہی تھیں۔ ان کو صبر پر کاربند ہونے کی تلقین کی (آل عمران ۔۱۲۵) ان کو مال و دولت کی اس اندھی ہوس سے اجتناب کی نصیحت کی جو سود خواری کا اصل سبب تھی اور جس نے میدان جنگ میں مال غنیمت حاصل کرنے کا اضطراب پیدا کر دیا۔ ان کو اشارتاً سمجھایا کہ سود خوارانہ ذہنیت کے ساتھ نہ صبر قائم رکھا جا سکتا ہے۔ نہ ضبط و نظم کے تقاضے پورے ہو سکتے ہیں۔ اور نہ کسی اعلیٰ نصب العین کے لئے تاریخی معرکے لڑے جا سکتا ہیں۔ اس نفسیاتی موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان پر سود خواری کو حرام کر دیا (آل عمران ۔۱۳۰) ان کو بتایا کہ اسلامی انقلاب کی علمبرداری تو ایسے لوگ کر سکتے ہیں جو سود کی کمائی سمیٹنے اور مال و دولت کی ہوس میں پڑنے کے بجائے الٹا اپنے مال مقصد کے لئے خرچ کرنے والے ہوں اور جذبات کی رو میں بہنے کے بجائے ان پر قابو رکھتے ہوں (آل عمران ۔۱۳۴) یہ بھی سنا دیا کہ جو کوئی دنیوی مفاد حاصل کرنے کے درپے ہوگا۔

اس کو جو کچھ یہاں مل گیا سو مل گیا۔ آخرت میں اس کے لئے کچھ نہیں ہے۔ اور جو کوئی دنیوی مفاد کا نقصان گوارا کر کے اپنی عاقبت بنانا چاہے اس کی کارگذاری کی قدر کی جائے گی (آل عمران ۔۱۴۵) ساتھ ہی ان کو تاکید کی کہ ایک چوٹ کھا کر دل شکستہ اور اندوہگیں نہ ہو۔ تم کو آج اگر یہ چوٹ آئی ہے تو کل دشمن کو تمہارے ہاتھوں کاری زخم لگ چکے ہیں۔ کسی بھی کشمکش اور تصادم کے دوران میں اتار چڑھاؤ کے دور تو آتے ہی رہتے ہیں۔ یقین رکھو کہ آخر کار تم ہی کو غلبہ ملنا ہے۔ (آل عمران ۔ ۱۳۹۔۱۴۰) پھر ان کو صاف صاف آگاہ کر دیا کہ اللہ کی رضاء اور اس کی جنت کوئی سستا مال نہیں ہے۔ اس سعادت کو وہی لوگ حاصل کر سکتے ہیں۔ جو خدا کی راہ حق میں جانیں لڑانے والے اور صبر و ثبات کا مظاہرہ کرنے والے ہیں۔ یہی کٹھن آزمائشیں چھانٹ چھانٹ کر ان لوگوں کو نمایاں کرتی ہیں جو سچے ایمان سے مالا مال ہوں اور سچائی کے گواہ بننے کے قابل ہوں (آل

عمران ۔۱۴۰ تا ۱۴۲) ان کے اس مایوسانہ ردعمل پر گرفت کی گئی جو رسولؐ خدا کی سچی محبت کی وجہ سے نمودار ہوا تھا۔ صاف صاف کہا گیا کہ محمدؐ خدا نہیں ہیں۔ ایک رسول ہیں اور جیسے پہلے رسول وفات پا گئے ان کو بھی ایک نہ ایک دن تم سے جدا ہو جانا ہے۔ پھر یہ کیونکر درست ہوگا کہ ان کے اٹھ جانے پر تم تحریک حق کی ساری بساط لپیٹ کے رکھ دو اور ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ رہو (آل عمران ۔۱۴۴) تمہیں ان خدا پرستوں کا نمونہ سامنے رکھنا چاہئے۔ جنہوں نے سابق تاریخ میں انبیاء کے ساتھ ہو کر جانیں دیں اور باطل کے سامنے سرنگوں ہونے پر تیار نہیں ہوئے۔ اللہ ایسے ہی صبر کیش لوگوں کو پسند کرتا ہے۔ (آل عمران ۔۱۴۶) ان اصولی تلقینات کے ساتھ قرآن نے مسلم فوج کی اس حالت کا عبرت انگیز نقشہ جماعت کے سامنے کھینچ کر رکھ دیا۔ جو نظم توڑ دینے کی وجہ سے پیش آئی۔ تفہیم القرآن کے ترجمہ کے الفاظ میں ملاحظہ ہو:۔

اللہ نے تائید ونصرت کا جو وعدہ تم سے کیا تا۔ وہ تو اس نے پورا کر دیا۔ ابتداء میں اس کے حکم سے تم ہی ان کو قتل کر رہے تھے۔ مگر جب تم نے کمزوری دکھائی اور اپنے کام میں باہم اختلاف کیا۔ تو جونہی کہ وہ چیز اللہ نے تمہیں دکھائی جس کی محبت میں تم گرفتار تھے (یعنی مال غنیمت) تم اپنے سردار کے حکم کی خلاف ورزی کر بیٹھے ..... تب اللہ نے تمہیں کافروں کے مقابلہ میں پسپا کر دیا تا کہ تمہاری آزمائش کرے۔ اور حق یہ ہے کہ اللہ نے پھر بھی تمہیں معاف ہی کر دیا۔ کیونکہ مومنوں پر اللہ بڑی نظر عنایت رکھتا ہے۔

یاد کرو جب تم بھاگے چلے جا رہے تھے کسی کی طرف پلٹ کر دیکھنے تک کا ہوش تمہیں نہ تھا اور رسول تمہارے پیچھے تم کو پکار رہا تھا۔ اس وقت تمہاری اس روش کا بدلہ اللہ نے تمہیں یہ دیا کہ تم کو رنج پر رنج دیئے تا کہ آئندہ کے لئے تمہیں سبق ملے اور جو کچھ تمہارے ہاتھ سے جائے یا جو مصیبت تم پر نازل ہو اس پر ملول

نہ ہو۔ اللہ تمہارے اس اعمال سے باخبر ہے"۔ (آل عمران۔ ۱۵۲۔۵۳)

اس تبصرے کو دیکھئے جو حضورؐ کی زبان سے معرکہ اُحد میں اسلامی فوج کے کردار پر ہو رہا تھا اور پھر اندازہ کیجئے کہ دنیا کے جنگجو حکمرانوں سے اس کا مزاج کتنا مختلف ہے۔ نہ سپاہیوں کے سن پر جانے کا اہتمام، نہ انہیں خود فریبی میں ڈالنے کی تدبیر، نہ واقعات کی غلط تعبیر کرنے کی کوشش یہ ایک بے لاگ کڑی تنقید تھی، جس میں خدا پرستی کی روح رچی بسی تھی۔ اور جس کا مقصود اخلاقی تربیت ہے۔

۲۔ اس معرکہ میں حضورؐ کے مٹھی بھر رفقاء نے جس سر فروشانہ محبت اور والہانہ فداکاری کا مظاہرہ کیا۔ اس کا تصور بھی رہتی دنیا تک عالم اسلام کو اپنی روح مقدس سے مالا مال کرتا رہے گا۔ دراصل کوئی بھی تحریک ہو، اس کے داعی اول اور اس کے قائد اعلیٰ کی شخصیت بہرحال اس کی ایک اہم قوت ہوتی

ہے۔لیکن اسلامی تحریک میں تو داعی اور قائد کے لئے گہری محبت کا مطالبہ کیا گیا ہے۔خصوصاً اس منصب پر جب رسول و نبی کی ہستی رونق افروز ہو تو اس کے لئے انتہائی فدا کاری لازم ہے۔ اسلامی تحریک کسی طرح بھی اپنے داعی و قائد کو ایک طرف ڈال کر آگے نہیں بڑھ سکتی۔تحریک اور اس کے داعی دونوں کی قوت، عزت اور دائرہ اثر کی وسعت بالکل مشترک ہو جاتی ہے۔وہ جماعت بہت ہی اندھی جماعت ہو سکتی ہے جو داعی و قائد کو نظر انداز کر کے اور اس کو بے وقعت بنا کر یا محض ''یکے از منا'' قرار دے کر تحریک کے مجرد اصولوں کو غالب کر لے جانا چاہئے۔ تحریکوں کے لئے اصول اور قیادت دونوں ایسے لازم و ملزوم عنصر ہیں کہ اصولوں پر محکم ایمان اور قیادت کے لئے گہری محبت و فدا کاری ایک دوسرے پر انحصار رکھتے ہیں۔حضورؐ کے رفقاء آپؐ کی ہستی پر رسول ہونے کی حیثیت سے بھی پروانہ وار فدا ہوتے تھے اور دوسری طرف یہ شعور رکھنے کی وجہ سے بھی کہ آپؐ

کا وجود تحریک کی جان ہے، آپؐ کی زندگی کے تحفظ، آپؐ کی عزت کی بلندی اور آپ کے اثر و رسوخ کی توسیع کے لئے جانیں نثار کرتے تھے۔ حضورؐ کی سچی محبت کے لازوال نقوش انہوں نے میدان احد کے قرطاس پر ثبت کئے ہیں۔

دشمن کے دل کے دل نے جب ہجوم کیا تو سرور عالمؐ کی صدا گونجی "کون مجھ پر جان قربان کرتا ہے"۔ زیاد بن سکن چند انصاریوں کے ساتھ آگے بڑھے اور یکے بعد دیگرے سات عشاق نے اپنے آپ کو نثار کر دیا۔ ان میں ایک زیاد تھے جن کو نیم جاں حالت میں لایا گیا تو آخری قوت سے کام لے کر انہوں نے اپنا سر آگے بڑھا کر حضورؐ کے قدموں میں مس کر لیا۔ عبداللہ بن قمیہ نے جب تلوار کا وار کیا تو ام عمارہ لپک کر حضورؐ کے سامنے آگئیں اور بہت گہرا زخم کندھے پر لیا۔ انہی کے حائل ہونے کی وجہ سے یہ وار حضورؐ کے حق میں اوچھا ہو گیا۔ ابو دجانہ نے آپؐ کو اپنے جسم سے ڈھانپ لیا اور اپنی پیٹھ کو سپر بنا دیا۔ جس پر کتنے

ہی تیر آ کر پیوست ہو گئے۔ طلحہ نے دشمن کی تلواریں ہاتھوں پر روکیں اور ان کا ایک ہاتھ کٹ کر گر گیا۔ ابو طلحہ حضورؐ کے سامنے سپر لئے کھڑے رہے اور ساتھ ہی اس جوش سے ناوک اندازی کی کہ دو تین کمانیں ٹوٹ گئیں ایک سیدھا سادہ مسلمان کھجوریں کھاتے کھاتے اتفاقاً آ پہنچا۔ یہ عالم دیکھ کر اس کے اندر بھی جذبہ شوق لہر آیا۔ حضورؐ سے پوچھا کہ میں اگر لڑ کر قربان ہو جاؤں تو میرا انجام کیسا ہوگا۔ فرمایا ''جنت کہنے لگا''۔ اچھا اگر میں نے ان کھجوروں کو کھانے کی مہلت پالی تو بڑی عمر پائی''۔ وہ ایک دم ٹوٹ پڑا اور زیادہ دیر نہ گذری تھی کہ شہادت گہہ عشق میں کشتگان خنجر تسلیم میں شامل ہو گیا۔ جس تحریک میں ایسا ایثار و محبت کام کر رہا ہو اس کی موجوں کو کوئی طاقت روک نہیں سکتی۔ پھر ایک نمونہ تھا جو سعد بن ربیع نے پیش کیا۔ حضورؐ چونکہ خود بھی اپنے رفیقوں سے گہری محبت و شفقت رکھتے تھے۔ اور ہر ایک پر آپؐ کی نگاہ توجہ رہتی تھی۔ اس لئے جنگ کے خاتمے پر ایک

ایک کی تحقیق حال فرمائی۔ اس سلسلہ میں پوچھا کہ سعد بن ربیع کہاں ہیں؟ تلاش کیا گیا تو ایک طرف جسد جاں بلب پڑا تھا۔ آخری لمحے حضور کے لئے سلام شوق اور دعائے محبت کا ہدیہ بھیجا۔ نیز ساتھیوں کو بطور وصیت پیغام دیا کہ اگر نبیٔ اکرم تک دشمن کا ہاتھ پہنچ گیا اور تم میں سے ایک آنکھ بھی دیکھنے والی موجود ہوئی تو پھر بارگاہ الٰہی میں تمہاری کوتاہی کا کوئی عذر نہ سنا جائے گا۔ نہ اپنے کرب کا خیال، نہ اعزہ و قرباء کی فکر اور نہ مال و جائیداد کے مستقبل پر کوئی کاوش..... لے دے کے خیال ہے تو نصب العین کا اور اس کے داعی کا۔

۳۔ مکہ کی انقلاب دشمن فوج نے اپنے گھناؤنے جذبات کا مظاہرہ یوں کیا کہ مسلم شہداء کی لاشوں کی بے حرمتی کی۔ خصوصاً ان کی خواتین نے اپنی منتوں کو پورا کرنے کے لئے لاشوں کے پیٹ پھاڑے اور ان کے ناک کان کاٹ کر ہار بنا بنا کر گلوں میں ڈالے۔ ''ہند'' زوجۂ ابوسفیان جو زمانے دستے کی

سربراہ تھی۔ اس نے شان درندگی کا افسوسناک نمونہ پیش کیا اور حضرت حمزہ کا چہرہ بگاڑ اور پیٹ چاک کر کے ان کا کلیجہ نکال کے چبایا۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن جحش کا مثلہ کیا گیا۔ خود ابوسفیان کی یہ حرکت دیکھئے کہ وہ حضرت حمزہ کے دہن مبارک پر کمان مار مار کر کہتا دیکھا گیا کہ لو اب مزہ چکھو۔ لیکن دوسری طرف حضورؐ نے مسلم فوج کو سختی سے باز رکھا کہ وہ دشمن کی لاشوں کا مثلہ کریں۔ یا ان کی بے حرمتی کے مرتکب ہوں۔ اسلامی تحریک کے اصولوں میں انسانیت کا احترام شامل تھا۔ اور وہ اپنے علمبرداروں کو یہ اذن نہیں دیتی تھی کہ دوسرے اگر پستی میں گریں تو جواباً مسلمان بھی پستی میں گر سکتے ہیں۔

ابوسفیان کو جب اپنے لوگوں کے اس کرتوت کی خبر ملی تو اس نے خوشی سے اس کا خیر مقدم کیا۔ مگر ایک ساتھی کے گرفت کرنے پر اسے تنبہ ہوا کہ ایسی ذمہ داری لے کر کہیں کوئی جوابی کارروائی نہ بھگتنی پڑے نیز رائے عام کے دائرے میں اپنا اثر

Source: www.prophetmuhammadforall.org

اور نہ گر جائے۔ ابو سفیان جب آخر وقت میں پہاڑی پر آیا تھا تو اسی احساس کے تحت اس نے اعلان کیا کہ "یہ واقعات میری مرضی سے نہیں ہوئے"۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہہ گیا، کہ "ان کے ہونے پر میں رنجیدہ نہیں ہوں"۔

آج اندازہ کرنا مشکل ہے کہ انقلاب دشمن قوت کی اس کمینہ حرکت نے اس کے عوامی اثر میں کتنی کمی کی ہوگی۔ البتہ ایک واقعہ سامنے ہے کہ ابو سفیان کو حضرت حمزہ کے چہرے پر کمان مارتے دیکھ کر جلیس بن زبان کنانی نے اپنی قوم سے کہا کہ اے بنی کنانہ! قریش کے بڑے سردار کو دیکھتے ہو یہ اپنے بنی عم کے ساتھ کیا سلوک کر رہا ہے؟ اس پر ابو سفیان چونکا۔

۴۔ حضورؐ اپنی جماعت کو میدان جنگ کا جو پاکیزہ اخلاق سکھا رہے تھے اس کی ایک جھلک اس واقعہ میں دیکھی جا سکتی ہے کہ ابو دجانہ دشمن کی صفوں کو چیرتے ہوئے بڑھے

تو ہند ان کے سامنے آ گئیں ۔ ہند اگرچہ میدان میں شریک جنگ تھی اور مسلمانوں کے خلاف اس کے جذبات نہایت زہریلے تھے ۔لیکن ابو دجانہ نے اس کے سر پر تلوار رکھ دینے کے بعد اس احساس سے چونک کر اٹھالی کہ رسول اللہ کی عطا کردہ تلوار کے شایان شان نہیں کہ اس سے کسی عورت کی جان لی جائے ۔کتنا زریں واقعہ ہے۔

۵۔ مسلم خواتین نے معرکہ احد کے سلسلے میں جس ایمان ،شجاعت ،صبر اور تحریک کی وفاداری کا مظاہرہ کیا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضورؐ کی تحریک نے اس صنف کو حالت جمود میں پڑا نہیں رہنے دیا ۔ بلکہ اسے متحرک کیا۔ اس کی تربیت کی اور اس سے خدمات لیں ۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:-

.....ہم نے اوپر بیان کیا کہ کس طرح ام عمارہ نے ایک عورت ہوتے ہوئے اپنے آپ کو حضورؐ کے لئے سپر بنا دیا۔

..... حضرت حمزہ کی بہن جناب صفیہ رنجیدہ اطلاعات سن کر مدینہ سے جب احد پہنچیں تو حضورؐ نے ان کے صاحبزادے زبیر سے کاہ کہ ان کو اپنے والد کی نعش تک نہ جانے دو۔ کیونکہ اس منظر کی یہ تاب نہ لاسکیں گی۔ صفیہ کہنے لگیں کہ میں سارا قصہ سن چکی ہوں اور راہ حق میں یہ کوئی بڑی قربانی نہیں۔ ان کو اجازت دے دی گئی۔ بڑے صابرانہ طریق سے ایک نگاہ ڈالی۔ دعائے مغفرت کی اور چلی آئیں۔

..... ہند نامی ایک انصاریہ (جو عمرو بن جموح کی زوجہ اور خلاد بدری کی والدہ تھیں) کے لئے یہ آزمائش بہت ہی کڑی تھی کہ ان کے باپ بھائی اور شوہر بھی اسلام پر نثار ہو گئے تھے لیکن انہوں نے ان سارے زخموں کو حوصلہ مندی سے کلیجے پر لے کر بار بار یہی دریافت کیا کہ "کیا خدا کے رسولؐ صحیح سلامت ہیں؟" جب ان کو ادھر سے اطمینان ہوا تو پکار اٹھیں: کل مصیبۃ بعدک جلل یعنی "آپؐ سلامت ہیں تو پھر کوئی

Source: www.prophetmuhammadforall.org

مصیبت بھاری نہیں، سب کچھ گوارا ہے۔

.....حضرت عائشہ، ام سلیم اور ام سلیط جیسی معزز پردہ نشین خواتین ہنگامی مصیبت کے عالم میں پائینچے چڑھائے ہوئے دوڑ دوڑ کر پانی کی مشکیں بھر کر لاتیں اور زخمیوں کو پلاتیں

.....مسلمانوں کی شکست کی اطلاع اور حضورؐ کی وفات کی غلط خبر پا کر جناب فاطمہ زہرا بھی احد آ گئی تھیں۔ انہوں نے آ کر حضورؐ کے زخموں کو دھویا اور مرہم پٹی کی۔

۶۔ قائد انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تلوار جب حضرت ابو دجانہ کو عنایت کی تو وہ سر پر سرخ رومال باندھے تلوار لہراتے ہوئے خوب اکڑ اکڑ کر دشمن کی صفوں کی طرف بڑھے۔ اس منظر کو دیکھ کر حضورؐ نے فرمایا کہ "یہ چال خدا کو سخت ناپسند ہے مگر اس طرح کے مواقع پر پسند ہے۔" آپؐ نے گویا بڑے اہم نکتہ کی وضاحت کر دی۔ عام زندگی میں افراد کا کسی بھی پہلو

سے اکڑ دکھانا، اسلام میں سخت ناپسندیدہ ہے لیکن دشمنوں سے کشمکش اور تصادم کرتے ہوئے مفاخرت اور اکڑ کا انداز عین مطلوب ہے۔ انکسار خوبی ہے مگر وہ کوئی غیر حکیم شخص ہی ہوسکتا ہے جو جنگ کے میدان میں بھی ایک اچھے اخلاقی اصول کو غلط طور پر استعمال کر کے دشمن کے سامنے تواضع اور عجز و انکسار کا مظاہرہ کرنے لگے۔ حضورؐ نے اس ایک کلمے سے اس غیر حکیمانہ مذہبی ذہنیت کا ازالہ کر دیا جو اصول پرستی کے غلط زعم میں پڑ کر بعض اخلاقی قدروں کو بے محل طور پر اعلیٰ مقاصد کے لئے استعمال کرنے لگتی ہے۔ عرصہ پیکار کے علاوہ شعر و خطابت کے میدان میں بھی جو اس دور میں سیاسی رنگ رکھتا تھا، آپؐ نے اپنے شاعروں اور خطیبوں کے ذریعہ مفاخرت کرائی ہے۔ اسی طرح عمرۃ القضا کے موقعہ پر حضورؐ نے صحابہ کو طواف میں پھیل کر مظاہرہ قوت کا حکم دیا اور سعی کرتے وقت بھی تن کر قدم اٹھانے اور مشی کے بعد دوڑ لگانے (ہردل) کی تاکید کی، بعد میں یہی

سنت قائم ہوگئی۔ اس موقعہ پر آپؐ نے بطور دعا یہ بھی کہا کہ خدا اس شخص پر رحم کرے جو آج کفار کے سامنے قوت کا اظہار کرے گویا کشمکش کے کسی بھی دائرے میں عجز و انکسار کا استعمال مہلک حد تک غلط ہوگا۔ اسلامی تحریک ایسے اندھے جنون کے بل پر نہیں چل سکتی جو اخلاقی اصول و اقدار کا صحیح استعمال موافق کے فرق کو پہچان کر نہ کر سکے۔

۷۔ سچائی اور نیکی ایسی طاقتیں ہیں کہ جو انسانی جوہر کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہیں۔ مدینہ کے ایک صالح نوجوان عمرو بن صامت تھے۔ جن کا معاملہ مسلمانوں سے حامیانہ و ہمدردانہ تھا لیکن اب تک انہوں نے اسلام قبول نہ کیا تھا۔ معرکہ احد نے ان کے سوئے جذبے کو جگایا۔ ایمان لائے اور تلوار لے کر چپکے سے جنگ میں شریک ہوگئے اور شہادت پائی۔ دم آخر بنی عبدالاشہل کے لوگوں نے اپنے آدمی کو پہچانا اور مجرا پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ خدا اور رسول کی محبت سے حق کی حمایت میں

لڑا ہوں۔ حضورؐ نے بشارت دی کہ یہ ایسا جنتی ہے جس نے ایک نماز بھی نہیں پڑھی۔ دوسری مثال مخیریق یہودی (بنی ثعلبہ) کی ہے جس نے سچی یہودیت کا تقاضا سمجھتے ہوئے حضورؐ کی حمایت میں لڑنے کا فیصلہ کیا اور دوسرے یہودیوں کو بھی دعوت دی۔ انہوں نے ایک مقدس عذر پیش کر دیا کہ آج یوم سبت ہے۔ جنگ کے لئے نکلنا روا نہیں۔ مخیریق نے کہا: ''اس وقت سبت وغیرہ کچھ نہیں ہے۔ وہ تنہا ہی میدان میں پہنچا، لڑا اور جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ بالکل دوسری نوعیت کی ایک مثال قزمان کی بھی ہے جس کے جہنمی ہونے کی خبر حضورؐ نے دی تھی۔ یہ شخص مسلمانوں کے ساتھ ہو کر خوب لڑا اور زخموں سے نڈھال پایا گیا۔ لوگوں نے تحسین کی کہ تو نے بڑا کام کیا۔ اس نے کہا کہ میں تو فقط قومی حمیت میں لڑا ہوں۔ بدنصیب نے زخموں کے کرب کے مارے خودکشی کر لی۔ خدا نے اس سے کفار کے خلاف کام بھی لے لیا۔ اس کی جان بھی کھپ گئی اور ٹھکانا بھی

جہنم ہوا۔خدا اس انجام سے بچائے۔

۸۔جیسا کہ ہم اوپر اشارہ کر آئے ہیں۔اس موقعہ پر جاہلیت کی منفی قوت بھی نشہ پندار میں خوب مست تھی اور کفر کی حمایت کی جذبہ پورے زور سے کام کر رہا تھا۔قریش کا جھنڈا اٹھانے والے علمبردار اگرچہ ایک ایک کر کے قتل ہوئے اور کسی کو جم کے کھڑا رہنا نصیب نہ ہوتا لیکن نئے افراد آگے بڑھ کر ان کی جگہ لیتے گئے۔آخر جب صواب نامی ایک شخص نے جھنڈا تھاما تو ایک ہی ایسی تلوار پڑی کہ اس کے دونوں ہاتھ کٹ کر گر گئے اور علم کے ساتھ ہی سینے کے بل اس کے اوپر گرا اور یہ کہتے ہوئے ختم ہوگیا: ''میں نے اپنا فرض ادا کر دیا''۔کچھ دیر علم اسی طرح خاک پر پڑا رہا، آخر عمرہ بن علقمہ نامی خاتون بہادری سے آگے بڑھیں اور علم اٹھالیا۔اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مثبت انقلابی قوت کے ظہور سے قدامت میں بھی کچھ دیر کے لئے نئی رودوڑ نے لگتی ہے۔مگر احد میں درحقیقت مکہ کی قوت نے

اپنا آخری لبال دکھایا تھا۔

۹۔ مسلم فوج کی مادی بے سروسامانی کا رقت انگیز منظر شہداء کی تجہیز و تکفین کے وقت سامنے آیا۔ جملہ ستر میتیں تھیں مگر ان کے کفن کا انتظام تک کرنا مشکل تھا۔ مصعب بن عمیر کی نعش پر صرف سر کی جانب کپڑا ڈالا جا سکا اور پیروں پر اذخر گھاس رکھدی گئی۔ ان حالات کی جب بھی یاد آتی تو مسلمانوں کی آنکھیں ڈبڈبا جاتیں۔ یہ حالات خود گواہ ہیں کہ مسلم ریاست کے لئے جنگ کرنا کتنا مجبورانہ اقدام تھا۔ مگر جب یہ مجبورانہ اقدام کرنا پڑ گیا تو انہوں نے ہر کمی کی تلافی اپنے نظریۂ حیات کے یقین اور اپنے عظیم نصب العین کی محبت اور رسول اللہ کی سچی رفاقت سے کی۔

۱۰۔ قرآن نے مسلمانوں کو ان کی کمزوری سے آگاہ کرنے اور ان کی اصلاح پر توجہ کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے

Source: www.prophetmuhammadforall.org

سپاہیانہ شعور کی آبیاری بھی کی۔ ان کو ذہن نشین کرلیا کہ معرکۂ کارزار میں فیصلہ کن طاقت اخلاقی طاقت ہوتی ہے اور اس اخلاقی طاقت کا اہم ترین شعبہ صبر ہے۔ ان کو تلقین کی کہ وہ رزم خیر وشر میں عصبیتی جذبات اور دنیوی مفادات کو بالکل بالائے طاقت رکھ کر صرف خدا کی رضاء حق کے غلبے اور آخرت کی کامیابی کو پیش نظر رکھیں۔ ان کے دلوں میں یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہاں جنگ کوئی دنیاوی کارروائی نہ تھی۔ عین دینی تقاضا اور خالص عبادت الٰہی تھی۔

۱۱۔ منافقین کی کچھ تعداد میدان میں بیٹھی ہوئی تھی، جہاں ایک نازک لمحہ میں مسلمانوں کے اندر انتشار پھیلانے اور نظم توڑنے میں ان کا خاصا ہاتھ تھا وہاں معرکہ کے بعد بھی انہوں نے خوب خوب چہ میگوئیاں کیں کہ اگر یوں ہوتا تو فلاں نتیجہ نکلتا اور دوں نہ ہوتا تو فلاں واقعات رونما نہ ہوتے۔ نیز یہ کہ اگر قیادت میں ہمارا کچھ بھی دخل چلتا تو جنگ احد کا نقشہ

یوں نہ ہوتا۔ خود عقبی درہ کے تیر اندازوں کے ذہن پوری طرح صاف نہ تھے۔ ان سے مدینہ میں جب باز پرس کی گئی کہ تم نے اپنا مورچہ کیوں چھوڑا؟ تو انہوں نے بودے عذرات پیش کئے جنہیں سن کر حضورؐ نے فرمایا کہ ''نہیں۔ بلکہ حقیقت میں تم لوگوں کو یہ بدگمانی ہوئی کہ ہم تمہارے ساتھ خیانت کریں گے۔ اور تمہارا حصہ ادا نہ کریں گے''۔ قرآن نے اس بدگمانی کی تردید کرتے ہوئے کہا..... کہ ''کسی نبی کی شان سے یہ توقع ہی نہیں کی جا سکتی کہ وہ خیانت کرے گا''۔ (آل عمران:۱۶۱)

دشمن نے جب حضورؐ کو زخمی کر دیا تو کسی ساتھی نے کہا کہ ان ظالموں کے لئے بددعا کیجئے کہ خدا ان کو ہلاک کر دے۔ آپؐ نے جواب دیا کہ ''مجھے دنیا کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے نہ کہ لعنت برسانے کے لئے''۔ پھر دعا فرمائی: ''اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے، یہ لوگ (مجھے، میرے مشن کو اور زندگی کی حقیقتوں کو) جانتے نہیں''۔ ہم پہلے بھی اشارہ کر آئے ہیں کہ

اس جواب اور اس دعا میں حضورؐ کا وہ نقطہ نظر پوری طرح منعکس ہے جس سے آپؐ اپنے مخالفین کو دیکھتے تھے۔ صاف ظاہر ہے کہ آپؐ کے اندر کوئی ذاتی جذبۂ انتقام موجود نہ تھا۔ آپؐ ان کا خاتمہ نہیں چاہتے تھے۔ صرف ان کی اصلاح چاہتے تھے۔ ان کے جنگی اقدامات کا بھی آپؐ نے جواب دیا تو مجبوری سے دیا۔ کیونکہ اس کے بغیر چارہ کار کوئی تھا نہیں۔

احد کے بعد

اگرچہ مسلم فوج نے احد میں پہلے فتح کا اور پھر عارضی ہزیمت کا دور دیکھا۔ لیکن آخر وقت میں انہی کے حق میں پلڑا جھکنے لگا تھا۔ خصوصاً قریش کا اپنی فتح کو ناتمام چھوڑ کے چل دینا اور مسلم فوج کا ان کے تعاقب میں نکلنا اور ابوسفیان کا ایک بار پھر پلٹنے کا ارادہ کرنے کے بعد مکہ کو روانہ ہو جانا مسلم فوج کی ہوا بندھنے میں مدد ہوا۔ درحقیقت قریش اس جنگ کا قطعی فیصلہ کئے

بغیر اسے معلق حالت میں چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ دونوں میں سے کوئی بھی دوسرے کا زور توڑنے میں کامیاب نہ رہا تھا۔ ایسی صورت لازماً ''باقی آئندہ'' کا مفہوم رکھتی ہے اور قریش کی طرف سے تو ابوسفیان صاف صاف چیلنج دے گیا کہ اب آئندہ سال بدر میں ہم پھر ٹکر لینے آئیں گے۔ بدر کی جنگ ایک فیصلہ کن نتیجہ رکھتی تھی۔ مگر احد کا معرکہ فیصلہ کن نہ ہوسکا۔ یہ فیصلہ آئندہ کے لئے مؤخر ہوگیا۔

مسلم طاقت اگر فاتح نہیں تھی تو بلاشک وہ شکست خوردہ بھی نہیں تھی۔ لیکن پھر بھی بدر کی فتح کا جو اثر اردگرد کے علاقہ میں پڑا تھا اس میں کچھ نہ کچھ کمی آئی اور قدامت پسند قبائل کی امیدیں ایک بار پھر قریش کی جاہلی قوت سے وابستہ ہونے لگیں۔ بعض جرائم پیشہ اور شر پسند عناصر میں بغاوت کا رجحان بھی ابھر آیا۔ چاروں طرف کے نیم متاثر قبائل بے باکی سے باغیانہ حرکات کرنے لگے۔ گویا احد کے وقتی اثر سے اسلامی

ریاست کو شدید پیچیدگیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن جماعت اتنی چاق و چوبند اور قیادت اتنی مضبوط تھی کہ اس نے شرارت کی فوری سرکوبی کی اور آہستہ آہستہ حالات کے دھارے کو صحیح رخ پر ڈال لیا گیا۔ لوگوں کو محسوس کرادیا کہ اسلامی حکومت جان رکھتی ہے۔ اور لاء اینڈ آرڈر قائم رکھنے اور اپنے علاقہ کا تحفظ کرنے کے لئے کوئی کوتاہی کرنے والی نہیں ہے۔ تاہم ایک اچھا خاصا دور اسلامی ریاست کے اثر کی بحالی میں صرف ہوا۔

مخالف رجحانات رکھنے والے جن عناصر نے واقعہ احد کے بعد سر اٹھانا شروع کیا ان میں پہلل قطن کے طلحہ بن خویلد اور سلمہ بن خویلد نے کی۔ ان سرغنوں نے بنی اسد بن خزیمہ کو مدینہ کے خلاف باغیانہ اقدام پر تیار کیا۔ صحیح تر نقطہ نظر غالباً یہی ہے کہ پروگرام ایک طرح کی مسلح ڈاکہ زنی کا تھا۔ محرم ۴ھ کا چاند ہونے کے ساتھ ہی یہ اطلاع موصول ہوئی ابو سلمہ مخزومی کی سرکردگی میں ڈیڑھ سو آدمیوں کا دستہ خطرے کا انسداد کرنے کے

لئے بھیجا گیا۔ یہ لوگ قطن پہنچے تو مویشیوں کا گلہ چھوڑ کر ڈکیتوں کی ٹولی تتر بتر ہوگئی۔ مویشی اسلامی حکومت نے ضبط کر لئے اور رضا کاروں میں تقسیم کر دیئے۔ بغیر کسی وقفے کے ۵ محرم کو ایک اور جانب سے خبر آئی کہ خالد بن سفیان الہذلی نے حملہ کرنے کے لئے جمعیت اکٹھی کی ہے۔ عبداللہ بن انیس جہنی انصاری کو روانہ کیا گیا جو اس فتنہ گر کا خاتمہ کر کے اس کا سر کاٹ لائے۔ تن تنہا ایسا بہادرانہ کارنامہ انجام دینے پر حضورؐ نے اپنا عصا بطور انعام ان کو عطا فرمایا۔

پھر دو تین ہفتوں ہی کے وقفے سے ایک بڑا حادثہ پیش آیا۔ ماہ صفر کے آغاز میں قبیلہ رعضل وقارہ کے لوگ سازش کر کے مدینہ آئے اور حضورؐ سے درخواست کی کہ ہم میں سے کچھ لوگ مسلمان ہوگئے ہیں۔ ان کی تعلیم و تربیت کے لئے آپؐ اپنے معلمین بھیجئے۔ دس اہل علم کا ایک تعلیمی وفد روانہ کیا گیا۔ (یہ تعداد صحیح بخاری کی روایت کے بموجب ہے، سیرت

نگاروں نے وفد کو سات آدمیوں پر مشتمل قرار دیا ہے)۔ جس کے امیر مرثد بن ابی المرثد تھے۔ مقام رجیع (یہ بنو ہذیل کا گھاٹ تھا) میں پہنچ کر سازشیوں نے بجز خبیب اور زید کے باقی سب کو تہ تیغ کر دیا۔ ان دونوں کو قریش مکہ کے ہاتھ بیچ دیا۔ جنہوں نے دونوں کو صلیب دے کر شہید کیا۔ اس کا تذکرہ ہم پہلے کر چکے ہیں۔ اس واقعہ سے خوب اندازہ ہوسکتا ہے کہ جنگ احد کے بعد مخالف عناصر میں کیسی کیسی جسارتیں ابھر آئی تھیں۔ اس سانحہ نے حضورؐ کے دل کو کس قدر صدمہ پہنچایا ہوگا۔ جبکہ آپ کی قلیل التعداد جماعت کے متعدد قیمتی افراد تعلیمی مشن پر جاتے ہوئے بے بسی کے عالم میں شہید ہوگئے۔ یہ نورانی ہستیاں علم کی شعائیں پھیلا کر جن لوگوں کو کسی معاوضے کے بغیر نئی زندگی دینا چاہتی تھی۔ ان ظالموں نے ان سے استفادہ کئے بغیر ان کی زندگیوں کے چراغ گل کر دیئے۔ لیکن اسی مہینہ میں اس سے بڑا حادثہ بر معونہ کا پیش آیا۔ ابو براء عامر بن مالک

علاقہ نجد سے آکر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ نے اسلام کی دعوت دی۔ مگر اس نے نہ اسے قبول کیا نہ رد۔ البتہ بڑے مخلصانہ انداز سے مشورہ دیا کہ آپ اپنے رفقاء کو نجد روانہ فرمائیں۔ امید ہے کہ لوگ اسلام کے پیغام کو قبول کریں۔ حضورؐ نے نجد کے بارے میں اندیشہ ظاہر کیا۔ واقعہ رجیع تو سامنے تھا ہی۔ ابو براء نے حفاظت کی ذمہ داری لی۔ چونکہ بعض سیاسی ضرورتیں متقاضی تھیں کہ نجد کے علاقہ میں اسلامی حکومت کا اثر پھیلے۔ اس لئے ابو براء کے قول پر اعتماد کرتے ہوئے ستر آدمیوں کی ایک جمعیت (یہ تعداد صحیح بخاری نے بیان کی ہے۔ ابن اسحٰق کے ہاں چالیس مذکور ہے) جس میں اول درجے کے حفاظ، قاری اور معلم وداعی شامل تھے۔ منذر بن عمرو کی امارت میں روانہ کی۔ یہ دعوتی وفد بئر معونہ پہنچا جو ارض بنی عامر اور حرہ بنی سلیم کے درمیان واقع ہے تو وہاں سے حرام بن ملحان رسولؐ اللہ کا خط لے کر عامر بن طفیل کی طرف روانہ ہوئے۔ اس نے

خط دیکھنے سے پہلے ہی اپنے آدمی کو اشارہ کر دیے انہیں قتل کرادیا۔ اس کے بعد اس نے بنی عامر میں اعلان کیا کہ مدینہ کے وفد پر حملہ کرنے کو نکلو۔ بنو عامر نے ابو براء کی ضمانت کا احترام توڑنا گوارا نہ کیا۔ تب اس مفسد نے بنی سلیم کی شاخوں یعنی رعل، ذکوان، عصیہ، اور بنی الحیان کو دعوت دی۔ یہ لوگ تیار ہو گئے۔ اور مدینہ کے دعوتی وفد کو آ کر گھیر لیا۔ وفد کی طرف سے کہا گیا کہ ہم لوگ لڑنے نہیں آئے اور یہاں ہمیں ٹھہرنا بھی نہیں بلکہ آگے جانا چاہتے ہیں۔ ہمارے ساتھ تعرض نہ کرو۔ لیکن وہ ظالم نہ مانے اور ۶۹، افراد تہ تیغ کر دیے۔ سترویں رکن وفد کعب بن زید بھی لہولہان ہو کر لاشوں کے ڈھیر میں شامل ہو گئے۔ لیکن زندگی باقی تھی۔ بچ کر مدینہ پہنچے اور سارا واقعہ بیان کیا۔ مخالفتوں سے گھری ہوئی ایک نوخیز جماعت کی اس آزمائش کا اندازہ کیجئے کہ اس کی ۶۹ قابل شخصیتیں نہایت بے رحمی سے یکبارگی شہید ہو جاتی ہیں۔ حضور کا قبل حساس اس واقعہ

سے بے حد دکھا۔ آپؐ نے دکھے ہوئے دل کے ساتھ ایک مہینہ تک نماز فجر میں اپنے معلمین کے قاتلوں کے حق میں بد دعاء کی۔ اس بد دعا کا اصطلاحی نام قنوت نازلہ ہے۔

ان ظالموں کے رویہ کے مقابلہ میں محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل دیکھئے کہ عمرو بن امیہ (واحد بچ کر آنے والے داعی) نے راستہ میں دو آدمیوں کو سوتے ہوئے پایا اور غلطی سے سمجھے کہ یہ قاتلوں کے گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ انہوں نے دونوں کو قتل کر دیا۔ دراصل یہ لوگ حلیف قبیلہ کے تھے۔ آنحضرت نے ان کا خون بہا ادا کیا۔ اس ظلم انگیز مزاج کے مقابلہ میں حضورؐ اسی نظام عدل کے لئے سارے جتن کر رہے تھے۔

ان بیرونی حالات کی اصلاح بغیر اس کے ممکن نہ تھی کہ مدینہ داخلی طور پر مستحکم رہے۔ مگر شر انگیز عناصر موجود تھے اور اپنی

دولت، زمینوں اور قلعہ بندیوں کے بل پر خاصا دم خم رکھتے تھے اور اسلامی ریاست کے عین قلب میں بیٹھ کر انتہائی غدارانہ سازشیں کرتے اور مسلم جماعت کے ہر اقدام میں رخنہ اندازی کرتے تھے۔ خصوصاً یہودی قبائل وحدت مدینہ کے معاہدہ میں شریک ہونے کے باوجود آئے دن باغیانہ حرکت کرتے تھے۔ ان میں سے بنونضیر کا گڑھ بڑا مضبوط تھا اور وہ عناد اور سرکشی کی راہ پر سرپٹ بڑھے جا رہے تھے۔ انہوں نے احد اور واقعہ رجیع اور بیر معونہ کے سانحہ کے بعد نازک ترین ہنگامی حالت میں حضورؐ کے قتل کے لئے کھلم کھلا اقدام کیا (جن کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں) پچھلی حرکات کے بعد یہ کھلم کھلا اقدام اس امر کے لئے کافی بلکہ ضروری تھا کہ ان کے بارے میں کوئی فیصلہ کن کارروائی کی جائے۔ حضورؐ نے جنگ چھیڑنے اور کوئی جانی نقصان پہنچانے سے بچنا چاہا۔ (اسلامی تحریک اپنے مزاج کے اعتبار سے جنگ پسند نہیں۔ علاوہ ازیں معاملہ دنیا کے ایک

مستقل مذہبی گروہ سے تعلق رکھنے والے افراد کا تھا اور تحریک اسلامی کو بہر حال اس گروہ کے دائرے میں کام کرنا تھا۔ ورنہ ان کے جرائم ایسے تھے کہ انہیں زندہ رہنے کا بھی حق نہ رہا تھا)۔ اس لئے فقط سلب شہریت کا نوٹس دیا کہ وہ دس روز کے اندر اندر پر امن طریق سے حدود مدینہ سے نکل جائیں ورنہ پھر ان کے ساتھ دشمن کا سا معاملہ کیا جائے گا۔ عبداللہ بن ابی نے بھاری مدد دینے کا وعدہ کر کے انہیں حضورؐ کے خلاف لڑنے پر اکسایا۔ بنو نضیر اس کے بھرے میں آ گئے اور اسلامی ریاست کو انہوں نے صاف صاف چیلنج کر دیا کہ نوٹس کی ہم تعمیل نہیں کرتے۔ جو چاہو کرو۔ ربیع الاول ۴ھ میں حضورؐ اسلامی فوج کو لے کر نکلے اور بنو نضیر کو محاصرہ میں لے لیا۔ کوئی بھی ان کی مدد کو نہ آیا۔ لہذا بے بس ہو کر انہوں نے بستی خالی کر دی۔ حضورؐ کی کریمانہ شان تھی، کہ نہ صرف جانیں بلکہ اونٹوں پر اپنے قیمتی اموال بھی وہ لوگ لاد کر لے گئے۔ کھچاؤ کے اس انتہائی ناخوشگوار ماحول میں بھی بنو

نضیر کے اندر سے دو سعید روحیں ایسی نکلیں جنہوں نے اپنے قبیلے کی نامعقولیت کے ساتھ ساتھ حضورؐ کی دعوت حق کے نور کو پہچانا اور حلقۂ اسلامی میں شرکت کی۔ یہ تھے یامین بن عمیر اور ابو سعد بن وہب۔

اس موقع پر مسلم فوج کو چند درخت کاٹنے پڑے اور یہ کوئی اہم بات نہ تھی۔ لیکن مغربی نکتہ طرازوں نے اس میں سے بھی پروپیگنڈے کا مواد نکال لیا۔ یہ بالکل ایسا ہی ناگزیر اقدام تھا جیسا آج بھی کسی فوج کو راستہ بنانے، دشمن کی کمین گاہوں کو ختم کرنے اور دوسری ضروریات کے لئے کرنا پڑتا ہے۔ بلکہ پولیس کو بھی مجرموں کی گرفتاری کے لئے بسا اوقات اس طرح کی کارروائیاں عمل میں لانا پڑتی ہیں۔ عمارتیں گرادی جاتی ہیں۔ کھیتوں اور باغوں میں حسب ضرورت تصرف کیا جاتا ہے۔

ظرناک ترین حالات کے باوجود شر پسند عناصر کی سرکوبی کر کے حضورؐ نے نہ صرف اپنی مشکلات گھٹالیں بلکہ آس پاس کے لوگوں پر یہ اثر بھی بحال کرلیا کہ مسلم حکومت میں پورا دم خم موجود ہے۔

ابو سفیان میدان احد کے اعلان کے مطابق دو ہزار پیادوں اور ۵۰ سواروں پر مشتمل ایک مضبوط لشکر لے کر حملہ کے لئے نکلا۔ حضورؐ بھی اطلاع پاتے ہی پندرہ سو پیادوں اور دس سواروں کے ساتھ بدر پہنچے۔ آٹھ روز وہیں کیمپ ڈال کر قریش کی فوج کا انتظار کیا۔ مگر ابو سفیان مکہ سے ایک منزل دوری پر ..... بمقام مظہران یا عسفان ..... آکر واپس چلا گیا کہ خشک سالی کی وجہ سے یہ سال جنگ کے لئے مناسب نہیں۔ آخر حضورؐ بھی ابو سفیان کی واپسی کی اطلاع پاکر مدینہ تشریف لے آئے۔

محرم ۴ ہجری (بعض روایات کی رو سے جمادی الاولیٰ)

میں بنی غطفان کے ذیلی قبائل بنی محارب اور بنی ثعابہ کی جنگی تیاریوں کی اطلاع آئی۔ حضور چار سو (بعض روایات کے مطابق سات سو) رضا کاروں کی جمعیت لے کے نکلے۔ مقابلہ کے لئے ایک جمعیت واقعی موجود تھی۔ لیکن وہ عملاً معرکہ آرا نہ ہوسکی۔ اسی مقام کا واقعہ ہے کہ غوث نامی مشرک اپنی قوم کے سامنے یہ عزم بیان کر کے نکلا کہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر کے رہوں گا۔ وہ آیا تو حضورؐ ایک درخت کے سائے میں تنہا استراحت فرما تھے۔ آپؐ کی تلوار درخت سے لٹک رہی تھی۔ غوث نے وہی تلوار تان کر للکارا کہ بتاؤ کہ اب کون تمہیں بچا سکتا ہے۔ حضورؐ نے بے خوف ہوکر کہا کہ ''خدا بچانے والا ہے''۔

دومتہ الجندل تجارتی کاروانوں کا جنکشن بھی تھا اور یہاں عیسائیوں اور یہودیوں کے مذہبی مبلغ اور سیاسی گماشتے بھی کام کرتے تھے پھر بنونضیر کے خیبر وغیرہ میں جانے کی وجہ سے

ان کی مدینہ کے خلاف ریشہ دوانیوں کا بھی یہ اڈا بننے لگا تھا۔ خصوصاً یہ واقعہ بڑی سیاسی اہمیت رکھتا ہے کہ قریش مکہ اور یہود خیبر کی سازباز کے زیر اثر نصرانی سردار اکیدر نے مدینہ کے لئے غلہ لانے والے کاروانوں کو تنگ کرنا شروع کیا۔ حضور تک اطلاع پہنچی کہ دومتہ الجندل میں دشمن اپنی طاقت جمع کر کے مدینہ پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے۔ ربیع الاول ۵ ہجری میں آپؐ نے ایک ہزار کی جمعیت لے کر فوراً اقدام کیا۔ دومتہ الجندل میں جب مسلم فوج کی روانگی کی اطلاع پہنچی تو دشمن بکھر گئے۔ حضورؐ نے پیش قدمی کی ضرورت نہ سمجھی اور راستہ میں حلیفانہ تعلقات بڑھانے کا کام کیا چنانچہ عیینہ حصین سے معاہدہ ہوا۔ بعد میں ۶ ہجری میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ایک دعوتی و سیاسی مہم لے کے گئے اور قبیلہ کلب کی فضاء مدینہ کے حق میں سازگار ہونے لگی۔ اس سے بھی بعد تبوک کی مہم کے سلسلے میں ۹ ہجری میں اس علاقے میں پورا پورا غلبہ ہو گیا۔

اب بنو مصطلق کے بارے میں خبر آئی کہ وہ حملہ کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ بریدہ اسلمی کو بھیج کر تحقیقات کرائی گئی۔ خبر صحیح نکلی۔ حضورؐ نے ۲ر شعبان ۵ ہجری کو فوجی اقدام کیا۔ نہایت تیز رفتاری سے مریسیع (پانی کا چشمہ) جا پہنچے۔ حارث بن ابی ضرار سردار بنی مصطلق آمادۂ جنگ تھا۔ حضورؐ کے یکا یک جا پہنچنے سے اس کی سپاہ بکھر گئی اور صرف اسی قبیلہ کے لوگ باقی رہے۔ پہلے ہی ہلہ میں راعوث کے جتھے کی پوری طرح شکست ہوگئی۔ بکثرت مویشی، مال غنیمت میں آئے اور ساری تعداد جنگی قیدی بن گئی۔ گرفتار شدگان میں جویریہ بھی تھی۔ انہوں نے حضورؐ کے سامنے کلمہ حق پکارا اور کہا کہ میں اسلام لا کر حاضر ہوئی ہوں۔ حضورؐ نے ان کی رضامندی سے انہیں اپنے نکاح میں لے لیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں نے تمام قیدیوں کو یہ کہہ کر آزاد کر دیا کہ رسول اللہ کے قرابت داروں کو ہم اب اسیر نہیں رکھ سکتے۔

یہی وہ موقع ہے کہ اسلام کی فتح کو دیکھ کر منافقین جل اٹھے اور پہلے انہوں نے پانی پر جھگڑا کر کے مہاجرین و انصار کو لڑانا چاہا۔ اور واپسی میں سارے راستے مہاجرین کو مدینہ سے نکلوانے کے لئے انصار کو اشتعال دلانے میں لگے رہے۔ اسی سفر میں حضرت عائشہؓ کے قافلے سے بچھڑ جانے کی بناء پر ان کو افک کا طوفان اٹھانے کا موقع ملا۔ یہ سارا حال ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔

جنگ احد کے بعد اور معرکہ خندق سے پہلے یہ مختلف چھوٹی چھوٹی کارروائیاں تھیں جو اسلامی ریاست کو اپنے تحفظ، لاء اینڈ آرڈر کی بحالی اور دستوری نظام کے بچاؤ کے لئے کرنی پڑیں۔ ان میں سے معلمین کے وفود کے واقعات کو چھوڑ کر بقیہ صورتوں میں یا تو محض سرحد پر فوجی طاقت بھیجی گئی یا ایک نوع کی پولیس کارروائی کی گئی۔ خالص جنگی نوعیت کی جھڑپیں بہت کم تھیں اور وہ بھی بالکل چھوٹی چھوٹی۔ ان کو خواہ مخواہ اہمیت دے

کر تفصیل سے بیان کیا جائے تو پڑھنے والے کو بڑا مغالطہ ہوتا ہے۔ اصل صورت حالات یہ تھی کہ عرب قبائل کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں منقسم تھا اور ہر قبیلہ بلکہ قبیلوں کی ذیلی شاخیں اپنی اپنی جگہ مستقل تنظیمی و سیاسی یونٹ تھیں۔ کبھی ایک ٹولی مخالفت کے لئے سر اٹھاتی۔ کبھی دوسری حملے یا ڈاکے کے لئے تیار ہو جاتی۔ ایک شرارت پر قابو پایا جاتا تو کسی اور طرف سے فتنہ اٹھ کھڑا ہوتا۔ ایسی حالت میں جب بھی کبھی ایک مرکزی نظام قائم کرنے کی کوشش کی جاتی تو بکھرے ہوئے مختلف قبیلوں کے ساتھ چھوٹی چھوٹی جھڑپیں بار بار لئے بغیر کبھی کامیابی کا کوئی امکان نہ تھا۔

تیسرا بڑا معرکہ..... خندق

جنگ احد میں اگرچہ قریش کو ایک اتفاقی موقع مسلمانوں کو زور دکھانے کا مل گیا تھا۔ اور بظاہر انہوں نے بدر

کے زخموں کا انتقام لے لیا تھا۔ لیکن وہ خوب سمجھتے تھے کہ وہ احد سے فاتح بن کر نہیں لوٹے اور یہ بھی انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ اب وہ اپنی موجود طاقت کے ساتھ مدینے کی مسلم ریاست کو زک دینے کے قابل نہیں ہیں۔ وہ ایک سال کے وقفے میں مزید تیاری اور فراہمی سپاہ کے بعد لڑنے کا تہیہ لے کر احد سے رخصت ہوئے تھے اور اس ارادہ کا اعلان بھی ابوسفیان نے کر دیا تھا۔ مگر مکہ سے فوج لے کر نکلنے کے بعد وہ حالات کی ناسازگاری کے باعث واپس لوگ گیا۔ قریش اور مسلم ریاست میں ایک بڑا بھاری فرق تھا۔ جاہلیت کی طاقت اپنی روح کے اعتبار سے جامد اور مضمحل بھی تھی اور کس طرح کے نشوونما کی صلاحیت بھی نہیں رکھتی تھی بلکہ اس کا کچھ نہ کچھ جز ہر آن کٹ کر مدینہ کے پلڑے میں گر رہا تھا۔ مدینہ کی مسلم طاقت ایک اصولی، نظریاتی دعوتی اور عوامی طاقت تھی۔ لہذا وہ متحرک تھی، فعل تھی، سرگرم تھی۔ اور اس میں نشوونما کی صلاحیت تھی۔ اس

فرق کی وجہ سے وقت کا گزرنا مدینہ کے حق میں مفید پڑتا تھا۔ بلحاظ تعداد افراد، بلحاظ تربیت اخلاق، بلحاظ مدبرانہ تعلقات، بلحاظ دفاعی طاقت اور بلحاظ رقبہ کی وسعت مدینہ برابر نشوونما پا رہا تھا۔ اسلامی ریاست قریش کی تجارتی شاہراہیں عملاً بند کرنے میں کامیاب تھی۔ مکہ معاشی بحران کا شکار ہوتا جا رہا تھا۔ اسلامی جماعت احد کے بعد کے دو سالوں میں سخت پیچیدگیوں سے دوچار ہونے کے باوجود خاصا ارتقاء کر چکی تھی اور قریش نے جس معرکہ کو ایک سال کے لئے موخر کیا تھا وہ ایک سال کی دیر ہو جانے کی وجہ سے اب ان سے بہت زیادہ جارحانہ قوت مانگتا تھا۔ تنہا قریش شاید اتنی مطلوبہ قوت آسانی سے نہ لا سکتے۔ لیکن مسلم ریاست کے مختلف دشمنوں نے حالات کی مجبوری سے باہمی اتحاد کی راہیں نکالیں۔ خیبر اور وادیٔ القریٰ میں جا بسنے والے جلا وطن یہود نے خاصی سرگرمی سے مدینہ پر حملہ کرانے کے لئے تگ و تاز کی۔ ان کی شر انگیزی کا آغاز مدینہ کے لئے

غلہ لانے والے کاروانوں کے لئے رکاوٹیں پیدا کرنے سے ہوا۔ پھر جب احد کے حالات ان تک پہنچے۔ اور ابوسفیان کے مزید ارادۂ جنگ کی اطلاع ان کو ملی اور ان کی جسارتیں بڑھیں تو انہوں نے بنی غطفان کو خیبر کی کھجوروں کی سال بھر کی پیداوار دے کر اور آئندہ کے لئے بھی ایک مقررہ حصہ ادا کرنے کا پیمان باندھ کر مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے آمادہ کیا۔ اتنا کام کر چکنے کے بعد انہوں نے اپنا ایک وفد مکہ بھیجا۔ جس میں سلام بن ابی الحقیق سلام بن مشکم، حی ابن خطب، کنانہ بن الربیع (بنونضیر) اور ہوذہ بن قیس، ابو عمارہ (بنو وائل) جیسے اکابر شامل تھے۔ انہوں نے قریش کو یقین دلایا کہ تم حملہ کرو اور جب تک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا پوری طرح استیصال نہ ہوجائے، ہم ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔ یہ وفد یہاں سے کامیاب ہوکر لوٹا تو بنو غطفان کے علاوہ بعض دوسرے قبائل میں گھوما۔ قریش نے بھی اپنے حلیفوں اور حامیوں میں تحریک کی اور احابیش کی امداد کے

لئے پکارا۔ گویا اب کی بار جاہلیت نے پورے عرب میں سے اپنی حمایتی قوت نچوڑی اور غالب کے شعر کا سماں پیدا کر دیا کہ:

پھر پرسش جراحت دل کو چلا ہے عشق سامان
صد ہزار نمکداں کئے ہوئے

ابو سفیان کی کمان میں ۴ ہزار سپاہ روانہ ہوئی جس کے ساتھ تین سو گھوڑے اور ایک ہزار اونٹ تھے۔ یہ لشکر جب مرالظہران کے مقام پر پہنچا تو بنی سلیم بھی جو قریش سے روابط رکھتے تھے آ ملے۔ ادھر بنو اسد، فزارہ۔ اشجع اور بنو مرہ بھی اپنے اپنے علاقوں سے نکلے۔ بنی غطفان نے عیینہ بن حصین کی سرکردگی میں مارچ کیا۔ مجموعی تعداد کے بارے میں اختلاف ہے، بعض نے ۶، ۷ ہزار بعض نے ۱۰ ہزار اور بعض نے ۲۴ ہزار تک کا اندازہ دیا ہے ترجیح کے قابل غالباً درمیانی روایت ہے جسے اکثر سیرت نگاروں نے لیا ہے۔

حضورؐ کو ان کی تیاریوں کی اطلاع دومتہ الجندل کے سفر
ہی میں مل گئی تھی اور آپؐ اسی کے اندیشے سے جلدی واپس بھی
آ گئے تھے۔ مشاورت بھی منعقد ہوئی۔ تجویز مدینہ ہی میں رہ کر
مدافعت کرنے کی ہوئی اور شہر کی حفاظت کے لئے حضرت
سلمان فرائی کا یہ مشورہ قبول کیا گیا کہ ایران کے طریقے پر
خندق کھودی جائے اور اس جہاں افادیت کا ایک پہلو یہ تھا کہ
اس طریق دفاع کا نیا پن عرب حملہ آوروں کے لئے مشکلات کا
باعث ہوسکتا تھا وہاں زیادہ بڑے مفید پہلو یہ تھے کہ سخت جسمانی
محنت سے وہ کام ہوسکتا تھا جو کسی مضبوط اور بلند فصیل سے ہوتا
نیز اس طریقے سے کم تعداد کے ساتھ کثیر التعداد دشمن کو روکا
جاسکتا تھا اور جانی نقصان بھی کم سے کم حد تک متوقع تھا۔ حضورؐ
گھوڑے پر سوار ہوکر خود خندق کا نقشہ متعین کرنے نکلے۔ چونکہ
شہر تین اطراف سے مکانات اور احاطہ بند باغات کے ذریعہ رکا
ہوا تھا۔ لہٰذا خندق کی ضرورت شمال ہی کے کھلے حصے کی طرف

تھی طے پایا کہ حرہ شرقی اور حرہ غربی (لاوے کے میدان) کو ملاتی ہوئی خندق نیم دائرے کی صورت میں جبل سلع کے مغربی کنارے تک پہنچائی جائے۔ اس حصے کی کھدائی تو فوجی انتظام سے کرائی گئی۔ لیکن بعض قبائل نے بطور خود اپنے مساکن کی حفاظت کے لئے اسے اور آگے بڑھایا اور جنوب میں عیدگاہ (مسجد غمامہ یا مصلی) کے مغرب سے گزار کر قبال کی جانب دور تک طویل کر دیا۔ خندق کی کھدائی کے لئے وہی تین ہزار مسلم رضا کار مزدور بنے جنہیں سپاہیانہ ذمہ داری ادا کرنی تھی۔ دس دس آدمیوں کو ٹولیاں بنائی گئیں اور ہر ٹولی کو ۴۰ ذراع (۶۰ گز) ٹکڑا سونپا گیا۔ اندازاً اس کی چوڑائی دس گز رکھی گئی ہوگی کیوں کہ دشمن کے بعض سوار گھوڑوں کو اس پر سے کدلاتے ہوئے اندر گر کر ہلاک ہو گئے تھے۔ اسی طرح اس کا تخمینی عمق ۵ گز سے کم نہیں ہوگا۔ مجموعی طور پر اس کا طول ساڑھے تین میل تھا۔ یہ واقعہ حیرت ناک ہے کہ تین ہفتے میں اتنا بڑا کام مسلم

رضا کاروں نے مکمل کرلیا۔ تقریباً ۱۴ لاکھ آٹھ ہزار مکعب گز مٹی کو کھودنا اور اسے منتقل کرنا کوئی کھیل نہ تھا۔ فی کس تک صد سے زیادہ مکعب گز مٹی آتی ہے۔ پھر بلحاظ سامان کے حالت یہ تھی کہ کھدائی کے کچھ آلات بنوقریظہ سے معاہدہ کے تحت مستعار لئے گئے تھے۔ اور ٹوکریاں نہ ہونے کے سبب عام مسلمان تو کیا، ابوبکر وعمر جیسی ہستیاں چادروں اور دامنوں میں بھر بھر کے مٹی اٹھاتی تھیں۔ خندق کے ساتھ جابجا چوکیاں بنادی گئیں جہاں سے اس کے ہر حصے کی نگرانی کی جا سکے۔

ادھر خندق کی تکمیل ہوئی ادھر شوال ۵ ھ میں اسلامی ریاست کے متحدہ دشمن بڑی دل فوجیں لئے آپہنچے۔ قریش، کنانہ اور احابیش (یا احباش) نے وادیٔ عقیق کے قریب بہ رومہ پر پڑاؤ ڈالا۔ غطفان اور بنو اسد مشرق میں وادی النعمان کے پاس ذنب نقمی نامی مقام سے جبل احد تک پھیل کر خیمہ زن ہوئے۔ ادھر مسلم فوج نے جبل سلع کو پشت پر لے کر مرکزی

کیمپ قائم کیا۔ یہاں حضورؐ کا کیمپ جس موقع پر نصب ہوا۔ اس کی یادگار کے طور پر آج مسجد فتح موجود ہے۔

انقلاب دشمن اگرچہ بڑی تعداد میں محاذ آراء تھے۔ مگر یہ خندق ان کے لئے بالکل نیا مسئلہ تھی اس طرح کی مزاحمت کا سامنا پہلے انہیں کبھی نہ ہوا تھا اور اس سلسلے کی تدابیر سے وہ ناواقف تھے ان کے گھوڑے اور اونٹ خندق کے بیرونی کنارے تک ہی کارآمد ہوتے۔ اکا دکا گھوڑ سواروں نے جوش میں آکر خندق پار کرنے کی کوشش کی مگر وہ اس کے اندر گر کر ختم ہو گئے۔ مختلف مواقع سے وہ رخ کرتے مگر مسلم دستے غفلت سے کام لئے بغیر سامنے موجود ہوتے اور تیر انداز دشمن کا منہ پھیر دیتے تلواریں اور نیزے بالکل بے کار تھے۔ بس دونوں طرف سے کچھ نہ کچھ تیر اندازی ہر روز ہو جاتی۔ کئی روز کے محاصرے سے تنگ آکر ایک روز دشمن نے بڑا زور دکھایا۔ کبھی یہاں سے حملہ کیا کبھی وہاں سے مگر کچھ پیش نہ جاتی۔ اگر کار

قریش کا شہرت یافتہ معمر شہسوار عمر بن عبدود جوش میں بپھر کر نکلا اور اس نے عکرمہ بن ابوجہل، ہبیرہ بن ابی وہب اور ضرار بن الخطاب کو اکسایا اور پھر بنی کنانہ کے کچھ لوگوں کو ساتھ لیا۔ اور ایک مناسب مقام تک کر گھوڑا کدا کر پار ہو گیا۔ دو چار ساتھی بھی اس کے پیچھے پیچھے خندق پار کر گئے بقیہ لوگ کنارے پر کھڑے رہے۔ اندر پہنچ کر اس نے للکارا۔ حضرت علی مقابلہ پر آئے اور ایک زخم کھانے کے بعد اس کا کام تمام کر دیا۔ یہ ایک دن مسلم فوج کے لئے اتنا سخت تھا کہ مختلف اطراف سے دشمن ٹولیوں کی مدافعت کرنے میں چار نمازیں قضاء ہوئیں۔

محاصرہ کی طوالت مسلمانوں کے لئے بھی باعث اضطراب تھی۔ مگر حریف بھی اپنی جگہ پریشان تھا، صلاح و مشورے کے بعد ایک بھرپور حملہ کرنے کے لئے یہ طے پایا کہ بنو قریظہ کو حضورؐ کے خلاف عہد شکنی پر آمادہ کیا جائے اور وہ اندر سے حملہ آور ہوں۔ ابوسفیان کے کہنے پر حیی ابن اخطب نے یہ مشن اپنے

ذمہ لیا۔ وہ بنوقریظہ کے سردار کعب بن اسد کے پاس پہنچا اور مدعا بیان کیا۔ اس نے پہلے تو انکار کیا کہ میں نے محمدؐ کو ہمیشہ صادق الوعد پایا ہے، ان سے عہد شکنی کرنا مروت کے خلاف ہے۔ مگر ابن اخطب نے پورے زور سے بات دہرائی کہ ہم لوگ فوجوں کا سیلاب لے کر آئے ہیں۔ تمام عرب ہمارے ساتھ لد آیا ہے اور یہ ساری طاقت محمدؐ کے خون کی پیاسی ہے۔ یہ موقع ہاتھ سے دینے کا نہیں۔ بس اب اسلام کے خاتمہ کا وقت آ گیا ہے۔ غرض فن ترغیب کا جادو چل گیا۔ اس صورتِ حالات کی خبر مسلمانوں تک پہنچ گئی۔ حضورؐ نے تحقیق کرائی، بات صحیح نکلی۔ صحابہ کے وفد نے جب آ کر افواہ کی تصدیق کی تو حضورؐ کی زبان سے بس اتنا کلمہ نکلا: ''اللہ اکبر! حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔''

محاذ کی وسعت، محاصرہ کی طوالت، تعداد کی قلت، بے سروسامانی کی انتہا۔ فاقہ کشی کا عالم اس کے ساتھ شب بیداریاں

،منافقین کا عذرات گھڑ گھڑ کر (بیوتنا عورۃ) کنارہ کشن ہوتے جانا اور پھر اس درجہ کی جان ماری کہ نمازیں قضاء ہو گئیں ۔ یہ کچھ معمولی درجہ کا امتحان نہ تھا۔ اس پر جب مدینہ کے اندرون میں غداری کی بارودی سرنگ بچھ گئی اور بنو قریظہ (جن کے پاس ڈیڑھ ہزار سے زائد مردان جنگی تھے) کی طرف سے بغلی چھرا گھونپنے کا خطرہ سر پر آ گیا تو آج ہم اندازہ نہیں کر سکتے کہ تین ہزار بلاکشوں کے جذبات کس رنگ میں ہوں گے ۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا بیان ہے کہ اس اطلاع کے ملنے کے بعد بڑی تشویش یہ تھی کہ کہیں ہمارے پیچھے عورتوں اور بچوں پر حملہ نہ ہو جائے اور اسی تشویش کے مارے میں بار بار کوہ سلع پر چڑھ کر دیکھتا تھا کہ کوئی واقعہ ہو تو نہیں گیا۔ اپنے گھروں کو پر سکون دیکھتا تو خدا کا شکر ادا کرتا ۔ حضورؐ نے تین سو افراد کا ایک دستہ مدینہ کی حفاظت کے لئے روانہ فرما دیا ۔ اس وقت کا نقشہ قرآن کریم نے یوں کھینچا ہے:-

(یاد کرو) جس وقت کہ (دشمن) بالائی جانب سے بھی اور زیریں جانب سے بھی تمہاری طرف بڑھے اور جب کہ آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے مونہوں کو آ گئے اور اللہ کے بارے میں تمہارے دلوں میں طرح طرح کے گمان آنے لگے۔"

(احزاب: ۱۰)

حق یہ ہے کہ اس موقع پر مسلم طاقت کا جیسا کڑا امتحان ہوا، ایسا پہلے کے دونوں بڑے معرکوں میں نہ ہوا تھا۔ احد میں رنج و غم کے پہاڑ ٹوٹے تھے۔ مگر جو کچھ ہوا ایک دن میں ہو گیا۔ اب کی بار تو لمبی منزل تھی اور مقابل میں صرف قریش نہ تھے اور بہت سارے عناصر تھے۔ مسلمانوں کے کرب و اضطراب کو دیکھ کر حضورؐ نے یہ تدبیر نکالی کہ دشمن کی کسی نہ کسی طاقت کو مصالحانہ تدبیر سے محاذ سے الگ کر لیا جائے۔ آپؐ نے بنی غطفان (جن کو مالی مفاد بہت عزیز تھا) کے دو سرداروں عیینہ بن حصن اور حارث بن عوف کو بلوایا اور بات چیت کی۔

مدینہ کی تہائی پیداوار پر سمجھوتہ ہونے کا امکان نکلا اور معاہدہ کا مسودہ تیار کرلیا گیا۔ لیکن دستخط فرمانے سے قبل حضورؐ نے سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ (اوس وخزرج کے سردار) سے مشورہ کرنا ضروری سمجھا۔ آپ نے بات واضح کی کہ آپ لوگ اتنے کثیر دشمنوں میں گھر گئے ہیں کہ ان سے عہدہ برآ ہونا آسان نہیں۔ پس دشمنوں کا زور توڑنے کیلئے یہی ایک راستہ ہے۔ ان حضرات کی حمیت حرکت میں آگئی۔ انہوں نے عرض کیا کہ جب ہم کفر کی حالت میں تھے، اس وقت تو یہ قبائل ہمارا مال اس طرح نہ لے جاسکے اور آج کہ ہم نورِ اسلام سے مالا مال ہو چکے ہیں اور پہلے سے زیادہ قوی ہیں تو اب ہم اپنے ہاتھوں سے انہیں اپنے مال سونپیں؟ خدا کی قسم! ایسا نہیں ہوسکتا۔ ہمیں ایسے معاہدہ کی ضرورت نہیں۔ حضورؐ یہ جواب سن کر بہت خوش ہوئے۔ وہ تحریر آپ نے حضرت معاذ کو دی اور انہیں نے چاک کردی۔

لیکن صورت حالات کی کٹھنائی اپنی جگہ پر تھی ۔ اللہ تعالیٰ نے یکا یک صورتِ حل نکالی ۔ کتنا عجیب واقعہ ہے اور تحریک اسلامی کی عقلی و اخلاقی صداقت کا ثبوت کہ اس قیامت خیز لمحہ میں نعیم بن مسعود آگے بڑھتے ہیں اور حضورؐ کی خدمت میں آ کر عرض کرتے ہیں کہ ''اے اللہ کے رسولؐ! میں مسلمان ہوگیا ہوں۔'' اور پھر عقیدہ حق کا اعلان کرتے ہیں ۔ اسی کے ساتھ انہوں نے پیش کش کی کہ ابھی تک چونکہ دشمنوں کو میرا اسلام لانا معلوم نہیں لہٰذا اذن ہو تو میں قریش اور بنو قریظہ کا اتحاد توڑنے کے لئے کچھ کام کروں ۔ حضورؐ نے اجازت دی ۔ نعیم ، بنو قریظہ کے پاس گئے ۔ ان سے ابتدائی بات چیت کے بعد کہا کہ اگر فتح ہو تو خیر لیکن شکست کی صورت میں قریش اور بنی غطفان بھی چلے جائیں گے اور تم لوگ تنہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زد پر رہ جاؤ گے ۔ پس تم احتیاطاً قریش اور بنی غطفان سے کہو کہ وہ کچھ آدمی تمہارے پاس بطور رہن رکھیں ۔ یہ شرط پوری ہو تو

ساتھ دینا، ورنہ کنارہ کرلینا۔ پھر وہ قریش کے پاس پہنچے۔ ان سے کہا کہ "مجھے کچھ باتیں معلوم ہوئی ہیں جن سے تمہیں مطلع کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔" بنوقریظہ نے اب موقف بدل لیا ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ آپ لوگوں سے بطور یرغمال کچھ اشخاص کا مطالبہ کریں گے۔ چنانچہ قریش نے جب بنوقریظہ کو پیغام بھیجا کہ ہم محاصرہ کی طوالت سے تنگ آ گئے ہیں لہٰذا اب تم ساتھ دو تو بلہ بول دیا جائے۔ بنوقریظہ نے ان سے اپنے آدمی رہن رکھنے کا مطالبہ کیا۔ قریش کو اب نعیم کی بتا کا یقین آ گیا اور وہ بنوقریظہ کے تعاون سے مایوس ہو گئے۔ اس تدبیر سے حالات کا نقشہ معا بدل گیا۔

انقلاب دشمن عناصر پھوٹ پڑنے کی وجہ سے اب محاصرہ کی ساری کھکیڑ کی تھکن محسوس کرنے لگے۔ گھروں سے نکلے ہوئے مہینہ بھر ہونے کو آیا۔ کاموں کا نقصان ہوا۔ مصارف بے تحاشا اٹھانے پڑے اور نتیجہ کچھ نہیں۔ ادھر اتنی بڑی

فوج کے افراد اور جانوروں کے لئے رسد کا مسئلہ پیچیدگی اختیار کرنے لگا۔ قریش کی رسد کی ایک بھاری قسط راستے ہی میں ایک مسلم فوجی دستے کے ہاتھ آ گئی۔ پھر موسم ناسازگار ہوگیا اور سردی ناقابل برداشت حد تک بڑھ گئی۔ ایسے تاریخی مواقع پر بسا اوقات طبعی عناصر بڑا فیصلہ کن عمل کرتے ہیں اور مشیت ایک اشارے سے معاملات کو کسی شکل میں طے کرا دیتی ہے۔ تاریخ کی شہادت یہ ہے کہ طبعی عوامل بھی نازک لمحوں میں اپنا وزن حق کی قوت کے پلڑے میں ڈالا کرتے ہیں۔ ایک رات اچانک سخت طوفانی آندھی چلی جس نے حملہ آوروں کے خیمے اکھاڑ دیئے۔ طنابیں توڑ ڈالیں۔ چولھے بجھا دیئے۔ ہانڈیاں اور برتن الٹ دیئے۔ جانوروں کو وحشت زدہ کر دیا اور فی الجملہ جنگی حوصلوں پر اوس پڑ گئی۔ بلکہ ایک حواس باختگی کا عالم طاری ہوگیا۔ اسی غیبی امداد کا احسان اللہ تعالیٰ نے بیان کیا کہ:-

"اپنے حق میں اللہ کی اس نعمت کا تصور کرو جب کہ تمہارے

خلاف لشکر جمع ہوئے اور ہم نے ان کے خلاف آندھی کی مصیبت بھیجی اور وہ غیبی لشکر بھیجے کہ جن کو تم دیکھ نہیں سکتے تھے۔''

(احزاب:۹)

ہر طرف گھبراہٹ اور مایوسی پھیل گئی جس کی بناء پر ابوسفیان نے فیصلہ کیا کہ اب ہم مزید نہیں ٹھہر سکتے چنانچہ بڑی دل نوجیں یکا یک کوچ کر گئیں۔ مدینہ کا مطلع صاف تھا۔ حضورؐ نے خوب فرمایا کہ ''اب قریش کی چڑھائیاں ختم ہو گئیں۔'' یعنی اپنی قوت کو تو وہ بدر و احد میں آزما چکے تھے۔ اور اب کی بار انہوں نے عرب بھر سے مخالفین اسلام کو مشکوں سے سمیٹ کر دھاوا بولا تھا سو وہ ناکام گیا۔ اب جب کہ اتنی قوت کو بھی دوبارہ مجتمع کرنا ممکن نہیں تو قریش کس طرح کوئی معرکہ لڑ سکتے ہیں۔ جب کہ بعد کا معرکہ اس سے زیادہ قوت طلب کرے گا۔

اس معرکہ میں دو طرفہ جانی نقصان برائے نام ہوا، اور مسلم فوج کا تو اور بھی کم۔ کل چھ آدمی شہید ہوئے لیکن ان میں

سعد بن معاذ جیسی عظیم شخصیت بھی شامل تھی، ان کو تیر کا زخم آیا اور چند روز بعد ان کا انتقال ہوا۔

غزوہ خندق کے اہم نکات

اس غزوہ کے سبق آموز واقعات پر ایک نگاہ ڈال لیجیے:-

ا۔ سب سے بڑھ کر ایمان پرور چیز مسلم رضا کاروں کا والہانہ طرز عمل ہے۔ انہوں نے نہ صرف اتنے خوف ناک حالات میں بہ حیثیت مجموعی صبر وثبات کا مظاہرہ کیا بلکہ خندق کی کھدائی کا کام اس طرح کیا جیسے کہ جنات کی کوئی فوج زمین کا تختہ الٹ دے۔ یہ لوگ نغمے گا گا کر اور شعر پڑھ کر جوق در جوق کام کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ کوئی ٹولی الاپتی ہے:-

نحن الذين بايعوا محمدا على الجهاد ما بقينا ابدا

ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے تاحین حیات جہاد کرنے کا عہد محمدؐ

کے ہاتھ پر باندھا ہے۔

کسی دوسرے گروہ کی صدا کونجتی ہے:-

ان الاولی قد بغوا علینا اذا ارادو الفتنة ابینا

دشمن ہم پر چڑھ آئے ہیں، یہ لوگ ہمیں راہ حق سے روکتے ہیں اور ہمیں رکنے سے سخت انکار ہے۔

پھر "ابینا ابینا" کی جب تکرار ہوتی تو فضا میں جذبہ عزیمت کی لہریں اٹھ جاتیں۔

اس والہانہ جذبہ کی ایک وجہ یہ تھی کہ ان کا حاصل عمر خطرے میں تھا اور اسلامی تحریک اور مدینہ کی ریاست ان کے لئے ایک محبوب کی حیثیت رکھتی تھی کہ جس کے قدموں پر وہ ساری متاع حیات نچھاور کر دینا سعادت سمجھتے تھے۔ انسانی فلاح کا مقدس مشن ان کے لئے ایک جنون آموز دلبر تھا۔ لیکن اس کی دوسری وجہ اور بہت بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ ان کا محبوب لیڈر

ان کے درمیان میدان عمل میں نہ صرف موجود تھا بلکہ بہ نفس نفیس کام میں شریک ۔ جونہی کھدائی کا کام شروع ہوا، حضورؐ اپنے مکان سے منتقل ہوکر موقع پر آ گئے اور ایک ملحقہ پہاڑی پر آپ کا خیمہ نصب ہوگیا۔ آج اسمقام پر مسجد ذباب جوہ گر ہے۔ پھر حضورؐ خود بھی دس افراد کی ایک ٹولی کے رکن تھے۔ مشہور واقعہ ہے کہ حضرت سلمان فارسیؓ چونکہ دوسروں سے دس گنا کام کرتے تھے لہٰذا ہر ٹولی ان کو اپنی طرف کھینچتی تھی۔ اس کشمکش کا فیصلہ آپؐ نے یہ فرمایا "سلمان منا اہل البیت" (یعنی سلمان ہمارے اہل بیت کی ٹولی میں ہیں) اس طرح جناب سلمان کا اعزاز بھی ہوا اور مختلف ٹولیوں کو ایک دوسرے کے مقابلہ رشک کرنے کا موقع بھی نہ رہا۔ حضورؐ نے نہ صرف مٹی ڈھوئی بلکہ کدال کا کام بھی کیا، بلکہ جب کوئی سخت چٹان آ جاتی تو آپؐ خود پہنچتے اور کدال لے کر اپنے ہاتھوں سے توڑتے۔ دو چٹانوں کے توڑنے کا واقعہ مذکور ہے۔

۲۔ہم ذکر کر آئے ہیں کہ اس موقعہ پر کس درجہ بے سرو سامانی تھی ۔کھدائی کا سامان بنوقریظہ سے مستعار لیا گیا ۔مٹی ڈھونے کے لئے ٹوکریوں تک کا انتظام نہ تھا ۔لوگ اپنے کپڑوں کو اس کام میں استعمال کرتے رہے ۔اسی کے ساتھ ساتھ سامان خوراک کی سخت قلت تھی ۔پھر چونکہ تین ہزار مردان کار دو تین ہفتے کھدائی کے کام میں اور دو تین ہفتے محاذ جنگ پر مصروف رہے اور تمام زرعی وتجارتی کاروبار معطل رہے، اس لئے اقتصادی بحران ناگزیر تھا۔مسلم سپاہیوں نے پسینہ بہاتے ہوئے تین تین دن کے متواتر فاقے کاٹے ۔یہ حالت بھی خوشی خوشی اس لئے برداشت ہوئی کہ اس فاقہ کشی میں جماعت کا سربراہ کار خود حصہ دار تھا۔بلکہ اس نے بھوک کی تکلیف میں سے زیادہ حصہ حاصل کیا۔دوسرے لوگوں نے اگر بیان کیا کہ انکے پچکے ہوئے پیٹوں پر پتھر بندھے ہیں تو حضورؐ نے کپڑا اٹھا کر دکھایا کہ یہاں تو دو دو پتھر باندھنے کی نوبت آ گئی ہے ۔ایثار و

قربانی کی یہ صفت جبھی قائم رہتی ہے جب کہ ساری جماعت اس میں حصہ دار ہو لیکن اگر کچھ لوگ اپنے آپ کو بالاتر رکھ کر ایثار و قربانی کی ذمہ داری دوسروں کے سر ڈالنا چاہیں تو ساری جماعت سے یہ خوبی جاتی رہتی ہے۔ خصوصیت سے اسلامی جماعت کے سربراہ کاروں کے لئے لازم ہے کہ وہ اس خوبی میں عام جماعت سے پیش پیش رہیں۔

۳۔ معاشرے میں نظم اور ڈسپلن پیدا کرنا یوں بھی اسلامی تحریک کا ایک لازمی تقاضا تھا۔ لیکن میدان جنگ میں تو مشینی نظم کے بغیر دشمن سے بخوبی عہدہ برآ ہونا قطعاً ناممکن ہے۔ حضورؐ نے اولین معرکہ ہی سے جنگی نظم کی تربیت دی تھی۔ اب تجربات وسیع ہو چکے تھے۔ اس لئے معرکہ خندق میں نظم کا پہلو خاصا مضبوط تھا۔ خندق کی کھدائی بھی انتہائی نظم اور تقسیم کار کے ساتھ کی گئی تھی۔ پھر اس کی نگرانی کے لئے اور محاذ پر قابو رکھنے کے لئے جابجا چوکیاں قائم کی گئیں اور پہرے کی باریاں مقرر

تھیں ۔ علاوہ ازیں مسلم سپاہیوں کے درمیان باہمی شناخت کے لئے کوڈ مقرر تھے۔ بنوقریظہ کی غداری کی تصدیق کر کے وفد واپس لوٹا تو اس نے بھی اشاراتی طریق سے حضورؐ کو اطلاع دی ۔ ارکان وفد نے صرف اتنا کہا "عضل وقارہ" طے شدہ مفہوم یہ تھا کہ انہوں نے اسی طرح غداری کی ہے جیسے عضل وقارہ کے لوگوں نے معلمین کے وفد کے ساتھ کی تھی ۔ پھر بھی ایک موقع پر رات کی تاریکی میں سہو ہو جانے کے باعث مسلم سپاہ کی دو ٹولیوں میں ٹکراؤ ہو گیا اور ایک جان بھی شہید ہوئی ۔ کھدائی کا کام شروع ہونے سے لے کر تا دم آخر مخلص مسلمان حضورؐ کی اجازت لئے بغیر موقع سے نہیں جاتے تھے۔

۴۔ حضورؐ نے بنی غطفان کے ساتھ مصالحتی معاہدہ کرنے کی جو راہ نکالی تھی ، اس سے یہ حکمت اخذ ہوتی ہے کہ تحریک اسلامی کو شدید مخالفتوں سے بچا نکالنے اور دشمنوں کا زور گھٹانے کے لئے اگر کبھی قدم پیچھے ہٹانا پڑے یا جھکاؤ اختیار کرنا

پڑے تو یہ کوئی ناممکن التصور چیز نہیں ہے۔ ایک لمبی کشمکش کرتے ہوئے جن مختلف عناصر سے سابقہ پڑتا ہے ان سے بارہا ایسے معاملات کرنے کی ضرورت پیش آسکتی ہے۔ تحریک اسلامی کی یہی وہ پیچیدہ ضروریات ہیں جو اسے چلانے کے لئے حکمت کو لازم ٹھہراتی ہیں۔ حالات کو سمجھنا اور ان سے بہترین راستہ نکال لینا ایک بصیرت مند قیادت کی لازمی صفت ہونی چاہیئے۔ ایسے لوگ جو اصولوں کی طرح طریق کار کے دائرہ میں بھی ایک ہی فارمولے کو ہر قسم کے حالات میں استعمال کرنا چاہیں، مشکل ہی سے تاریخ میں کوئی بڑا کارنامہ انجام دے سکتے ہیں۔

یہ الگ بات ہے کہ حضورؐ کے لئے اس مصالحانہ تجویز کا اصل محرک یہ احساس تھا کہ کہیں انصار مدینہ یہ محسوس نہ کریں کہ ان کے سر ناقابل برداشت مصیبت آپڑی ہے۔ آپؐ نے چاہا کہ ان کی طرف سے ایسے کسی اظہار سے پہلے ہی حل نکالا جائے مگر اوس وخزرج کے سرداروں نے مضبوطی دکھائی اور آپؐ کو تسلی

ہوگئی۔

۵۔اس مصالحانہ تجویز کو آخری طور پر عمل میں لے آنے سے قبل حضورؐ نے انصاری سرداروں سے مشورہ کر کے اصول شورائیت کو مستحکم کر دیا۔میدان جنگ میں بھی آپؐ نے بطور خود فیصلے کا بڑا قدم نہیں اٹھایا۔

۶۔نعیم بن مسعود نے دشمن میں پھوٹ ڈلوانے کا جو پارٹ ادا کیا، وہ حضورؐ کی منظوری سے کیا اور حضورؐ نے اس کی اجازت "الحرب خدعة" کے کلیہ کے تحت دی۔اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ کشمکش اور خصوصاً جنگ کرتے ہوئے تدبیری اور چالیں (اہل اخلاقی حدود کے اندر رہ کر) اختیار کی جاسکتی ہیں بلکہ بعض صورتوں میں اشد ضروری ہوجاتی ہیں۔ ایسے موقعوں پر اگر سادگی سے بیٹھے حالات کو دیکھتے رہیں تو ہلاکت تک کا خطرہ ہوتا ہے۔ابن اسحاق کی کمزور روایت کو

درکنار رکھ دیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ نعیم بن مسعودؓ نے بغیر جھوٹ بولے اور بغیر کسی اخلاقی حد کو توڑے بڑی خوبی سے عظیم مہم سر کر دکھائی۔

۷۔ حضرت سلمان کا بیان ہے جو حضورؐ والی ٹولی میں شریک تھے کہ ایک چٹان کھدائی میں ایسی آئی کہ مجھ سے ٹوٹتی نہ تھی۔ رسول اللہ قریب ہی تھے۔ آپؐ نے کدال مجھ سے لے کر ضربیں لگائیں۔ پہلی ضرب لگا کر فرمایا کہ یمن میرے لئے فتح ہوا۔ دوسری ضرب پر فرمایا کہ شام اور المغرب میرے سامنے سرنگوں ہو گئے۔ تیسری بار فرمایا کہ خطہ مشرق (ایران) مفتوح ہوا۔ یہ بشارت دو پہلوؤں سے بڑی اہم ہے۔ ایک تو اس سے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ حضورؐ شروع سے لے کر آخر تک اپنی تحریک کے آخری مراحل کامیابی کا ایک مستقل تصور رکھتے تھے۔ اور اس تصور کے حق میں آپ کے دل پر اُمانی القا بھی ہوتا رہا ہے۔ دوسرے یہ کہ انتہائی ناسازگار حالات میں جبکہ قوت کم

اور مصائب زیادہ تھے آپ کو یہ یقین رہا کہ یہ ہو کر رہنا ہے۔ بلکہ ضمناً ہم یہ بات کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ آپ کا مقولہ کہ "اسلام کے سامنے عرب و عجم مفتوح ہوں گے"۔ مکہ سے لے کر مدینہ تک اتنی بار سامنے آتا ہے اور اس دور میں ایسا زبان زد عام رہا ہے کہ اس کی نوعیت تحریک اسلامی کے مستقل سلوگن کی سی معلوم ہوتی ہے۔ ہم اس پر مفصل کلام کسی دوسرے مقالے میں کریں گے۔ اضطراب کی سخت گھڑیوں میں اسی بشارت پر طنز کرتے ہوئے معتب بن قشیر نے کہا تھا کہ "ایک طرف تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں قیصر و کسریٰ کے خزانوں کی کنجیاں دلواتے ہیں اور دوسری طرف حال یہ ہے کہ ہم میں سے کوئی شخص مارے خوف کے اجابت کے لئے بھی نہیں نکل سکتا۔"

۸۔ اس معرکہ میں مخصوص حالات کی بناء پر اگرچہ خواتین اور بچوں کو قلعوں میں بھیج دیا گیا تھا تاہم اس موقع پر بھی خواتین نے اونچے کردار کا ثبوت دیا۔ ایک خاتون رفیدہ کچھ

Source: www.prophetmuhammadforall.org

دوائیں اور مرہم پٹی کا سامان لے کر محاذ پر پہنچیں اور انہوں نے زخمیوں کی خدمت کی۔ سعد بن معاذ کی مرہم پٹی بھی انہوں نے کی۔ خواتین کے ایک کیمپ کے گرد ایک یہودی چکر لگاتا دیکھا گیا۔ حضرت صفیہؓ (حضورؐ کی پھوپی) وہیں تھیں، انہوں نے حسان بن ثابتؓ سے جو علالت کی وجہ سے وہیں رکھے گئے تھے کہا کہ اس کی خبر لے ڈالو۔ انہوں نے معذرت کی تو اس شیر دل خاتون نے خود ہی چوب سے اس کا کام تمام کر دیا۔ پھر اس کا سر بھی کاٹ کر خود ہی قلعہ سے پرے پھینکا۔ اس واقعہ کے بعد کسی دشمن کو ادھر آنے کی ہمت نہ ہوئی۔ حضرت عائشہؓ جس قلعہ میں تھیں، اسی میں سعد بن معاذ کی والدہ بھی مقیم تھیں۔ حضرت عائشہؓ قلعہ سے نکلیں اور قدموں کی آہٹ سن کر دیکھا تو سعد حربہ ہاتھ میں لئے تیز تیز قدموں سے جا رہے تھے۔ یہ شعر ان کی زبان پر تھا:-

لبث قليلا تلحق الهيجا جمل

لاباس بالموت اذالموت نزل

"ذرارکو کہ ایک اور جوان بھی معرکے میں شریک ہو لے۔موت کی جب گھڑی آ گئی ہوتو پھر موت سے کیا ڈرنا!"

سعد کی والدہ نے بیٹے کی آواز سنی تو پکاریں۔ "بیٹا!لپک کے جاؤتم نے تو دیر لگادی"۔شعر کا مفہوم پورا ہوگیا جب سعد کی رگ اکحل میں تیر آ کے لگا اور پھر زخم جان لیوا ثابت ہوا۔ایک ماں کا بہادرانہ جذبہ دیکھئے۔

۹۔معرکہ احزاب (خندق) کے زلزلہ انگیز حالات میں گھرے ہوئے مخلص مسلمانوں نے جب مصائب کا یہ طوفان دیکھا تو وہ بے اختیار پکار اٹھے کہ یہ تو ٹھیک وہی مراحل ہیں جن کے پیش آنے کی اطلاع پہلے سے خدا اور رسولؐ نے ہمیں دے رکھی تھی۔

.....وہ مراحل کہ جن سے گذرے بغیر نہ دنیا میں غلبۂ

حق ممکن ہے اور نہ آخرت میں جنت ہاتھ آسکتی ہے۔ سورۂ احزاب میں ایسے پیکر ہائے اخلاص کی تحسین کی گئی۔ یہی لوگ تحریک کا اصل سرمایہ قوت تھے۔

۱۰۔ حضورؐ کے بارے میں یہ معلوم ہے کہ آپؐ نے اپنی جماعت کو ایک مستقل جداگانہ تہذیب پر اٹھاتے ہوئے یہ کلیہ خوب اچھی طرح دلوں میں اتارا کہ معاشرت وثقافت کے دائرے میں دوسری قوموں اور ملتوں کی تقلید ہرگز نہ کی جائے بلکہ نئی تمدنی قدریں اپنے ہی اصولوں کے سانچے میں ڈھالی جائیں اور ہر ثقافتی نقش اپنے ہی مخصوص اسلامی ذوق کے رنگ سے تیار کیا جائے۔ لیکن جب ہم حضورؐ کو خندق کے ایرانی طریق دفاع کو کھلے دل سے قبول کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو یہ حقیقت کھلتی ہے کہ مادی ذرائع ووسائل عملی فنون (Technology) اور تجربی تدابیر کا لین دین ساری انسانیت کے درمیان کھلا رکھا گیا ہے۔ کسی ایک وقت میں جو وسائل، عملی فنون اور تجربی

تدابیر زیرِ عمل آئیں۔ ہرگز ضروری نہیں کہ ان کو ہمیشہ ہر قسم کے حالات اور ہر دورِ تمدن میں جوں کا توں لازم سمجھا جائے اور یوں سوچا جائے کہ ان چیزوں پر بھی شریعت یا سنت کا عنوان زیب دے سکتا ہے۔ اس دائرے میں دوسری قوموں اور تہذیبوں سے استفادہ لازم ہے ایک مسلم ریاست اور اس کی قیادت کا دینی فرض یہ ہے کہ وہ وقت کے زیادہ سے زیادہ مؤثر ذرائع کو کام میں لائے۔ عملی فنون میں اپنے باشندوں کو پیش پیش رکھے اور کامیاب ترین تجربی تدابیر دوسروں سے بھی اخذ کرے اور خود بھی ایجاد کرے۔

معرکۂ خندق سے فتح مکہ تک

ان دو بڑی جنگوں کے درمیان دو برس کے زمانے میں بعض اہم سیاسی اقدامات اور چھوٹی چھوٹی فوجی کارروائیاں عمل میں آئیں۔ حالات کے تسلسل کو نگاہ میں رکھنے کے لئے ان پر

نگاہ ڈالنا ضروری ہے۔

بنوقریظہ یہود کے فساد ذہن و اخلاق کی ایک گھناؤنی مثال تھے۔ بدزبانی اور بدکرداری ان میں عام تھی۔ اسلامی ریاست کے دستوری معاہدہ میں بند کر اس کے شہری ہونے کے باوجود ہر طرح کی سازشیں اور فتنہ انگیزیاں کرتے چلے آرہے تھے۔ لیکن معرکہ خندق میں کھلم کھلا عہد شکنی کر کے حملہ آور دشمنوں سے ان کا سانٹھ گانٹھ کر لینا انتہا درجہ کا غدارانہ اقدام تھا۔ جس کے مجرمین کے لئے سزائے موت کسی بھی دور اور کسی بھی نظام میں خلاف انصاف نہیں ہو سکتی۔ ان لوگوں نے اپنے ارادوں کے لحاظ سے تو گویا سرور عالمؐ اسلامی جماعت، تحریک امن و انصاف اور مدینہ کی ریاست کا خاتمہ کر ہی ڈالا تھا۔ کوئی وجہ نہ تھی کہ ان کو کیفر کردار تک نہ پہنچایا جاتا۔ حملہ آوروں کے رخصت ہو جانے کے بعد حضورؐ اور مسلم رضا کار صبح صبح خندق کے مورچے چھوڑ کر گھروں میں واپس پہنچے۔ ہتھیار اتار کر حضورؐ نے

غسل فرمایا اور اسی دوران میں القاء ہوا کہ بنوقریظہ کی طرف کوچ کیا جائے۔ ابھی سپاہ نے کمریں بھی نہ کھولی تھیں کہ ان کو ایک نئی مہم کے لئے طلب کرلیا گیا۔ مسلم فوج نے اس غدار قبیلے کو محاصرہ میں لے لیا جس کا تسلسل ۲۵ روز قائم رہا۔ عین اس نازک موقع پر انہوں نے قلعہ پر سے حضورؐ کو گالیاں تک دیں۔ جب بنوقریظہ بالکل زچ ہوگئے اور ان کے سردار کعب بن اسد نے الجھن سے نکلنے کے لئے ان کے سامنے مختلف صورتیں رکھیں جن میں سے کسی کو انہوں نے قبول نہ کیا۔ آخر بلاشرط انہوں نے اپنے آپ کو مسلم ریاست کے حوالے کردیا۔ حضورؐ نے ان سے گفت وشنید کرکے ان کی رضامندی سے سعد بن معاذ کو حکم ٹھہرلیا اور دونوں طرح سے پورے اعتماد کے ساتھ فیصلہ ان پر چھوڑ دیا گیا۔ سعد بن معاذ نے یہودی کے قانون تورات کے سامنے رکھ کر فیصلہ دیا کہ ان کے نوجوانوں کو قتل کی سزا دی جائے۔ اس طرح ایک فتنہ طراز گروہ کا بہ حیثیت ایک

جنگی و سیاسی قوت کے خاتمہ ہوگیا۔ واضح رہے کہ تلخی کے اس موقع پر بھی بنوقریظہ کا ایک فرد عمرو بن سعد دین حق کے حصہ میں آیا۔ اس سعید روح نے بنوقریظہ کو پہلے سے بدعہدی سے روکنا چاہا تھا۔ انتہائی ہجر زمین نے بھی ایک گل رنگیں تلواروں کی کڑکتی بجلیوں کی چھاؤں میں پیش کر دیا۔

اس واقعہ کے بعد انقلاب دشمن سازشیوں کا ایک نہایت ہی سرگرم لیڈر ابو رافع عبداللہ بن ابی الحقیق (جسے سلام بھی کہتے تھے) جس نے جنگ خندق کے لئے فوجیں چڑھا لینے میں خاصی تگ و دو کی تھی۔ قبیلہ خزرج کے چند نوجوانوں کے ہاتھوں شام میں قتل ہوا۔

محمد بن مسلمہ انصاری ۳۰ سواروں کے ساتھ سرحدی گشت پر تھے کہ علاقہ نجد کے سردار ثمامہ بن اثال سے مڈبھیڑ ہوئی۔ مدینہ کی طرف اس کا رخ دیکھ کر کمانڈر موصوف نے

گرفتار کرلیا اور حضور کے سامنے پیش کیا۔ اس نے دربار نبوت میں اتنا ہی کہا کہ "اے محمدؐ! اگر قتل کرو تو ایک مستوجب قتل کو قتل کرو گے۔ اگر چھوڑ دو تو ایک احسان شناس کو چھوڑو گے۔ اور اگر مال چاہتے ہو تو مقدار بتاؤ دیا جائے گا۔" حضورؐ نے عزت مندانہ طریق سے اسے رہا کر دیا۔ وہ محسنانہ طرز عمل سے متاثر ہو کر اسلامی جماعت کا رکن بن گیا۔ ثمامہ نے قبول اسلام کے بعد اپنا دل حضورؐ کے سامنے یہ کہہ کر پوری طرح کھول دیا کہ آج سے پہلے حضورؐ کے چہرے سے بڑھ کر کوئی اور چہرہ مبغوض نہ تھا۔ اور آج اس چہرے سے زیادہ محبوب چہرہ کوئی نہیں۔" اس طرح گویا نجد جیسے اہم سیاسی علاقہ میں تحریک کے لئے راستے کھل گئے۔ اسی ثمامہ نے مکہ میں جا کر قریش کو چیلنج کیا تھا کہ اب تم کو غلہ کا ایک دانہ بھی نہ مل سکے گا۔

اہل رجیع جو تعلیمی وفد کے دس ارکان کے قاتل تھے۔ ان کی سزاء دہی کے لئے بطور پولیس ایکشن حضورؐ نے دو سو

سواروں کے ساتھ اقدام فرمایا۔ وہ لوگ بھاگ گئے۔ بغیر کسی جھڑپ کے واپسی ہوئی۔ بطور سیاسی تدابیر کے حضورؐ نے دس آدمیوں کو طلایہ گردی کے لئے کراء الغمیم تک بھیجا تا کہ قریش جان لیں کہ مدینہ جاگتا ہے۔

علاقہ بنی غطفان کی جانب سے مدینہ سے ایک منزل کی دوری پر ''ذی قرد'' نامی چشمہ ہے۔ اس طرف مدینہ کے سرکاری اونٹوں اور مویشیوں کی چراگاہ تھی۔ غطفان کا ایک شخص راعی تھا۔ حضورؐ نے رباحؓ نامی غلام کو خبر گیری کے لئے بھیجا۔ سلمہ بن الاکوع فوجی حیثیت سے محافظ تھے۔ وہ بھی ڈیوٹی پر جارہے تھے۔ علی الصباح یہ لوگ راستہ ہی میں تھے کہ عیینہ بن حصن فزاری (یا عبدالرحمٰن بن عیینہ) نے اونٹوں پر ڈاکہ ڈالا اور ان کو ہانک لے چلے۔ راعی کو ڈاکوؤں نے قتل کیا اور اس کی عورت کو بھی ساتھ لے گئے۔ سلمہ نے یہ غارتگری دیکھی تو مدینہ کی طرف رخ کر کے ''یا صباحا'' کا نعرہ لگایا، اور رباح کو کمک

لینے کے لئے دوڑایا۔ خود تن تنہا ڈاکوؤں کے تعاقب میں دوڑے۔ تیر اندازی کے ماہر تھے، ٹولی کے پیچھے سے نعرہ لگا کر تیر پھینکے اور ہر تیر نشانہ پر لگ کر ایک نہ ایک مجرم کو زخمی کر دیتا۔ پکارتے کہ "میں ابن الاکوع ہوں۔ آج امتحان کی گھڑی ہے کہ کس نے اپنی ماں کا کتنا دودھ پیا ہے"۔ راستہ پہاڑی تھا اور آس پاس درخت تھے، ڈاکو متوجہ ہوتے تو یہ چھپ جاتے اور ناوک پھینکتے۔ گویا گوریلا طریق جنگ سے کام لے رہے تھے۔ ایک موقع پر پتھر برسا کر دشمن کو زچ کیا۔ ڈاکوؤں نے بدحواس ہو کر پہلے تو اونٹ چھوڑے۔ پھر بوجھ گھٹانے کے لئے چادریں اور نیزے پھینکتے گئے۔ ادھر مدینہ سے فوری طور پر مقداد بن عمرو کو سلمہ کی امداد کے لئے روانہ کرنے کے بعد حضورؐ بہ نفس نفیس ایک دستہ لے کر نکلے۔ چند مسلم سپاہی باقی ساتھیوں سے پہلے ہی ڈاکوؤں کے سر پر جا پہنچے۔ وہ بھاگے۔ محرز بن نضلہ المعروف بہ اخرم شہادت کے شوق میں تن تنہا سب سے آگے نکل

گئے ۔ اور مقابلہ شروع کر دیا۔ شہادت پائی۔ بعد میں ابو قتادہ نے ایک بڑے ڈاکو (عبدالرحمٰن بن عیینہ یا حبیب بن عیینہ) کو موت کے گھاٹ اتارا۔ حضرت سلمہ نے مزید تعاقب کیا اور دو گھوڑے چھین کر واپس آئے۔ پلٹ کر رسولؐ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ آپؐ ایک سو سپاہی میرے ساتھ روانہ فرمایئے تو میں سب کا خاتمہ کر آؤں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ”خدا نے جب تمہیں غلبہ دے ہی دیا ہے تو اب نرمی سے کام لو“۔ ان حضرات کی جانبازی کو دیکھئے کہ ایک ایک فرد میں جیسے کہ بجلیاں بھری تھیں۔ ان کا کردار عام جنگجوؤں اور مار دھاڑ کرنے والوں سے بین طور پر مختلف تھا۔ یہ ایک درخشاں نصب العین کے جانباز تھے جس کی محبت انہیں بغیر کسی مزد کے جان جوکھوں میں ڈالتی تھی اور یہ جس معرکے میں پڑتے بھاری تھے۔

ایک طلایہ گرد دستہ عکاشہ بن حصن اسدی کی سرکردگی میں سرحدی گشت کے لئے نکلا۔ افواہ یہ تھی کہ بنی اسد مدینہ پر

حملہ کرنے کے لئے مجتمع ہو رہے ہیں۔ دستہ جب علاقے میں پہنچا تو مفسدین مکان خالی چھوڑ کر منتشر ہو گئے۔ چراگاہ سے سپاہی ان کے دو سو اونٹ ضبط کر لائے۔

ربیع الاول ۶ ہجری میں ایک دعوتی و تعلیمی وفد محمد بن مسلمہ کی امارت میں بنی ثعلبہ کی طرف بھیجا گیا تھا۔ یہ حضرات ذی القصہ پہنچے کہ رات کو سوتے میں انہیں شہید کر دیا گیا۔ صرف محمد بن مسلمہ سخت زخمی حالت میں بچے اور کوئی مسلمان ان کو پیٹھ پر لاد کر مدینہ لایا۔ چنانچہ ربیع الثانی میں حضرت ابوعبیدہ چالیس سپاہیوں کا دستہ لے کر مجرمین کی سرکوبی کے لئے رات کو روانہ ہوئے اور صبح صبح بلہ بول دیا۔ مفسدین بھاگ گئے۔ مفرورین کی املاک ضبط کر لی گئیں۔

زید بن حارثہ ایک طلایہ گرد پارٹی لئے ہوئے جموح (بطن نخلہ کے پاس) کی طرف سے گذرے۔ یہاں بنو سلیم کی

بستیاں تھیں جو مدینہ کے لئے مصافی گروہ تھا۔ باہم برسر جنگ فریقین ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے اور کمزور کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں دیا کرتے۔ پھر ایک عورت حلیمہ نے ان کے بارے میں مخبری کی تھی۔ پارٹی نے ہلکا سا چھاپہ مارا اور کچھ افراد کو قید کر لائے اور کچھ مویشی بھی قبضے میں کر لئے۔ بعد میں حضورؐ نے گرفتار شدگان کو رہا کر دیا۔ کیونکہ حلیمہ نے غلط مخبری کی تھی۔

زید بن حارثہ ایک چھوٹا سا دستہ اپنے علاوہ (۱۴ افراد) لے کر مجرمین ذی القصہ کی سزاء دہی کے لئے پولیس کارروائی کے طور سے بہ جانب طرق (بنی ثعلبہ کا چشمہ) روانہ ہوئے۔ مجرمین بھاگ گئے۔ ان کے ۲۰ شتر ضبط کر لئے گئے۔

دومتہ الجندل کی اقتصادی، سیاسی اور دفاعی اہمیت کا ہم ذکر کر چکے ہیں۔ ابھی تک یہ انتہائی مرکزی مقام باعث خطر تھا۔

حضورؐ پہلے ادھر اقدام کر کے تکمیل مہم کے بغیر واپس آ گئے تھے۔
اب کی بار حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو دعوتی مشن پر دومۃ الجندل بھیجا گیا۔ ان کی افہام و تفہیم سے بہت بڑے مقامی قبیلہ کا عیسائی سردار اصبغ بن عمرو کلبی دائرۂ اسلام میں آیا اور اس کے ساتھ عوام قبیلہ بھی عیسائیت ترک کر کے مسلمان ہوئے۔ سردار نے اپنی لڑکی تماضر عبدالرحمٰن بن عوف کے نکاح میں دے کر مسلم ریاست سے اپنا سیاسی رابطہ مستحکم کر لیا۔

فدک سے مدینہ میں اطلاع آئی کہ قبیلہ بنی سعد بن بکر فوجی قوت جمع کر رہا تھا تا کہ اسلامی حکومت کے خلاف یہود خیبر کو حملہ کرنے میں مدد دے۔ حضرت علیؓ نے دو سو سپاہی لے کر بڑی احتیاط سے مارچ کیا۔ راتوں کو چلتے اور دن کو چھپ چھپا کر پڑ رہتے۔ راستے میں بنی سعد کا ایک قاصد خیبر جاتا ہوا پکڑا گیا۔ جو یہ پیغام لے جا رہا تھا کہ امداد اس شرط پر دی جائے گی کہ خیبر کی کھجور بنی سعد کو دی جائے۔ حضرت علیؓ نے ناگہانی حملہ

کیا دشمن گھبرا کر بھاگ نکلا۔ مسلم فوج نے بغیر کوئی نقصان اٹھائے بنی سعد کے مویشی قبضے میں لے لئے۔

ایک حادثہ یہ پیش آیا کہ زید بن حارثہ اپنا اور دوسرے صحابیوں کا سرمایہ اور مال لے کر شام کے تجارتی سفر پر گئے۔ واپسی پر وادی القریٰ میں بنی بدر نے ان کے قافلہ پر ڈاکہ ڈالا۔ قافلہ کی تعداد کم تھی۔ لہذا ڈاکوؤں نے ۹ آدمیوں کو شہید کیا اور ایک کو زخمی اور سارا مال چھین لے گئے۔ آخر دو مہینے بعد حضرت ابوبکرؓ کی سرکردگی میں مجرموں کی سزاء دہی کے لئے مہم بھیجی گئی۔ چنانچہ کچھ ڈاکہ زن مقتول ہوئے باقی بھاگ گئے۔

عقل اور عرینہ نامی دو قبائل کے کچھ لوگ مدینہ آکر مسلمان ہوئے۔ مگر نئی آب و ہوا میں بیمار پڑ گئے۔ مدینہ کے باہر مقیم ہو کر سرکاری انتظام سے یرعلاج رہے۔ اچھے ہوئے تو سرکاری چرواہے کو پکڑا۔ اس کی آنکھوں میں گرم سلائی پھیری۔

پھر اسے بے رحمانہ طریقے سے قتل کیا۔ اور مویشی ساتھ لے کر بھاگ گئے۔ حضورؐ نے کرز بن خالد فہری کی سرکردگی میں ۲۰ سواروں کا دستہ ان کی گرفتاری کے لئے بھیجا۔ گرفتار ہوئے، ارتداد، ڈاکہ، قتل اور محاربہ اور بے رحمانہ کارروائیوں کے گوناگوں جرائم کے تحت ان کو عبرتناک سزاء دی گئی اور ٹھیک عدل سے انتقام لیا گیا۔ ورنہ اگر ایک منظم حکومت کے خلاف ہر کوئی اس طرح کی جسارت کرنے لگے تو سارا معاملہ مذاق بن کر رہ جائے اور کوئی نظم ایک دن نہ چلایا جا سکے۔

اس دور کا سب سے بڑا واقعہ جس کے دوررس اثرات سیاسی اور دفاعی حالات پر پڑے۔ صلح حدیبیہ کا واقعہ ہے۔ حضورؐ ذی قعدہ ۶ ہجری میں حدیبیہ کے مقام پر فروکش ہوئے۔ قریش سے مصالحتی معاہدہ باندھ کر آپ بہت بڑے حریف سے فارغ ہو گئے۔ اور دعوتی اور تعمیری کام کرنے کے لئے وسیع مواقع پیدا ہوئے۔ نیز مدینہ کے متصلہ علاقوں میں شر

Source: www.prophetmuhammadforall.org

انگیز عناصر کی سرکوبی آسان ہوگئی۔

حدیبیہ سے سرور عالم ذی الحجہ میں مدینہ واپس آئے اور چند روز مقیم رہ کر ۷ محرم ۷ ہجری کو خیبر روانہ ہوگئے ..... خیبر اسلامی ریاست کے خلاف ایک نہایت ہی فعال سیاسی اڈا بھی تھا، اور جنگی سازشوں کا مرکز بھی خیبر کے یہود نہ صرف احد کے پس منظر میں محاربانہ حرکتیں کر چکے تھے بلکہ جنگ احزاب میں ان کا پارٹ بہت ہی سرگرمی کا تھا۔ مدینہ کی زندہ و بیدار حکومت اپنی گردن پر ایک تنے ہوئے چھرے کا وجود بہر حال گوارا نہیں کر سکتی تھی۔ اس معرکہ کی نوعیت غیر معمولی ہے اور بڑے معرکوں میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ مگر ہم نے اسے معمولی کارروائیوں میں اس لئے رکھا ہے کہ یہ بدر، احد اور خندق کے سلسلۂ جنگ کی کڑی نہیں ہے۔ یہ ایک مختلف نوعیت کی کارروائی ہے۔ تحریک اسلامی کی دعوت چونکہ ابھی تک بین الاقوامی دور میں داخل نہیں ہوئی تھی اور قریش اور اہل عرب کی طرح سے

دوسری قوموں اور دوسرے مذہبوں کے لوگ درجۂ اول کے مخاطب نہیں تھے۔ اس لئے یہود خیبر سے انقلابی دعوت کی بناء پر کوئی تصادم نہ تھا۔ ان کے سیاسی جرائم ہی اصل وجہ اقدام تھے۔ اور اسی لئے ان سے معاملہ بھی سیاسی جنگ کا سا کیا گیا۔ وہ بازی ہر گئے تو ان کی سرزمین کو باقاعدہ مفتوح بنالیا گیا اور ان کی رعیت کی حیثیت طرف سے مامون ہو جانے کے بعد اب خیبر کی طرف چڑھائی کرنے میں کوئی رکاوٹ باقی نہ تھی۔ اس موقع پر صرف انہی لوگوں کو مہم میں شریک کیا گیا جو خالصتہً للہ جہاد کا جذبہ لے کر چلیں۔ واضح رہے کہ اس مہم میں خواتین بھی بغیر اطلاع شریک ہوگئی تھیں۔ بعد میں حضورؐ کو پتہ چلا تو خفا ہو کر ان سے باز پرس کی کہ تم لوگ کیوں آئے؟ لیکن جب انہوں نے لشکر کی خدمت کرنے کا جذبہ ظاہر کیا تو آپ نے رضامندی دے دی۔ بلکہ آخر میں مال غنیمت میں سے حصہ بھی دیا۔ مدینہ میں سباع بن عرفطہ کو قائم مقام بنا کر چودہ سو سپاہ کے ساتھ حضورؐ

روانہ ہوئے۔ بمقام رجیع پڑاؤ ڈالا گیا۔ مسلم فوج جب خیبر والوں کے سامنے اچانک نمودار ہوئی تو وہ بھاگ کر قلعوں میں پناہ گزیں ہوگئے۔ پہلا حملہ قلعہ الطاۃ پر ہوا۔ دونوں طرف سے تیر پھینکے جاتے تھے۔ بالآخر فتح ہوئی۔ پھر قلعہ صعب کا محاصرہ ہوا۔ مرحب یہودی مبارزت کو نکلا۔ عامر بن الاکوع مقابلے میں آئے اور شہادت پائی۔ بہر حال محاصرہ فتح پر منتج ہوا۔ قلعہ نموص سب سے زیادہ مستحکم تھا اور حضورؐ شدید درد سر کی وجہ سے خود شریک معرکہ ہونے سے معذور رہے۔ آپ نے خاص اعلان کے ساتھ حضرت علیؓ کو اس مہم کے لئے نامزد فرمایا۔ قلعہ سے مرحب رجز پڑھتا ہوا آیا۔ محمد بن مسلمہ نے بھائی کا انتقام لینے کے جذبے سے بڑھ کر ہاتھ مارا تو اس کی ٹانگیں کٹ گئیں۔ پھر حضرت علیؓ کی تلوار نے اس کا خاتمہ کر دیا۔ مرحب کے بعد اس کا بھائی یاسر نکلا۔ مقابلے پر حضرت زبیر بن العوام آگے بڑھے اور ان کے ہاتھوں اس کا خاتمہ ہوا۔ یہ اہم ترین قلعہ ۲۰ روز کے

محاصرہ کے بعد حضرت علیؓ کی کمان میں فتح ہوا۔ اور اسی لئے آنجناب کو فاتح خیبر کہا جاتا ہے۔ یہود اس قلعہ سے جب بھاگ گئے تو مشہور دشمن اسلام حی بن اخطب کی صاحبزادی جناب صفیہ مع اپنی دو چچازاد بہنوں کے اسیر ہوکر آئیں۔ یہ ایک معزز سردار کی بیٹی تھیں۔ اس لئے صحابہ کے مشورے سے حضورؐ نے ان کو اپنے حرم میں لیا۔ پھر یہودی قلعہ الزبیر میں جا مجتمع ہوئے۔ یہاں سہ روزہ محاصرہ کے بعد وہ باہر نکل کر زور شور سے لڑے۔ دس یہودی مارے گئے۔ چند مسلم سپاہی شہید ہوئے اور قلعہ پر قبضہ ہوگیا۔ اب تین قلعہ الکتیبہ الوطیح، اور السلالم باقی تھے۔ یہود کی تمام جانی و مالی قوت اب ان کے اندر اکٹھی ہوئی تھی۔ مسلم فوج نے چودہ روز محاصرہ جاری رکھا۔ بالآخر منجنیق نصب کر کے سنگ باری کرنے کا فیصلہ ہوا۔ محصورین کو اطلاع ہوئی تو انہوں نے اپنے آپ کو بے بس پایا۔ گفتگوئے مصالحت کے لئے سلسلہ جنبانی کی۔ گفتگو کے بعد ان کے لئے فیصلہ ہوا

کہ صرف جانیں لے کر چلے جائیں۔ جانے سے پہلے انہوں نے دوبارہ درخواست کی کہ ان کو زمین اور باغوں کی کاشت پر لگا لیا جائے اور یہیں رہنے دیا جائے۔ حضورؐ نے فراخ دلی سے یہ درخواست قبول کی اور نصف پیداوار پر معاملہ ہوا۔ فدک والوں نے اس صورت معاملہ کی خبر سنی تو انہوں نے بھی اسی کے لئے منظوری مانگی۔ ان کو بھی منظوری مل گئی۔ اس کارروائی کے دوران میں دو یہودی نوجوان حویصہ اور محیصہ اسلامی تحریک کے دائرے میں آ گئے۔

اس معرکہ کے دوران میں جبکہ قلعۂ نطاۃ محاصرے میں تھا۔ اہل خیبر کا ایک حبشی چرواہا اسود راعی معاً ذہنی انقلاب سے دوچار ہوا۔ اس نے یہود سے دریافت کیا کہ کس سے لڑائی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ اس شخص سے جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے۔ اس کی روح میں اتنی بات سن کر تحریک پیدا ہوئی اور اس نے حضورؐ کی خدمت میں آ کر معلوم کیا کہ آپؐ کی دعوت کیا ہے؟

حضورؐ نے اسلام کا نظریہ توحید اس پر واضح کیا۔ اس کے دل و دماغ اسلام کے سامنے مفتوح ہو گئے۔ پھر اس نے پوچھا کہ یہود کی بکریاں میرے ساتھ ہیں ان کو کیا کروں؟ حضورؐ چاہتے تو ان محاربین کی بکریاں قبضہ میں کر کے فوج کے سامان خوراک میں شامل کر سکتے تھے۔ مگر آپ نے اسود راعی کو ایسے موقع پر بھی امانت داری کا حق ادا کرنے کی تلقین کی اور اس نے حضورؐ کے ارشاد کے مطابق ان کو قلعہ کے قریب لے جا کر کنکریوں سے آبادی کی طرف ہانک دیا۔ پھر اس نے واپس آ کر دریافت کیا کہ میں اگر لڑ کر مارا جاؤں تو آخرت میں میرا کیا بنے گا۔ حضورؐ نے جنت کا مژدہ دیا..... وہ پیکر اخلاص لڑا اور اپنی جان سچائی کی چوکھٹ پر بھینٹ چڑھا دی۔

ایک نو مسلم اعرابی خیبر کی مہم میں شریک ہو کر آئے تھے۔ ان کے لئے جب مال غنیمت میں حصہ لگایا گیا تو انہوں نے کہا۔ "یا رسولؐ اللہ! میں آپؐ کے پیچھے اس چیز کے لئے نہیں آیا،

میں تو اس لئے آیا ہوں کہ میری رگجان راہ حق میں کٹے اور جنت نصیب ہو۔'' حضورؐ نے بشارت دی کہ تمہاری یہ مراد بھی پوری ہو جائے گی۔ یہ مجسمہ ایمان بھی رن میں اترا اور شہادت کی مقدس موت نے اسے سینے سے لگالیا۔

فتح خیبر کی مسرتیں کئی گنا بڑھ گئیں۔ جب یکا یک حضرت جعفر بن ابی طالب بہت سے ساتھیوں کے ساتھ حضورؐ اور اپنی ہم مسلک ایمانی برادری کے ساتھ آملے۔ حجاج بن علاطہ سلمی جو ارض بنی سلیم کی کانوں کے مالک تھے اور اسی زمانے میں مسلمان ہوئے تھے۔ فتح خیبر کی تکمیل سے قبل حضورؐ سے اجازت لے کر تیزی سے مکہ پہنچے تا کہ اپنی بیوی اور مال کثیر کو بروقت نکال لائیں۔ در پردہ انہوں نے حضرت عباس کو فتح خیبر کا مژدہ سنایا۔

خیبر کا قضیہ طے پا چکا تو مسلم فوج نے وادی القریٰ کا

رخ کیا جہاں یہود کے ساتھ کچھ اہل عرب بھی مقیم تھے۔ یہاں بھی مخالفت کا گڑھ تھا۔ فوج کے جاتے ہی سامنے سے پتھر برسائے گئے اور مدعم نامی غلام گھائل ہوا۔ حضورؐ کی طرف سے بار بار اسلام کی دعوت دی جاتی تھی۔ مگر ادھر سے ایک ایک آدمی مقابلے پر نکلتا اور ختم ہوتا گیا۔ متواتر گیارہ آدمی اس طرح آتے رہے۔ رات ہونے تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ اگلے روز صبح کے جلد ہی بعد فتح ہوئی۔ سابق نظائر کے مطابق وادی القریٰ والوں کو بھی زمینوں اور باغوں کی کاشت کا کام دے دیا اور ان پر اپنا انتظامی حاکم مقرر کر دیا۔ اہل تیما کے یہود نے جب اس صورت معاملہ کی اطلاع پائی تو انہوں نے از خود مصالحت کی خواہش کی اور ان کو بھی اراضی پر برقرار رہنے دیا گیا۔

اس فاتحانہ کارروائی کے نتیجہ میں جن وسیع زرخیز قطعات آراضی پر قبضہ ہوا ان میں سے فدک اور خیبر کے رقبے سرکاری زمین (State Land) قرار دیئے گئے۔ اور ان سے

ریاست کے سربراہ کار، ان کے لواحقین اور معاشرہ کے غرباء کی کفالت کی جاتی تھی۔ اپنی خاص قطعات کے بارے میں حضورؐ کی وفات کے بعد کچھ اختلاف ہوا۔ مگر جناب صدیق اور بصیرت مند صحابہ نے ان کو جوں کا توں سرکاری ملکیت میں رکھا۔ بقیہ اراضی مسلمانوں کی ملکیت میں دی گئی اور ان کی پیداوار ان میں تقسیم ہوئی تھی۔

عمر بن الخطاب طلایہ گرد دستہ لے کر بنو ہوازن کو انتباہ دینے گئے۔ بنو ہوازن منتشر ہو گئے۔

بشیر بن دارم (یا اسیر بن رزام) یہودی کے متعلق خبر آئی کہ بنو غطفان کو جنگ کے لئے تیار کر رہا ہے۔ عبداللہ بن رواحہ ایک دستہ لے کر گئے۔ کسی طریقے سے انہوں نے بشیر کو مدینہ چل کر حضورؐ سے گفت وشنید کرنے پر آمادہ کر لیا۔ مسلمان چونکہ تیس کی تعداد میں تھے۔ اس نے بھی احتیاطاً تیس آدمی ساتھ

Source: www.prophetmuhammadforall.org

لئے اور ہر اونٹ پر ایک یہودی اور مسلمان مشترک ہو کر سوار ہوئے۔ بشیر یا اسیر نے رات کی تاریکی میں عبداللہ کی تلوار پر ہاتھ ڈالا۔ وہ چونک کر اونٹ سے کود گئے اور تلوار سونت لی۔ دونوں سرداروں کو اس حالت میں دیکھ کر دونوں کے ساتھ بھی لڑنے لگے۔ پورے اکتیس یہودی کھیت رہے۔

محرم ۷ ہجری میں یہ اطلاع پا کر کہ بنو غطفان، بنو محارب، بنو ثعلبہ اور بنو انمار حملہ کے لئے تیار ہو رہے ہیں۔ حضورؐ ۴۰۰ افراد کا دستہ لے کر گشت کے لئے نکلے۔ دشمن منتشر ہو گیا۔ یہ ذات الرقاع کی مہم کہلاتی ہے۔

صلح حدیبیہ کے بعد قریش کے لئے تجارتی شاہراہ کھل گئی تھی۔ مگر ابوجندل قریش کی قید سے بھاگے تو مدینہ میں معاہدہ کی وجہ سے جانے کا موقع نہ پا کر وہ ساحل کے متصل شام کی ایک پہاڑی پر مقیم ہو گئے۔ بعد میں ابوبصیر اور دوسرے لوگوں

نے بھی وہیں ٹھکانا بنالیا اور خاصی جمعیت ہونے لگی..... انہوں نے قریش کے تجارتی قافلے پر حملہ کیا اور مال چھین لیا۔ مگر حضورؐ کی سفارش ان تک پہنچی تو انہوں نے مال واپس کر دیا۔ اب قریش کو اپنی سب سے کڑی شرط معاہدہ کے نقصان کا اندازہ ہوا، اور پچھتائے بعد میں حضورؐ نے ہو جندل کو مدینہ بلالیا۔

بنولموح نے اصحاب بشیر بن سوید کو قتل کیا تھا۔ ان کی تنبیہ کے لئے عبداللہ لیثی ایک پارٹی لے کر گئے۔ معمولی جھڑپ ہوئی۔ دشمن ٹولی کے کچھ اموال ضبط کر لئے گئے۔

ہبند بن عوص جزری نے مسلم ریاست کے خلاف یہ سنگین اقدام کیا تھا کہ ہرقل کے دربار سے حضورؐ کے سفیر وحیہ کلبی تحائف لے کر واپس آرہے تھے اور اس نے ڈاکہ ڈال کر سب کچھ لوٹ لیا تھا۔ اس کی سرکوبی کے لئے زید بن حادثہ ایک دستہ لے گئے۔ جھڑپ ہوئی۔ ہبند مارا گیا اور اس کے ساتھ نائب

ہوئے۔

بنو کلاب شورش کی تیاریوں میں تھے کہ حضرت صدیق کا روانی کے لئے جا پہنچے۔ جھڑپ ہوئے اور دشمن بھاگ گیا۔

جہینہ کے علاقے میں شورش کا اندیشہ ہوا تو اسامہ بن زید حالات پر قابو پانے کے لئے بھیجے گئے۔ انہوں نے پہلے افہام و تفہیم کی کوشش کی۔ لیکن آخر جھڑپ ہوئی۔ اس موقع پر حضرت اسامہ سہیک بن مرداس کا تعاقب کر رہے تھے کہ اس نے کلمہ طیبہ پڑھ لیا۔ مگر حضرت اسامہ نے یہ سمجھا کہ قابو میں آکر جان بچانے کا حیلہ کر رہا ہے۔ انہوں نے اس کا خاتمہ کر دیا۔ حضورؐ کو اس سے سخت صدمہ ہوا۔ کیونکہ انسانوں کی اصلاح آپؐ کا اصل مطلوب تھا نہ کہ ان کا خاتمہ۔

اہل فزارہ وغطفان نے معرکہ خیبر میں یہود کی امداد کی تھی، ان کی سرسری تنبیہ کے لئے بشیر بن ثعلبہ خزرجی مختصر

سادستہ لے گئے۔ معمولی جھڑپ ہوئی اور حریف مغلوب ہوا۔

بنوسلیم کے بارے میں حملہ کی تیاریوں کی اطلاع ملنے پر ابن ابی العوجا پچاس آدمیوں کا دستہ طلایہ گردی کے لئے لے کے دشمن کی سرحد تک گئے۔ مخالفین کی تعداد زیادہ تھی۔ انہوں نے حملہ کر کے پورے دستہ کو شہید کر دیا۔ صرف کمانڈر زخمی حالت میں مدینہ پہنچ سکے۔ اسی طرح بنوقضاعہ کی جانب (ذات اطلح کا علاقہ) کعب بن عمیر انصاری بہت ہی چھوٹی پارٹی لے کر گشت کے لئے گئے۔ حریف طاقتور تھا۔ اس لئے یہ پورا دستہ بھی کام آیا۔ شاید کوئی ایک صحابی بچ کے لوٹے۔ نبی ہوازن اسلام دشمن طاقتوں کو متعدد جنگی مدد دے چکے تھے۔ ان کے بارے میں اطلاع آئی کہ مدینہ سے پانچ منزل کی دوری پر وہ حملہ کے لئے قوت جمع کر رہے ہیں۔ ایک مختصر سا دستہ شجاع بن وہب اسدی کے زیر کمان گشت کے لئے بھیجا گیا۔ کوئی جھڑپ نہ ہوئی۔

اسی زمانے میں (جمادی الاولیٰ ۸ ہجری) جنگ موتہ واقع ہوئی۔ مگر چونکہ وہ صحیح معنوں میں ایک غیر ملکی طاقت سے لڑائی تھی۔ اس لئے ان کا تذکرہ ہم جنگ تبوک کے ساتھ علیحدہ کریں گے۔ قیس بن رفاعہ (یا رفاعہ بن قیس) سردار بنی جشم کے بارے میں اطلاع ملی کہ وہ حملہ کے لئے آدمی جمع کر رہا ہے۔ ابو حدرد اسلمی کو دو آدمیوں کے ساتھ محض گشت کے لئے بھیجا۔ انہوں نے بڑی حکمت سے بغیر کسی قوت کے دشمن جتھے کو خوفزدہ کر کے منتشر کر دیا۔ اور ان کے جانور بھی ضبط کر لائے۔

بنو قضامہ کے متعلق خبر ملی کہ وہ کچھ دوسرے عناصر کو ساتھ لے کر چڑھائی کرنا چاہتے ہیں۔ عمرو بن العاص ذات السلاسل کے مقام پر ۳۰۰ سو سپاہیوں کا دستہ لے کر پہنچے۔ یہ جگہ وادی القریٰ سے آگے ہے اور یہ پورے کا پورا علاقہ اسلامی ریاست کے حق میں برسوں خطرناک رہا۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ دشمن کی طاقت زیادہ ہے۔ عمرو بن عاص نے قاصد بھیج کر

مزید کمک طلب کی۔ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کی کمان میں دو سو آدمیوں کا ایک دستہ فوراً بھیجا گیا۔ حملہ ہوتے ہی دشمنوں کا گروہ بھاگ گیا۔ ان کے کچھ مویشی قبضے میں کر لئے گئے۔

ابو قتادہ اور محلم بن جثامہ کسی موقع پر گشت کے لئے نکلے۔ اتفاقاً عامر بن الاضبط اشجعی چند آدمیوں کو ساتھ لئے ہوئے ملا۔ اس نے مسلمانوں کی طرح سلام کہا۔ لیکن محلم نے اس کے سلام کو ایک چال سمجھا۔ اور دشمن قرار دے کر قتل کر دیا۔ اس واقعہ پر قرآن نے یوں گرفت کی کہ "یا ایھا الذین امنوا اذا ضربتم فی سبیل اللہ فتبینوا ولا تقولوا لمن القی علیکم السلام لست مومنا" ۔یعنی گشت کو نکلو تو آدمیوں سے تعارف حاصل کرو اور تحقیق حاصل کر کے انہیں اچھی طرح بھی سخت تنبیہ کی۔ بعد میں مقتول قبیلہ کا سردار عیینہ بن بدر خون بہا کا مطالبہ لے کر آیا۔ حضورؐ نے پچاس اونٹ اسی وقت دیئے اور بڑی رد و کد کے بعد سرار سے منوا لیا کہ وہ بقیہ پچاس اونٹ

بعد میں لے لے۔

رجب ۸ ہجری میں نبی اکرمؐ کے حکم سے ابوعبیدہ بن الجراح ۳۰۰ سپاہیوں کی جمعیت لے کر سیف البحر گئے اور محض سمندر تک گشت کر کے اور چند روز ساحلی علاقے میں ٹھہر کر واپس آ گئے۔ غالباً اس نقل و حرکت کا منشا ایک طرف شاہراہ کی دیدبانی تھا اور دوسری طرف قریش کو یہ تاثر دلایا کہ آج کل حکومت مدینہ کی توجہ اس طرف ہے۔ واضح رہے کہ قریش کی عہد شکنی کے بعد یہ نقل و حرکت فتح مکہ کی مہم کا پیرایہ آغاز ہوئی۔

چوتھا بڑا معرکہ..... فتح مکہ

اوپر قریش اور دوسرے مخالفین کی بڑی بڑی چڑھائیوں کا ہم ذکر کر چکے ہیں اور واضح رہے کہ بدر، احد، اور خندق کے سارے معرکوں میں جاہلی قوتیں خود چڑھائی کر کے مدینہ آئیں اور ساری اویزشیں اسلامی دارالحکومت کے آس پاس ہوئیں۔

ان آویزشوں میں حکومت مدینہ نے محض مدافعانہ پوزیشن اختیار کی۔ معرکہ خندق کے بعد حضورؐ کی سیاسی بصیرت نے بالکل صحیح پیشگوئی کر دی تھی کہ اب قریش کی چڑھائیاں ختم ہو گئیں۔ بلکہ یہ بشارت بھی دے دی کہ اب انشاء اللہ ہم ان کے خلاف دھاوا بولیں گے۔ چنانچہ بیچ میں جب صلح حدیبیہ واقع ہوئی اور قریش کی تلوار نیام میں چلی گئی تو اس موقع سے فائدہ اٹھا کر حضورؐ نے ایک طرف تو مدینہ کی شورش پسند غداروں سے تطہیر کر لی اور دوسری طرف شمال کی جانب یہودی اپنی قوت کے جو مضبوط مراکز بنا کر ان سے جنگی سازشوں کے اڈوں کا کام لے رہے تھے ان کی حضورؐ نے بیخ کنی کر دی۔ اسی کے ساتھ ساتھ قبائل کی چھوٹی چھوٹی شورشوں، جنگی تیاریوں اور فتنہ پردازیوں کا پے در پے اس سرگرمی سے نوٹس لیا، اور ہر گڑبڑ کی اس پھرتی سے سرکوبی کی کہ مدینہ کا ماحول دور دور تک خاصا صاف اور پر امن ہو گیا۔ معرکہ خندق سے فتح مکہ تک کے وقفے میں اسلامی

ریاست کے دھاک بیٹھ گئی، اور تحریک اسلامی نے اپنے سیاسی وجود کو اچھی طرح منوالیا۔ ہر طرف محسوس ہونے لگا کہ سچائی اور انصاف کی یہ نئی طاقتور ابھر رہی ہے، تو یہ کوئی ایسا غبار نہیں ہے جو ہوا کے ہر جھونکے کے ساتھ اڑنے لگے اور اسلامی قیادت کا جھنڈا کسی کھوکھلے کھمبے پر نہیں لہرا رہا جسے پھونکوں سے گرادیا جائے۔ عوامی عناصر کو محسوس ہونے لگا کہ مستقبل قریش کا نہیں محمد رسول اللہ کا ہے۔

اب چونکہ دشمن سے نجات پانے کا کوئی راستہ ماسواء اس کے نہ تھا کہ اس کے گڑھ کو ختم کیا جائے اور جاہلیت کی قیادت کا چراغ اس کے گھر میں گل کردیا جائے۔ اس لئے دفاعی جدوجہد کی تکمیل کے لئے ایک نہ ایک دن جارحانہ اقدام ضروری تھا۔ قریش کی شامت اعمال کی انہوں نے خود ہی معاہدۂ حدیبیہ کو توڑ ڈالا۔ جو فریقین کے درمیان ایک حفاظتی فصیل امن بنا کھڑا تھا۔

ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ بنی بکر اور بنی خزاعہ کے درمیان پہلے سے مخاصمت تھی اور انتقام در انتقام کا چکر چل رہا تھا۔ مگر بیچ میں یکا یک اسلامی تحریک ایک تشویشناک مسئلہ بن کے نمودار ہوئی اور قریش و دیگر مشرک قبائل محض اس کی مخالفت کے لئے ایکا کرنے پر مجبور ہو گئے۔ ان کے جذبات مخاصمت کا لاوا کچھ دیر کے لئے اندر دب گیا۔ یہاں تک کہ جب صلح حدیبیہ واقع ہوئی تو اس کی ایک دفعہ سے فائدہ اٹھا کر بنو خزاعہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حلیفانہ رابطہ جوڑ لیا، اور بنو بکر قریش کے ساتھ رہے۔ کچھ مدت تو چپ چاپ گذر گئی۔ لیکن آخر کار پرانے جذبات عناد کی بارود بھڑک اٹھی۔ بنو بکر نے مصالحت کے اس دور کو غنیمت سمجھا جس میں کسی اور جانب سے تصادم کا اندیشہ نہ تھا۔ انہوں نے بنو خزاعہ کا ایک آدمی قتل کیا۔ اور پھر بھرپور حملہ کر کے خوب ظلم ڈھایا۔ یہاں تک کہ حرم میں بھی ان کے پناہ گزینوں کی جان بخشی نہ کی اور حالت نماز میں بھی

درگذر نہ کیا۔ بنوبکر کی اس خونریزی میں قریش نے ان کو پوری پوری مدد دی تھی اور اس احمقانہ حرکت سے انہوں نے معاہدۂ حدیبیہ کو پامال کر دیا۔ بنوخزاعہ کی طرف سے عمرو بن سالم نے سرور عالمؐ کی بارگاہ میں جا کر فریاد کی۔ پھر بدیل بن ورقار نے ایک وفد لے جا کر سارا حال سنایا۔ حضورؐ پر حلیفانہ عہد کی وجہ سے واجب ہو گیا کہ بنوخزاعہ کی مدد کریں۔ حضورؐ نے قاصد کے ذریعہ قریش تک تین شرطین صورت حالات کا درست کرنے کے لئے بھجوائیں۔ ایک یہ کہ مقتولین کا خون بہا ادا کریں۔ دوسرے یہ کہ بنوبکر کی حمایت سے الگ ہو جائیں۔ ورنہ تیسری یہ کہ معاہدۂ حدیبیہ کا خاتمہ کا اعلان کر دیں۔ قریش توازن تو کھو ہی چکے تھے۔ کہلا بھیجا کہ صرف تیسری شرط منظور ہے۔ بعد میں پچھتائے۔

اب قریش کے حلقۂ قیادت میں تشویش پھیلی۔ لڑنے کی قوت ان میں ختم ہو چکی تھی۔ چند جنگی معرکوں میں ان کے

قیمتی افراد ان سے چھن گئے تھے اور ان کی فوجی طاقت کو نا قابل اندمال چرکے آ چکے تھے۔ ادھر ان کی معیشت کا دامن بری طرح پارہ پارہ ہو چکا تھا۔ ان کی معاونت کرنے والے یہود کچلے جا چکے تھے اور مدینہ ایک طرف دعوتی ذرائع سے اپنے اثرات اتنے وسیع کر چکا تھا کہ مکہ کے گرد بھی اسلامی ریاستوں کے حامی قبائل کا ایک حلقہ پیدا ہو چکا تھا۔ دوسری طرف معاہدانہ اور حلیفانہ تعلقات کا دائرہ پھیلایا جا چکا تھا۔ تیسرے طرف مفسد قوتوں کو دبا کر ایک وسیع علاقے میں لا اینڈ آرڈر خوب اچھی طرح قائم کر کے نظام نو کی عمارت اٹھاتا جا رہا تھا۔ اب قریش جارحانہ اقدام تو کیا کر سکتے۔ اب تو درحقیقت ان کے لئے اپنی جگہ پر بھی اپنا دفاع کرنا مشکل تھا۔ ان کے لئے اب جو کچھ بھی بچاؤ تھا معاہدۂ حدیبیہ کے ذریعہ تھا۔ یہ روک بھی انہوں نے خود ہی اپنے سامنے سے ہٹا دی اور گویا از خود مدینہ کو دعوت دی کہ آؤ اور ہمیں کیفر کردار تک پہنچا دو۔

آخر مکہ کا سب سے بڑا جاہلی لیڈر پریشان ہو کر مدینہ روانہ ہوا کہ تجدید عہد کر آئے۔ وہاں وہ ایسی حوصلہ شکن فضاء سے دوچار ہوا کہ جس کا شاید وہ تصور بھی نہ رکھتا ہوگا۔ وہ اپنی بیٹی ام المومنین حضرت ام حبیبہ کے گھر میں جا کر بستر پر بیٹھنے لگا تو بیٹی نے لپک کے بستر اٹھا دیا کہ تم مشرک ہو کر خدا کے رسول کے پاک بستر پر نہیں بیٹھ سکتے۔ پھر وہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر اور حضرت علی رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسے ممتاز مسلم لیڈروں سے جا جا کر ملا اور ہر ایک سے مدد حاصل کرنا چاہی۔ حد یہ کہ اس نے فاطمۃ الزہرا کو بھی رسول اللہ کی خدمت میں سفارش کے لئے کہا اور جب یہ بھی نہ ہو سکا تو چاہا کہ امام حسن (عالم طفلی کے باوجود) ہی کو حضرت فاطمہؑ اس کی اجازت دیں۔ کوئی صورت نہ پا کر بدحواسی میں اس نے حضرت علیؑ کے مشورے کے مطابق مسلمانوں کے مجمع میں اپنی طرف سے یکطرفہ جوار (یعنی مصالحانہ ذمہ داری) کا اعلان کر دیا اور بغیر حضورؐ کی طرف سے

جوابی قبولیت حاصل کئے مکہ واپس چلا گیا۔ مکہ والوں نے روداد پوچھی اور اس کے یک طرفہ اعلان جوار کا حال معلوم ہوا تو سب سے کہا کہ یہ تو حضرت علیؓ نے تمہارے ساتھ مذاق کیا ہے۔ دیکھئے کہ انحطاط پذیر منفی طاقتوں کی بصیرت بھی کس طرح ماری جاتی ہے۔

جلد ہی حضورؐ نے اعلان کر دیا کہ مسلم رضا کار تیار ہو جائیں اور اپنے گھر میں بھی حکم دیا کہ ہتھیار تیار کر دیں۔ لیکن یہ امر بالکل راز میں رکھا کہ کدھر کا ارادہ ہے۔ حتیٰ کہ حضرت عائشہؓ کو بھی علم نہ ہو سکا جنہوں نے اپنے ہاتھوں سے حضورؐ کے لئے ہتھیار تیار کئے تھے۔ اغلباً قیاس سے بعض لوگوں نے اندازہ کر لیا ہوگا کہ مکہ پر چڑھائی ہونے والی ہے۔ کیونکہ اتنا بڑا لشکر کسی اور طرف لے جانے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔

حاطب بن ابی بلتعہ کے اہل و عیال مکہ میں گھرے

ہوئے تھے اور چونکہ ان کا کوئی قبیلہ حمایت کے لئے نہ تھا اس لئے انہوں نے ان کے بچاؤ کے لئے مدینہ کی تیاریوں کا حال ایک خفیہ خط کے ذریعہ قریش کو لکھ بھیجا تا کہ وہ اس احسان کی بناء پر ان کے اہل وعیال سے تعرض نہ کریں۔ اس کے ساتھ وہ سمجھتے تھے کہ اس اطلاع کے باوجود اسلامی فوج کی فتح یقینی ہے اور ان کا خط نتیجہ کے اعتبار سے کوئی بڑا نقصان اسلام کو نہ پہنچا سکے گا۔ اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ کس طرح خارجی حالات اور ذہنی تاثرات میں گھر کر کبھی کبھار کسی صالح ترین آدمی سے بھی انتہائی درجہ کی لغزش ہو سکتی ہے۔ حضورؐ کو اس خفیہ خط کا علم فوق العام ذرائع سے ہوا۔ اور آپؐ کے فرستادوں نے روضۂ خاخ میں جا کر مکہ جانے والی ایک عورت کی چوٹی سے اسے برآمد کیا۔ اتنی بڑی خطا سے حضورؐ نے اس لئے درگذر فرمائی کہ حاطب مخلص تھے۔ بدری صحابی تھے۔ ایمان اور حسن کردار رکھتے تھے اور یہ ایک لغزش ان سے بہ تقاضائے بشریت ہو گئی تھی۔

حضورؐ نے دس ہزار سپاہیوں کا لشکر عظیم ساتھ لے کر ۱۰ رمضان کو مدینہ سے کوچ کیا۔ آپؐ نے ایک عظیم فوجی جرنیل کی حیثیت سے ایسا ہیر پھیر کا راستہ اختیار کیا کہ قریش کی جو گشتی ٹولی دیکھ بھال کے لئے نکلی تھی وہ کسی اور طرف ماری ماری پھرتی رہی اور مسلم فوج نے یکا یک مکہ کے سامنے جا پڑاؤ ڈالا۔

حضورؐ جحفہ پہنچے تو آپ کے چچا عباس مع اہل وعیال آملے۔ پھر مقام ابواء میں پہنچے تو ابو سفیان بن حارث بن عبدالمطلب (یہ دوسرے ابو سفیان ہیں جو حضورؐ کے چچا زاد بھائی بھی تھے اور حلیمہ سعدیہ کے واسطہ سے رضاعی بھائی بھی) اور عبداللہ بن ابی امیہ (حضورؐ کے پھوپھی زاد بھائی اور ام المومنین ام سلمہ کے سوتیلے بھائی) نے حاضر ہوکر باریابی کی اجازت مانگی۔ انہوں نے قریبی عزیز ہوکر اسلام کی مخالفت میں جو شدید اذیتیں حضورؐ کو دی تھیں۔ ان کی بناء پر آپؐ نے ملنے سے انکار کردیا۔ ابو سفیان نے عالم یاس میں کہا کہ اگر معافی نہ

ملے تو میں بال بچوں کو عرب کے آتشیں ریگستان میں لے جاؤں گا۔ اور ہم سب بھوکے پیاسے رہ کر مر جائیں گے۔ حضرت ام سلمہ نے بھائی کی سفارش کی اور حضرت علیؑ نے دونوں کو مشورہ دیا کہ حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کے الفاظ میں طلب عفو کریں۔ چنانچہ انہوں نے جا کر وہی کہا۔ تا اللہ لقد اثرک اللہ علینا وان کنا لخاطئین۔ (بخدا اللہ نے آپ کو ہم پر برتری بخشی اور واقعی ہم خطا کار تھے) حضورؐ کا دل ان الفاظ سے پگھل گیا اور آپؐ نے بھی وہی حضرت یوسفؑ والا جواب دیا۔ لاتثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم وھو ارحم الرحمین۔ (تم پر آج کے دن کوئی گرفت نہیں ہے۔ خدا تمہیں معاف کرے اور وہ رحم کرنے والوں سے سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے)۔

مرالظہران کے مقام پر پہنچ کر جب فوجی کیمپ لگایا گیا تو بطور مصلحت رات کو سرور عالمؐ نے حکم دیا کہ ہر سپاہی اپنے لئے

علیحدہ آگ روشن کرے۔ ابوسفیان بن حرب، حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء جیسے اکابر دیکھ بھال کے لئے نکلے۔ بلندی سے دس ہزار چولھوں کو روشن دیکھا تو سکتے میں رہ گئے کہ اتنا بڑا لشکر مکہ کے دروازے پر دستک دے رہا ہے۔ پاس ہی سے حضرت عباس گذرے، آوازیں پہچان کر ابوسفیان کو پکارا۔ بات چیت ہوئی حضرت عباس نے بتایا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی فوج لے کر آپہنچے۔ اب قریش کی خیر نہیں۔ ابوسفیان نے پوچھا کہ اب چارۂ کار کیا ہے۔ اس نے کہا کہ میرے ساتھ خچر پر بیٹھ جاؤ اور چل کے حضورؐ سے بات چیت کی جائے۔ خچر آگے بڑھا تو فوجی طریق سے قدم قدم پر سپاہیوں نے پوچھا "کون جا رہا ہے؟" حضرت عباس تعارف کراتے تو راستہ مل جاتی۔ قریب پہنچے تو حضرت عمرؓ نے دیکھ لیا اور ابوسفیان کو پہچان کر پکار اٹھے کہ "او دشمن خدا آج تجھ پر قابو ملا"۔ دوڑے دوڑے قتل کی اجازت لینے رسولؐ اللہ کی خدمت میں گئے۔ حضرت عباس نے بھی خچر

تیز کرلیا۔ حضرت عمرؓ نے پہلے پہنچ کر اپنی بات کہی اور حضرت عباس نے اپنا موقف بتایا کہ میں ابوسفیان کو پناہ دے کر لایا ہوں۔ اس موقع پر یہ بات چیت ہوئی:

رسولؐ خدا: کیوں ابوسفیان! کیا اب بھی تم کو یقین آیا کہ خدا کے سواء اور کوئی معبود نہیں؟

ابوسفیان: کوئی اور خدا ہوتا تو آج ہمارے کام آیا ہوتا!

رسولؐ خدا: کیا اس بات میں کچھ شک ہے کہ میں خدا کا رسول ہوں؟

ابوسفیان: اس میں قدرے شبہ ہے۔

بہر حال حضورؐ کے چچا نے اس کی کمزور نفسیات کو سمجھتے ہوئے ترغیباً کہا کہ چھوڑو بھی اب۔ سیدھی طرح اسلام قبول کرلو۔ اور صبح تک مکہ کا سب سے بڑا لیڈر حالات سے مجبور ہوکر اسلام کے دائرے میں داخل ہو چکا تھا۔ اسلام کیمپ نے مکہ میں

Source: www.prophetmuhammadforall.org

فوج کے داخلہ سے قبل ابوسفیان کو ایسے لطیف انداز سے حراست میں رکھا کہ اسے محسوس تک نہ ہوا۔ صبح شہر میں داخلہ کے لئے فوج نے کداء ت کے راستے مارچ کیا۔ حضرت عباس حضورؐ کے ارشاد سے ابوسفیان کو ایک ٹیلے پر لے گئے تا کہ وہ ایک بار جیش اسلام کی عظمت کا منظر دیکھ لے۔ سب سے پہلے غفار پھر جہینہ، ہذیم، سلیم اور سب سے آخر میں انصاری دستے اپنے اپنے علم لئے گذرتے رہے۔ ابوسفیان ہر دستے کے بارے میں پوچھتا جاتا۔ سعد بن عبادہ اس مقام سے گذرے تو سپاہیانہ جوش میں آکر جس کے پس منظر میں وسیع تاریخی کشمکش موجزن تھی۔ پکار اٹھے کہ "الیوم یوم الملحمد"۔ آج گھمسان کا دن ہے۔ "الیوم تستحل الکعبۃ"۔ آج کے دن کعبہ کا ماحول معرکہ کے لئے کھول دیا جائے گا۔ آخر میں حضورؐ کی سواری سادگی کی شان کے ساتھ گذری جس کے آگے زبیر بن العوام علم اٹھائے ہوئے تھے۔ حضور کو سعد بن عبادہ کے نعرہ کا علم ہوا۔ تو

نورآن سے علم واپس لے کر ان کے بیٹے کے سپرد کرادیا۔ اور فرمایا کہ آج کا دن کعبہ کی عظمت کا دن ہے اور بر و وفا کا دن ہے۔ ایک فقرے میں حضورؐ نے اپنی فاتحانہ پالیسی کا اعلان کیا۔ جو عفو و کرم پر مبنی تھی۔ پھر یہ اعلان عام کردیا گیا کہ جو کوئی بھی مسجد حرام میں داخل ہوگا یا ابوسفیان کے گھر میں چلا جائے گا اور جو کوئی بھی مقابلہ کے لئے ہتھیار نہ اٹھائے گا، اس کے لئے امن ہے۔ بشرطیکہ کسی قابل تعزیر جرم کا مجرم نہ ہو۔ خود ابوسفیان ہی نے مکہ میں آگے بڑھ کر اس اعلان کو بآواز بلند پکارا۔ یہ سن کر ہندہ بنت عتبہ (زوجۂ ابوسفیان) اس کی مونچھ کھینچ کر چلائی کہ اے بنی کنانہ، اس کمبخت کو قتل کردو۔ یہ کیا بک رہا ہے۔ وہ گالیاں دیتی رہی۔ لوگ جمع ہوگئے۔ ابوسفیان نے کہا کہ اب ایسی باتوں سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ کرنے کی تاب اب کسی میں نہیں۔ حضورؐ کا جب شہر میں داخلہ ہوا تو دنیا بھر کے فاتحین کے برعکس سر مارے عجز کے خدا

کے سامنے اس طرح جھک رہا تھا کہ پیشانی کجاوے کو چھو رہی تھی اور زبان سورۂ فتح کی تلاوت میں مصروف تھی۔

عکرمہ بن ابوجہل، صفوان بن امیہ اور سہیل بن عمرو نے خندمہ پہاڑ میں قریش کے چند کوتاہ اندیش اوباشوں کو جمع کر کے آمادۂ شرارت کیا۔ حماس بن قیس بن خالد بھی ان لوگوں سے مل گیا۔ دو صحابی کرز بن جابر الفہری اور خنیس بن خالد بن ربیع لشکر سے جدا ہو کر کسی دوسرے راستے جا رہے تھے کہ اس ٹولی نے دونوں کو شہید کر دیا۔ حضرت خالد کو اطلاع ملی تو انہوں نے فوراً ان کی سرکوبی کی۔ بارہ آدمی کھیت رہے اور بقیہ بھاگ نکلے جس میں حماس بھی تھا ایسی ہی ایک اور چھوٹی سی ٹولی شہر میں مزاحمت کرنے کے لئے مجتمع دکھائی دی۔ حضورؐ کو معلوم ہوا تو حضرت ابوہریرہؓ کے ذریعے انصار کا دستہ طلب کیا۔ ان کو یہ منظر دکھایا کہ دیکھتے ہو ان کی شر انگیزی؟ یعنی ایک طرف تو عفو و رحمت کا دریا ٹھاٹھیں مار رہا ہے اور فاتح قوت خون کا ایک قطرہ

بھی بہانے سے گریز کر رہی ہے اور دوسری طرف یہ کمینہ لوگ ہیں کہ اسے نیام کردہ تلواروں کو لہرانے پر مجبور کر رہے ہیں۔ حکم دیا کہ یہ مزاحمت کریں تو ان کا پوری طرح صفایا کر دیا جائے ابوسفیان کو نبی اکرمؐ کے اس حکم کی اطلاع ہوئی تو وہ دوڑا دوڑا پہنچا اور التماس کیا "یا رسول اللہ! قریش پہلے ہی تباہ ہو چکے ہیں ایسا نہ ہو کر ان کا نام و نشان ہی دنیا سے مٹ جائے"۔ ہلکی سی مزاحمت کے بعد چند اشعر مار کھا کر بکھر گئے۔

حضورؐ کے اس عفو و کرم کو دیکھ کر انصار میں بعض لوگوں نے چہ میگوئیاں پھیلائیں کہ آخر آپؐ پر اپنی قوم اور اپنے وطن کی محبت غالب آ ہی گئی۔ دراصل انہیں یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں محسنؐ انسانیت ان سے جدا ہو کر اب مکہ والوں میں نہ رہنے لگیں اور وہ اپنی محبوب ہستی کے قرب سے محروم ہو جائیں۔ آپؐ نے ان سے خطاب کیا اور فرمایا "خدا کی قسم ایسا نہیں ہے۔ میں خدا کا بندہ اور اس کا رسولؐ ہوں۔ میں نے خدا کی طرف اور تمہاری

طرف ہجرت کی۔ اب میرا جینا اور مرنا تمہارے ساتھ ہے"۔ انصار پر رقت طاری ہوگئی اور انہوں نے معذرت طلب کی۔ خدا اور رسولؐ نے ان کی معذرت قبول کی۔

لوگوں نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ شہر میں قیام کہاں فرمائیں گے؟ آیا اپنے آبائی مکان میں؟ حضورؐ نے بڑا درد بھرا جواب دیا کہ عقیل نے ہمارے لئے گھر چھوڑا ہی کہاں؟ کہ میں اس میں اتروں۔ حضور کا علم حجون (جنت المعلیٰ) میں نصب ہوا اور یہی قیام گاہ طے پائی۔ پہلے آپؐ اس تاریخی مقام حنیف میں گئے جہاں قبیلہ کے ساتھ نظر بندی کے دن گذارے تھے۔ پھر حرم پہنچے خاص الخاص رفقاء کا ایک حلقہ ساتھ تھا۔ حجر اسود کا استلام کیا ہاتھ میں قوس لئے حرم میں نصب شدہ ایک ایک بت کے پاس جا کر پکارتے۔ "حق آ گیا اور باطل سٹک گیا اور باطل کو تو میدان چھوڑنا ہی ہے"۔ (الایہ) قوس کے اشارے سے ایک ایک بت گر گیا۔ پھر کعبہ کی کنجی منگا کر دروازہ کھلوایا۔ اندر

حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہم السلام کی تصویریں بنی تھیں اور ان کے ہاتھوں میں پانسے کے تیر دکھائے گئے تھے۔ بعد میں آپؐ کے حکم سے وہ تمام اصنام بھی توڑ ڈالے گئے جو مدتوں سے آس پاس نصب تھے۔ پھر آپؐ نماز و ذکر میں مصروف رہے۔ مسجد کے سامنے ہجوم عام جمع تھا اور لوگ اپنی قسمت کا فیصلہ سننے کے لئے مضطرب تھے۔ ان سے آپ نے خطاب فرمایا:

ایک خدا کے سوا، کوئی الٰہ نہیں اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اس نے اپنے بندے کو مدد دی۔ اسی اکیلے نے تمام لشکروں کو شکست دی!

آج تمام کبر و غرور، خون کے تمام دعوے، مال کے تمام مطالبے میرے قدموں کے نیچے ہیں۔ البتہ حرم کعبہ کی تولیت اور حجاج کی آب رسانی کے عہدے اس سے مستثنیٰ ہیں۔

اے قریش! اب خدا نے تمہاری جاہلیت کے غرور اور نسب کے

فخر کو مٹا دیا۔ تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے پیدا کیے گئے۔

پھر قرآن شریف کی آیت پڑھی:

"لوگو! میں نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں قبیلوں اور خاندانوں میں اس لئے تقسیم کیا ہے کہ تم باہم دگر پہنچانے جاؤ۔ لیکن معزز خدا کے نزدیک وہی ہے جو پرہیز گاری میں پیش پیش ہو۔ بلاشک اللہ دانا اور باخبر ہے"۔

پھر ایک قانونی اعلان کیا:

"خدا نے شراب کی خرید فروخت حرام کر دی ہے"۔

پھر حضورؐ نے پوچھا:

"تم کو معلوم ہے کہ میں تم سے کیا سلوک کرنے والا ہوں؟"

ان الفاظ کے کو نجتے ہی ظلم اور مکر اور تشدد اور خون خواری کی وہ ساری گندی تاریخ قریش کی نگاہوں کے سامنے سے ایک فلم کی

طرح گزر گئی ہوگی جسے انہوں نے بیس اکیس برس میں تیار کیا تھا۔ ان کے ضمیر پھٹ جانے کو ہوں گے۔ بے بسی اور ندامت کے عالم میں وہ لوگ پکار اٹھے "اخ کریم و ابن اخ کریم" تو شریف بھائی ہے۔ اور ایک شریف بھائی کا بیٹا ہے" جواباً آواز آئی۔ "لا تثریب علیکم الیوم اذھبوا فانتم الطلقاء" تم پر آج کچھ گرفت نہیں۔ جاؤ تم سب آزاد ہو۔

کیا قریش کی تاریخ ظلم و جنگ کو سامنے رکھتے ہوئے کوئی شخص بھی اس جواب کی توقع کر سکتا ہے مگر جو کوئی بھی اس رحمت علم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کریمی کو سمجھتا ہو وہ حضورؐ سے اسی جواب کی امید باندھے گا۔ کوئی اور ہوتا تو آج اکڑ کر مکے میں داخل ہوا ہوتا۔ ایک ایک واقعہ کا انتقام لیتا۔ چن چن کے ان افراد کو تلوار کا لقمہ بناتا جنہوں نے ذرا بھی کوئی زیادتی کی ہوتی۔ مفتوح شہر میں قتل عام کرا دیتا۔ لوگوں کے مال اور عورتوں کی عصمتیں نیلام پر چڑھ گئی ہوتیں لیکن فاتح چوں کہ محسنؐ

انسانیت تھا اس لئے اس نے زمین پر قبضہ حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ انسانوں کو فتح کرنا چاہا اور جسموں پر قابو پانے سے بڑھ کر دلوں کو ہاتھ میں لینے کی کوشش کی یہاں تک کہ مہاجرین سے کہا کہ وہ اپنے اپنے مکانوں اور املاک سے دست بردار ہو جائیں۔ شان لطف و احسان کا اس سے بڑا مظاہرہ کیا ہوگا کہ کعبہ کی کنجی قیامت تک کے لئے ان ہی عثمان بن طلحہ کو تفویض فرمائی جن سے ایک بار در کعبہ کھلوانے کی خواہش حضور نے دعوت کے ابتدائی دور میں کی تو انہوں نے سختی سے انکار کر دیا تھا۔ اس موقع پر آپؐ نے مستقبل پر نگاہ جماتے ہوئے عثمان سے فرمایا۔ ''ایک دن آئے گا کہ یہ کنجی میرے اختیار میں ہوگی اور میں جسے چاہوں گا تفویض کروں گا''۔ عثمان کی نگاہ اتنی دور رس کیسے ہوتی۔ اس نے کہا ''شاید اس روز تمام افراد قریش ہلاک ہو چکے ہوں گے''۔ فرمایا۔ ''نہیں! وہ تو قریش کی سچی عزت کا دن ہوگا''۔ اس مکالمہ کو ذہن میں تازہ کر لیجئے تو تصور

یہی کہتا ہے کہ حضورؐ کے علاوہ دوسرا کوئی بھی ہوتا تو اپنا اختیار رکھانے کے لئے لازماً کنجی عثمان سے لے کر کسی اور کو دے دیتا۔ لیکن حضورؐ کلید کعبہ حاصل کرنے کے لئے بنی ہاشم کی طرف سے حضرت علی جیسے جگری عزیز تک کی درخواست سے صرف نظر کر لیتے ہیں اور کلید کعبہ ہمیشہ کے لئے سابق ہاتھوں میں رہنے دیتے ہیں۔ حضورؐ نے کنجی دیتے ہوئے جب عثمان بن طلحہ کو برسوں پہلے کی وہبات بطور لطیفہ یاد دلائی تو وہ پکار اٹھے کہ ''بے شک آپؐ خدا کے رسول ہیں''۔ آپؐ نے فرمایا۔ ''کہ آج کا دن نیکی اور وفا کا دن ہے''۔

اس کے بعد حضورؐ کے حکم سے حضرت بلالؓ نے کعبہ پر چڑھ کر اذان دی۔ یہ اذان گویا اسلامی انقلاب کی کامیابی کا اعلان تھا۔ وہی کعبہ جہاں خدا کے بندوں کے لئے خدا کا نام پکارنا جرم بن گیا تھا اور اسے روکنے کے لئے کتنی ہی سختیاں حضورؐ اور حضورؐ کے ساتھیوں نے جھیلیں۔ آج اس کی بلندیوں پر سے

بآواز بلند اللہ کی بڑائی پکاری جارہی تھی اور کوئی قوت نہ تھی جو مزاحم ہو سکے۔ اس لمحے ابوسفیان بن حرب، عتاب بن اسید اور حارث بن ہشام جیسے اکابر کعبہ کے متصل ایک کوٹے میں بیٹھے اپنی ہری ہوئی بازی کا تصور کر رہے تھے عتاب نے جلے ہوئے دل سے کہا کہ اچھا ہوا خدا نے اسید کو اس آواز کے سننے کے لئے زندہ نہ دکھا۔ حضورؐ ان لوگوں کے پاس جا پہنچے اور جو باتیں انہوں نے کی تھیں ان کے سامنے دہرا دیں۔ یہ لوگ شرمندہ ہوئے۔

پھر حضورؐ نے ام ہانی کے مکان پر غسل کر کے آٹھ رکعت نماز بطور شکرانہ فتح پڑھی۔

فتح کے دوسرے روز کوہ صفا پر سے حضورؐ نے دوسرا خطاب عام فرمایا۔ پہلے خدا کی حمد وثناء کی اور پھر مختصر کلمات میں حرم کی حرمت کو بیان کیا اور اسے ہمیشہ کے لئے قائم کر دیا اور

اس کے احکام بیان کئے واضح رہے کہ مکہ کی حرمت کو اتنی بڑی انقلابی فتح کے لئے صرف ایک دن (بلکہ پورا دن بھی نہیں) مجبوراً کھولا۔ کیونکہ آپؐ کی مرضی کے خلاف مکہ کے چند سر پھرے اوباشوں نے مسلم سپاہ کے خلاف پیش دستی کر کے اسے مجبور کر دیا کہ وہ ان کا قلع قمع کرنے کے لئے قوت سے کام لے لیکن جوں ہی یہ مجبوری ختم ہوئی۔ حضورؐ نے دوسرے ہی روز حرم کی حرمت کو ہمیشہ کے لئے بحال کرنے کا اعلان فرمایا۔

یوں تو عام معافی کا اعلان کر دیا گیا اور اس اعلان نے دلوں کو ایسا مسخر کیا کہ کسی میں تاب مقاومت نہ رہی لیکن مجرمین خاص کے بارے میں نام لے کر آپؐ نے فرما دیا کہ یہ لوگ جہاں بھی پائے جائیں قتل کر دیئے جائیں۔ واضح رہے کہ مکہ پر قبضہ کرنے اور اسے زیر نظم لانے کے لئے چند روز مارشل لاء (زیر جنگ علاقے میں عام شہری نظام کے مکمل قیام سے قبل اسلامی قانون کی رو سے بہر حال فوجی قوت کے ہاتھوں کسی قدر

کڑ اعبوری نظام قائم کیا جاتا ہے اور اس نظام میں بعض احکام و ضوابط معمول کے شہری نظام سے مختلف نوعیت رکھتے ہیں میرا خیال ہے کہ جدید اصطلاح میں اس کو فوجی تسلط (مارشل لاء) کہا جاتا ہے مارشل لاء اسلام کی رو سے علی الخصوص اور ہر مہذب حکمت کے تحت علی العموم زیر جنگ علاقے میں ناگزیر حد تک مختصر سے عبوری دور کے لئے نافذ ہوتا ہے اور وہ بھی مفتوح دشمنوں پر مارشل لاء کے نام سے ہمارے اس دور میں کسی ملک کی فوج کا اپنے ہی ملک کے باشندوں کو شہری نظام سے محروم کر کے لمبے غیر معین عرصے کے لئے اپنے تسلط میں لے لینا بالکل دوسری صورت ہے اور متن میں یہ اصطلاع اس نئے مفہوم کے ساتھ استعمال نہیں کی گئی اسلام میں حکومت کا ایسا کوئی تصور نہیں پایا جاتا۔) نافذ رہا ہے یعنی تمام اختیارات فوجی کمان کے ہاتھ میں تھے اور حضورؐ نے بہ حیثیت سپہ سالار افواج ہی یہ حکم جاری کیا تھا جس کی نوعیت ویسی ہی ہے۔ جیسی کہ آج ''دیکھتے

ی کولی ماردو" (Shoot at sight) کی ہوتی ہے۔ اس فہرست مجرمین میں چند مردوں اور چند عورتوں کے نام شامل تھے۔لیکن حضورؐ کے عفو وحلم نے ان میں سے بھی کثر کی جان بخشی کردی۔ زیادہ سے زیادہ چار مجرمین کو سزائے موت دی گئی۔ ایک تحقیقی رائے یہ بھی ہے کہ صرف ایک شخص عبداللہ ی ابن حنظل کو ہلاک کیا گیا۔ یہ شخص مسلمان ہوا وصولی صدقات کے لئے ایک اور مسلم ساتھی کی معیت میں اسے بھیجا گیا۔سفر ی میں نزاع ہوئی اور مسلم ساتھی کی قتل کر کے نیز صدقہ کے مویشیوں کو بھی ساتھ لے کر بھاگ آیا، دوہرے بھاری بھاری فوجداری جرائم اس کے ذمہ تھے۔

صفوان بن امیہ اسلامی تحریک کے کٹر مخالفوں میں تھے بھاگ کر یمن جاتے ہوئے جدہ پہنچے تھے کہ عمیر بن وہب جمحی حضورؐ سے معافی کی منظوری لے کر جدہ سے واپس لائے۔بعد میں اسلام اختیار کیا۔

عکرمہ بن ابوجہل بھی یمن بھاگ گئے تھے۔ ان کی زوجہ ام حکیم بنت الحارث (ابوجہل کی بھتیجی) خود مسلمان ہوئیں اور اپنے شوہر کے لئے حضورؐ سے معافی کی منظوری لی۔ خود جا کر لائیں۔ عکرمہ کو جب معافی کی خوشخبری ملی تو انہیں سخت تعجب ہوا کہ ان جیسے مخالف کو بھی محمدؐ نے معاف کر دیا۔ حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح مسلمان تھے اور ان کو کتابت وحی کا موقع بھی ملا تھا۔ مگر منحرف ہو کر مخالف محاذ سے تعاون کرنے لگے۔ یہاں تک کہ استخفاف کے لئے انہوں نے یہ بھی کہا کہ وحی تو دراصل مجھ پر آتی تھی۔ محمدؐ تو مجھ سے سن کر لکھا لیتے تھے۔ جرم سخت تھا۔ لیکن حضرت عثمان کی طرف سے باصرار سفارش ہونے پر حضورؐ نے بہ حیثیت حاکم اعلیٰ ان کو معافی دیدی۔ معافی کے بعد پھر یہ مسلمان رہے۔

مقیس بن صبابہ (یا صبابۃ) منافقانہ طور پر اسلامی جماعت میں شریک ہوا اور دھوکے سے ایک انصاری کو قتل

کر کے بھاگ آیا تھا۔ اس اقدام کا محرک یہ ہوا کہ مقیس کا بھائی غلطی سے اس انصاری کے ہاتھوں مارا گیا۔ حضورؐ نے اس کی دیت دلوادی۔ اس کے باوجود اس نے انصاری کو قتل کیا۔ ارتداد اور فریب دہی کے علاوہ تنہا یہ ارتکاب قتل ہی سزائے موت کے لئے کافی وجہ جواز تھا۔

ہبار بن الاسود وہ شخص ہے جس نے دوسری مخالفانہ حرکات کے علاوہ حضرت زینب پر ہجرت کے وقت حملہ کر کے اتنی اذیت دی تھی کہ ان کا عمل ساقط ہوگیا۔ پہلے چھپا رہا۔ پھر خود ہی پیش ہوکر عاجزی سے اعتراف قصور کیا اور رسول اللہ کی خدمت میں سخت شرمندگی کا اظہار کیا۔ ساتھ ہی کلمۂ اسلام کی قبولیت کا اعلان کیا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ ''میں نے ہبار کو معاف کر دیا''۔

حضرت حمزہ کا قاتل اسم بامسمّٰی وحشی سامنے آیا اور

اسلام قبول کیا۔ حضورؐ نے اس سے حضرت حمزہ کے قتل کا حال سنا۔ اس کا جرم بھی معاف کیا اور اسے مشورہ دیا کہ تم میرے سامنے نہ آیا کرو کہ اس سے زخم تازہ ہوتے ہیں۔ یہ شخص اسلام لا کر بھی فسق و فجور خصوصاً شراب نوشی سے نجات نہ پا سکا۔

عبداللہ بن زبعر مشہور جاہل شاعر جس نے شعر کی قوت کو اسلام کے خلاف اشتعال پھیلانے میں استعمال کیا تھا، پیش ہوا اور اسلام لایا۔ معافی دے دی گئی۔

کعب بن زہیر نے بھی اسلامی تحریک اور اس کے داعی کے خلاف ہجویہ شاعری کا محاذ گرم کر رکھا تھا۔ ۹ ہجری میں اپنے بھائی کے ساتھ حاضر ہوا۔ اسلام قبول کیا اور تلافی کے سچے جذبے سے قصیدہ بانت سعاد پیش کیا۔ حضورؐ نے معافی دی اور اپنی چادر انعام میں عطا فرمائی۔

قیام مکہ ہی کے زمانے میں ایک بار حضورؐ خانہ کعبہ کا

طواف کر رہے تھے کہ فضالہ بن عمیر چھپ کر ارادہ قتل سے آیا۔ حضورؐ خود ہی پاس جا پہنچے اور اس کے دل کی بات بتا دی۔ فضالہ اس گرفت پر شرمسار ہوا۔ آپؐ نے استغفار کے لئے کہا اور اس کے سینے پر ہاتھ پھیرا۔ معاً اس کے دل کی دنیا بدل گئی۔ ارادۂ قتل کے مجرم سے یہ سلوک اور کس سے متوقع ہو سکتا ہے۔

عورتوں میں سب سے بڑی مجرمہ ہند و بنت عتبہ تھی۔ جس نے سرگرمی سے مخالفین کی تھیں اور حضرت حمزہ کا مثلہ کیا تھا بلکہ ان کا کلیجہ چبا گئی تھی۔ شہرہ چھپانے کے لئے نقاب پہن کر حاضر خدمت ہوئی۔ حالات سے مجبور ہو کر یہ اسلام قبول کرنے آئی۔ لیکن اس لمحہ بھی ڈھٹائی سے عجیب عجیب ٹیڑھی باتیں حضورؐ سے کیں۔ مکالمہ یوں ہوا:

ہند: اے خدا کے رسولؐ! آپؐ ہم سے کن باتوں کا اقرار لیتے ہیں؟

رسولؐ اللہ: خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔

ہند: یہ اقرار آپؐ نے مردوں سے تو نہیں لیا۔ مگر خیر ہمیں یہ بھی منظور ہے۔

رسولؐ اللہ: چوری نہ کرو۔

ہند: میں اپنے شوہر ابوسفیان کے مال میں سے دو چار درہم کبھی کبھار نکال لیتی ہوں۔ معلوم نہیں کہ یہ بھی جائز ہے کہ ناجائز؟

رسولؐ اللہ: اولادوں کو قتل نہ کرو۔

ہند: ہم نے تو چھٹپن میں ان کو پالا۔ بڑے ہوئے تو (جنگ بدر میں) آپؐ نے ہی ان کو قتل کر دیا۔ اب آپ جانیں اور وہ!

جیسا کچھ قبول اسلام یہ تھا، ظاہر ہے۔ پھر یہ گستاخانہ

انداز کلام۔ کوئی بھی دوسرا ہوتا تو اسے گوارا نہ کرتا۔ حضورؐ کا بے پایاں حلم تھا جس سے ناجائز فائدہ اٹھایا جا رہا تھا۔

قرتنا ابن خطل کی لونڈی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہجویں گایا کرتی تھی۔ فتح کے وقت بھاگ گئی۔ بعد میں تائب ہوئی اور اسلام میں داخل ہوئی۔

ایک عورت بسلسلۂ قصاص قتل ہوگئی۔

چند مردوں اور عورتوں کے متعلق احادیث اور کتب سیرت کی روایات میں خاصا اختلاف ہے۔ لیکن قطعیت سے ان میں سے کسی کا سزائے موت پانا ثابت نہیں کیا جا سکتا۔

ایسے کٹر دشمنوں کے لئے ایسے عفو عام کی مثال اس درجہ کی فتح کاملہ حاصل کرنے کے بعد کسی اور کی زندگی سے تاریخ پیش نہیں کر سکتی۔

سرزمین مکہ کی فتح سے بڑھ کر عظیم فتح یہ تھی کہ حضورؐ مقام

Source: www.prophetmuhammadforall.org

صفا کی بلندی پر بیٹھے تھے اور لوگ جوق در جوق آ کر اسلام قبول کر رہے تھے ان سے توحید و رسالت کے اقرار کے ساتھ خصوصی طور پر بعض رائج الوقت خرابیوں سے اجتناب کا عہد بھی لیا جاتا۔ بیعت کے اجزاء یہ تھے:۔

..... میں خدا کے ساتھ کسی کو بھی اس کی ذات اور اس کی صفات اور عبادت و استعانت کے استحقاق میں شریک نہ کروں گا۔

..... چوری نہ کروں گا۔ زنا نہ کروں گا۔ خون ناحق نہ کروں گا۔ لڑکیوں کو ہلاک نہ کروں گا، کسی پر بہتان نہ لگاؤں گا۔

..... معروف کے دائرے میں حسب استطاعت خدا کے رسول کی اطاعت کروں گا۔ پندرہ روز یا کم و بیش قیام رکھنے کے بعد جب مکہ سے حضورؐ روانہ ہوئے تو اصل تعمیری کام کے

لئے حضرت معاذ بن جبل کو مامور کیا کہ وہ لوگوں کو اسلامی نظام حیات، اسلامی عقائد، اسلامی اخلاق اور اسلامی قانون اور اسلامی ثقافت کی تعلیم دیں۔ اسلامی عدلیہ کا نظام آپؐ کے اپنے ہاتھوں حد جاری کرنے کے اس مشہور واقعہ سے ہوا جس میں فاطمہ بنت ابی الاسد کو چوری کے جرم میں بڑے سفارشی دباؤ کو مسترد کر کے قطع ید کی سزاء دی گئی حنین و طائف سے فارغ ہونے کے بعد مکہ آکر حضورؐ نے عتاب بن اسید کو نائب حاکم مقرر کیا اور ایک درہم یومیہ کا معاوضہ ان کے لئے طئے کر دیا۔

چند اہم اشارات

(۱) فتح مکہ تحریک اسلامی کی تاریخ کا عظیم واقعہ ہے۔ اب گویا نظام حق کے راستے سے سب سے بڑی مزاحم طاقت ہٹ گئی تھی عرب کی دیرینہ جاہلی قیادت کا یہ مرکز تھا اور اس قیادت کا ہدم جب تک نہ ہوجاتا اور لوگوں کی ذہنی وابستگی کا

قدیمی محور جب تک جگہ سے ٹل نہ جاتا ممکن ہی نہ تھا کہ اسلامی انقلاب کی روپوری رفتار سے آگے بڑھ سکتی جب جاہلی قیادت کا علم سرنگوں ہوگیا تو پھر نظام جاہلی کا برقرار رہنا اور جاہلیت کے گرد عوام کا سمٹے رہنا ممکن نہ رہا۔

عوام الناس کی بہت سی پیچیدگیاں فتح مکہ نے ختم کردیں۔ بہت سے قبائل اسلام کی طرف بڑھنے سے اس لئے معذور تھے کہ قریش کے ساتھ یا تو ان کے حلیفانہ تعلقات تھے یا معاشی طور پر وہ ان کے دست نگر اور مقروض تھے، یا ان کی سماجی برتری سے مرعوب اور مذہبی لحاظ سے ان کی پروہتی سے مسحور تھے۔ قریش کی عظمت کا بت جب ٹوٹ گیا تو ان کے راستے صاف ہوگئے۔

بہت سے عوامی حلقوں میں سے یہ اعتقاد پھیلا ہوا تھا کہ مکہ میں صرف وہی غالب رہ سکتا ہے جسے خدا کی تائید حاصل

ہو اور جو طاقت حق پر نہ ہو۔ اسے مکہ میں فروغ حاصل نہیں ہوسکتا۔ اس طرح کا اعتقاد ابرہہ کے حملہ کے بعد سے بہت قوی ہوگیا اور لوگ یہ سمجھتے تھے کہ قریش مقبول الٰہی ہیں چنانچہ لوگ کہا کرتے تھے کہ اترکوہ وقومہ فانہ ان ظھر علیھم فھو نبی صادق۔ (اسے اپنی قوم سے نمٹ لینے دو۔ اگر اس نے قوم کو زیر کرلیا تو وہ نبی صادق ہے) اس اعتقاد کے مطابق ہی اب رائے عام کا مرجع اسلام تحریک بن گئی نہ صرف مکہ کے لوگوں نے بلکہ آس پاس کے قبائل کے وفود نے خود آ آ کر خوشی خوشی اپنے آپ کو اسلام کی تحریک کا خادم اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت کا پیرو بنالیا۔

اب دعوتی اور تعلیمی کام کے لئے میدان بالکل صاف ہوگیا اور ایک ایک مسلمان کے لئے ہر طرف موقع نکل آیا کہ وہ تحریک حق کا پیغام عوام تک پہنچائے کوئی اب رکاوٹ ڈالنے والا نہیں تھا۔

(۲) مکہ کو حضورؐ جب مہم لے کر چلے تو شروع ہی سے ایسی تدابیر اختیار کیں کہ خونریزی نہ ہونے پائے اپنے ارادہ کو اخفا میں رکھ کر سفر کیا اور قریش کو کسی تیاری اور آس پاس سے کوئی مدد حاصل کرنے کا موقع دیئے بغیر مکہ کے دروازے پر یکا یک جا پہنچے اس طرح مخالف طاقت جو پہلے ہی حد درجہ کمزور ہو چکی تھی بالکل مبہوت رہ گئی پھر ابوسفیان جس کی ذہنی شکست کا آغاز بہت قبل ہو چکا تھا اسے مناسب تدابیر سے بالکل مرعوب کر دیا گیا۔ ابوسفیان کے جھک جانے کی وجہ سے کوئی موقع نہ رہا کہ اہل مکہ مزاحمت کریں یہی مقصد تھا جس کے تحت آپؐ نے ایک فوجی افسر کو محض ایک سخت فقرہ لگانے کی بابت پرچم دستے کی کمان سے الگ کر دیا اور اہل مکہ کو اطمینان دلایا کہ آج کا دن کعبہ کی حرمت کا دن ہے۔

(۳) حضورؐ نے تحریک کے کٹر دشمنوں اور خود اپنی ذات پر اور اپنے محبوب ساتھیوں پر کئی سال تک مظالم ڈھانے والوں،

تمسخر کرنے والوں، غلاظت پھینکنے والوں، راستے میں کانٹے ڈالنے والوں، قید کرنے والوں، قتل کی سازش کرنے والوں، وطن سے نکالنے والوں، پھر تلوار لے کر میدان جنگ میں اترنے والوں کے گندے اور سنگین جرائم بالکل بھلا دیئے اور عام معافی کا اعلان کر دیا۔ سختی کے بجائے نرم پالیسی کا مدعا ہر تھا۔ حضورؐ ایک دنیوی فاتح نہ تھے کہ جبر وقوت سے کچھ لوگوں کو محکوم بنالیتا اور ڈنڈے کے زور سے ڈرا دھمکا کر ان کو اپنے احکام کا پابند بنالینا کافی ہوتا۔ آپؐ ایک دعوت، ایک مشن، ایک اخلاقی تحریک، اور ایک پاکیزہ نظام کے علمبردار تھے۔ آپؐ کے مقصد کے لئے ایسے مفتوحین بیکار تھے۔ جنہیں مارے باندھے اطاعت میں لیا گیا ہو۔ آپ کو دلوں کی تبدیلی درکار تھی، دلوں کی تبدیلی ہمیشہ نرمی اور احسان اور عفو کی صورت میں ہو سکتی ہے۔ آپ کا مدعا جب ہی پورا ہو سکتا تھا کہ اہل مکہ شرمسار اور نادم ہو کر نیا دور شروع کریں۔ ایک نظریہ حق اور تعمیری نصب العین

رکھنے والی ہستی کے لئے کوئی دوسری فاتحانہ پالیسی قابل عمل نہ تھی۔

محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ اس حقیقت نفس الامری پر بھی تھی کہ قریش بہر حال عربوں میں قیادت کرنے کے لئے موزوں ترین تجربہ کار عنصر ہیں، یہ قبائل عرب کے اوراق پریشان کی شیرازہ بندی کے لئے ایک ایسا مضبوط بندھن ہیں کہ اگر ان کو ضائع کر دیا جائے تو آسانی سے کوئی دوسرا بدل فراہم نہیں کیا جا سکتا اصولاً یہ اسلامی نظریہ برحق اور واجب القبول کی امامت وقیادت کا مستحق وہ جو ایمان وتقویٰ میں پیش پیش ہو، مگر ایمان وتقویٰ کے ساتھ قیادت کی ذہنی وعملی صلاحیتوں کا ہونا تو ایک کھلی ہوئی عقلی ضرورت ہے اس کام کے لئے اثر ورسوخ چاہئے۔ حکمرانی اور کمانڈ کا تجربہ چاہئے۔ تدبیر ومصلحت کا شعور چاہئے۔ زبان اور دوسری قوتوں سے کام لینے کی مہارت چاہئے۔ نفسیات عامہ کا عرفان چاہئے پھر سب سے بڑھ کر یہ

کہ قیادت کرنے والے افراد یا عناصر کامیاب بھی ہو سکتے ہیں کہ ان کی برتری عوام میں پہلے سے مسلم ہو اور رائے عامہ کی سرزمین میں ان کی جڑیں گہری ہوں۔ کسی قیادت کا درخت ہوا میں نصب نہیں ہو سکتا قریش کی قیادت کی صلاحیتیں جاہلیت کے تابع تھیں تو اسلام کی نگاہ میں مسترد تھیں لیکن اب اگر وہ اسلام کے تحت آکر ایمان وتقویٰ کا جوہر حاصل کر سکتی تھیں تو اب وہ ایک متاع گراں اسلامی تحریک کو لیڈر اور کارفرما افراد قریش سے مل سکیں۔ جبر سے کچلے ہوئے اور ذلیل شدہ قریش اس ضرورت کو پورا نہ کر سکتے تھے۔

(۴) کسی بھی دنیوی سیاست کے علمبردار سے آپ اس شان خدا پرستی کی توقع نہیں کر سکتے جس کا نمونہ حضورؐ نے پیش فرمایا۔ فاتحانہ داخلہ ہوتا ہے، تو کوئی طبل ونمامہ نہیں، کوئی فخر و مباہات نہیں۔ کوئی دعویٰ نہیں بلکہ الثافاد خلوا الباب سجداً کی تعمیل میں سر تسلیم بارگاہ الٰہی میں خم ہو جاتا ہے۔ خدا کی حمد کے

تر انے زبان سے جاری ہوتے ہیں۔نعرہ بھی زبان پر آتا ہے تو اللہ کی بڑائی کا آتا ہے۔اذانیں اور نمازیں اور دعائیں مکہ کی فضاء کو نور سے بھر دیتی ہیں اپنا کوئی مفاد حاصل نہیں کیا جاتا بلکہ اپنے اور مہاجرین کے املاک جو قریش نے ظالمانہ طور پر ہتھیا لئے تھے وہ بھی ان ہی کی تحویل میں رہنے دیئے جاتے ہیں۔نبیؐ اکرم کے بعض غیر منصف شعار ناقدین جنہوں نے حضورؐ کی اسلامی تحریک کے خدا پرستانہ رنگ کو محض مصلحت کا مظہر قرار دیا ہے۔بلکہ بعض نے تو کھلم کھلا اسے (نعوذ باللہ) ایک ڈھونگ ثابت کرنا چاہا ہے۔انہوں نے کبھی غور ہی نہیں کیا کہ ڈھونگ رچانے والوں کو جب بھرپور کامیابی حاصل ہوجاتی ہے تو پھر سارا پول کھل جاتا ہے اور مصلحت کا کچا رنگ اڑ جاتا ہے۔خدا نخواستہ یہ کوئی سیاسی سوانگ ہوتا تو فتح مکہ نے وہ موقع پیدا کر دیا تھا جب کہ اصل حقیقت کھل جاتی وار خدا کی بڑائی پکارنے والے اس دن اپنی بڑائی کا اعلان کرتے دکھائی دیتے۔مگر وہاں

حال یہ تھا کہ حضورؐ اپنے خطبۂ فتح میں کامیابی کا سارا کریڈٹ خدائے تعالیٰ کو دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس نے اپنے بندے کی مدد کی۔

(۵) حضورؐ نے فتح مکہ کے موقع پر نہ صرف سیاسی جرائم معاف فرما دیئے۔ بلکہ بعض افراد کے ایسے قانونی جرائم جن پر قصاص لیا جانا چاہئے تھے۔ ان کی بھی معافی دے دی۔ ان نظائر کو پیش نظر رکھ کر قانونی نقطہ نظر سے دور حاضر کے حالات میں یہ سوچا جانا چاہئے کہ اسلام نظام میں صدر حکومت سزاؤں میں معافی یا تخفیف کا اختیار کہاں تک پا سکتا ہے۔

فتح مکہ کی تکمیل

فتح مکہ صحیح معنوں میں فتح نہ ہوتی اور ہوتی تو اسے قائم رکھنا مشکل ہو جاتا اگر مکہ کے اردگرد قریش کے دیرینہ حمایتیوں اور تقریباً مساویانہ شان رکھنے والے مضبوط قبیلوں کے گڑھ بھی

مفتوح نہ ہوجاتے مکہ کی جاہلی قیادت جہاں بجائے خود ایک وزن رکھتی تھی، وہاں اس کی مضبوطی میں بنو ہوازن، اہل طائف اور بنو ثقیف کا بھی بڑا حصہ تھا۔ یہ گویا ایک ہی تنے کی شاخیں تھیں عرب کے مقابلے میں مکہ کے یہ ملحقہ قبائل بھی قائدانہ مرتبہ رکھتے تھے۔ اگرچہ قریش کے سامنے یہ مرتبہ ثانوی نوعیت کا تھا۔ مکہ کے ساتھ ان کا حلیفانہ سیاسی تعلقات بھی قدیم تھے ان میں معاشی رابطہ بھی گہرا تھا جنگی ضرورتوں میں بھی یہ اکثر ایک دوسرے کے ساتھی تھے اور کلچر کے اعتبار سے بھی یہ بالائی طبقہ کے لوگ تھے فتح مکہ اگر خون ریزی کے بغیر ہوئی تو بالکل معجزانہ طور پر ہوئی ورنہ ہونی بات یہ تھی کہ بنو ہوازن اور بنی ثقیف اور اہل طائف سب کے سب متحدہ قوت سے قریش کی قیادت کا بچاؤ کرتے۔ اس صورت میں یہ معرکہ ایک انتہائی سنگین معرکہ ہوگا۔ مگر نبی اکرمؐ کی تدابیر ایسی ماہرانہ تھیں کہ اہل مکہ کو اردگرد سے کوئی تعاون حاصل نہ ہوسکا اور وہ اکیلے زد پر

آ گئے۔

قبیلہ ہوازن کے لیڈر پہلے سے اندازہ رکھتے تھے کہ کیا پیش آنے والا ہے۔ بدر سے جس آویزش کی ابتداء ہوئی تھی، اس کی تکمیل کا باب ابھی سامنے آنا باقی تھا۔ پھر قریش کی طرف سے معاہدہ حدیبیہ کے خاتمے اور حضورؐ کی طرف سے شرائط لانے والے قاصد کا مکہ سے لوٹایا جانا اور پھر ابوسفیان کا تجدید معاہدہ میں ناکام رہنا ..... یہ پورا تسلسل واقعات اچھے آثار نہیں رکھتا تھا۔ چنانچہ قبیلہ ہوازن کے سرداروں نے سال بھر سے قوت کی فراہمی کی مہم شروع کر رکھی تھی اور انہوں نے قبائل میں دورہ کر کے اسلام کے خلاف جذباتی حرکت پیدا کر دی تھی۔ مگر جب وقت آیا تو نبی اکرمؐ کی پُر اسرار نقل و حرکت سے ان کو سخت غلط فہمی ہوئی۔ بنو ہوازن نے سمجھا کہ رخ اس کی طرف ہے۔ انہوں نے اپنے ہی علاقے میں فوجی اجتماع کیا اور جوش و خروش سے تیاریاں ہونے لگیں۔

Source: www.prophetmuhammadforall.org

ادھر واقعات کی روان کے اندازوں کے خلاف کسی اور شکل میں چلی گئی۔ وہ اپنی جگہ بیٹھے رہے۔ اور سقوط مکہ جیسا عظیم تاریخی حادثہ بڑے آرام سے واقع ہوگیا۔ فتح مکہ کا اثر دوسرے قبائل پر تو یہ پڑا کہ ان کے وفود نبی اکرمؐ کی خدمت میں آ آ کر اسلامی تحریک کے سایۂ دامن میں داخل ہوتے گئے۔ لیکن بنو ہوازن اور بنی ثقیف پر فتح مکہ کا اثر الٹا پڑا۔ کیونکہ ایک طرف انہیں اپنی افرادی کثرت، اپنی معاشی طاقت اور اپنی جنگی مہارت پر بڑا بھروسہ تھا اور دوسری طرف اسلامی انقلاب کے ردعمل میں پڑکر مسلسل مخالفانہ اور حریفانہ کارروائیاں کرنے کی وجہ سے وہ اب اپنی شان مزاحمت کی تکمیل پر مجبور تھے انہوں نے آخری معرکہ لڑنے کے لئے اپنی ساری قوت حنین یا اوطاس نامی وادی میں (طائف اور مکہ کے درمیان) سمیٹ لی تھی۔ صرف بنوکعب اور بنوکلاب نے پوری طور علیحدگی اختیار کی تھی۔

سرور عالمؐ کو بنو ہوازن کی ان تیاریوں کا حال معلوم

ہوا۔ آپؐ نے عبداللہ بن ابی حدرد کو بطور جاسوس بھیج کر صدقِ معلومات حاصل کیں۔ اب مقابلہ کے لئے تیاری ہونے لگی۔ جنگی ضروریات کے لئے حضورؐ نے عبداللہ بن ربیعہ سے ۴ ہزار درہم کی رقم قرض لی اور صفوان بن امیہ رئیس مکہ سے اسلحہ جنگ (خصوصاً ۱۰۰ زرہیں) مستعار لئے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کسی غیر معمولی جنگ کی تیاری کے ساتھ نہیں نکلے تھے اور آپؐ کو پہلے ہی سے کسی خونریزی کا خیال نہ تھا۔ موقع پر نئی تیاریوں کی ضرورت پیش آئی۔ کتنا نادر واقعہ ہے کہ ایک فاتح جس نے ملکی طور پر قریش کو زیر کر لیا۔ اور جو ان سے مال اور اسلحہ بالجبر وصول کر سکتا تھا اسے اس مقام عظمت پر ہوتے ہوئے بھی اخلاقی اصولوں کا اتنا پاس تھا کہ جو کچھ لیا قرض اور مستعار لیا۔ اسلامی تحریک کا امتیاز اس کی یہی اخلاقی روح ہے۔

شوال ۸ ہجری میں مسلم فوج بارہ ہزار کی تعداد میں مکہ

سے مارچ کرتی ہے۔ انسان بہرحال انسان ہے حق کے اس سپاہیوں کے دلوں میں کسی نہ کسی نوع سے یہ تاثر ابھرا کہ آج ہم مکہ کے فاتح ہیں۔ ہماری تعداد کثیر ہے، اور ہمارے ساتھ سامان جنگ بافراط ہے۔ ظاہر بات ہے کہ ایسا احساس کمزور کرنے کا ہی موجب ہوتا ہے۔ ان لوگوں کو خیال نہ رہا کہ وہ شہنشاہ حقیقی کے سپاہی ہیں جسے اپنے بندوں کی طرف سے غرور کی ایک رمق بھی گوارا نہیں۔ غرور خدا اور بندوں کے درمیان آہنی حجاب بن جاتا ہے اور تائید الٰہی کی وہ تمنائے بے تاب باقی نہیں رہتی جو کسی بھی اسلامی معرکہ کی جان ہوتی ہے۔ اس تاثر پر چند لمحوں کے لئے ایسی گرفت ہوئی کہ تاریخی یادگار بن گئی اور قرآن نے انسانیت کے لئے اسے درس عبرت بنادیا۔

ہوا یہ کہ مسلم فوج میں اب کی بار مکہ سے ایک نیا عنصر شامل ہوا تھا۔ مقدمتہ الجیش میں خالد کے زیر کمان نو مسلم نوجوان تھے۔ جنہوں نے جوشیلے پن میں پوری طرح مسلح

ہونے سے بھی بے نیازی برتی۔ علاوہ ازیں مکہ کے ۲ ہزار "طلقاء"۔ جو اسلامی حکومت کے مطیع تو ہو چکے تھے۔ لیکن ابھی تک اسلام سے بہرہ مند نہ تھے۔ مخالف فریق کی وجہ فوقیت یہ تھی کہ وہ لوگ فن جنگ کے انتہائی ماہر اور تیر پھینکنے میں عرب بھر میں مانے ہوئے قدر انداز تھے۔ انہوں نے میدان کے بہتر حصے پر قبضہ بھی پہلے جما لیا تھا۔ مناسب مورچے سنبھال رکھے تھے اور ٹیلوں اور گھاٹیوں اور غاروں میں تیر اندازوں کے دستے چھپا رکھے تھے۔

پہلے ہی حملہ میں جب اچانک ہر طرف سے تیروں کا مینھ برسا تو مقدمتہ الجیش بکھر گیا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ گھبراہٹ میں مسلم فوج کے تمام دستے منتشر ہونے لگے۔ ایک وقت آیا کہ حضورؐ اپنی جگہ پر تن تنہا کھڑے رہ گئے۔ یہ لمحہ ان لمحوں میں سے ایک ہے جن کی نزاکت نے حضورؐ کی عزیمت و یا مردی اور یقین و اعتماد کی شہادت بہم پہنچائی۔ آپ نے ہمت سے

Source: www.prophetmuhammadforall.org

ساتھیوں کو پکارا اور سواری سے اتر کر جلال بھرے انداز میں فرمایا :

انا النبی لا کذب انا ابن عبدالمطلب

حضرت عباسؓ نے قریب ہی سے صدا بلند کی یـــا معشر الانصار! یا اصحاب الشجرہ !!.....اتنا سننا تھا کہ ہر طرف سے مسلمان لپکے اور اپنے مرکز استقامت کے گرد جمع ہو گئے۔ پھر جو لڑے تو آناً فاناً رنگ بدل گیا۔ دشمن کے ستر آدمی مارے گئے اور جب ان کا علمبردار ہلاک ہو گیا تو ان کے قدم اکھڑ گئے۔ شکست خوردہ فوج کا ایک حصہ قلعہ اوطاس میں جا چھپا۔ ابو عامر اشعری مختصر سا دستہ لے کے گئے دشمن کئی ہزار کی تعداد میں تھا۔ ابو عامر اشعری خود شہید ہو گئے۔ لیکن اسلامی دستہ نے بازی جیت لی۔

طائف بڑا ہی محفوظ مقام تھا۔ کیونکہ اس کے گرد فصیل

موجود تھی۔ اس فصیل کی مرمت کی جا چکی تھی اور سال بھر کا سامان رسد پہلے سے جمع تھا۔ اسلحہ وافر تھا۔ حضورؐ کا اصل ہدف یہی مرکزی مقام تھا۔ لیکن ترتیب ایسی اختیار کی کہ ہوازن کی مدد سے اہل طائف کو پہلے مرعوب کر دیا۔ البتہ شکست خوردہ لوگ یہاں آ گئے تھے۔ راستہ میں لیمانی گڑھی بھی گرا دی۔ طائف پر حملہ ایسے رخ سے کیا گیا۔ جدھر سے نفیس پوری فوج لے کے پہنچے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ قلعہ شکنی کے لئے مسلم فوج نے منجنیق اور دبابے استعمال کئے۔ حضورؐ نے کچھ آدمی جرش نامی مقام پر قلعہ شکن بھاری آلات سے متعلق تربیت حاصل کرنے کے لئے بھجوائے تھے۔ جرش ان آلات کی صنعت کا مرکز تھا (اور غالباً یہودی اس صنعت پر قابض تھے) لیکن اندر سے سپاہ پر طوفانی ناوک اندازی کے ساتھ ساتھ قلعہ شکن آلات کو نقصان پہنچانے کے لئے گرم آہنی سلاخیں بھی برسائی گئیں۔ مسلم سپاہی بکثرت زخمی ہوئے اور فوج کو پیچھے ہٹنا پڑا۔

حضورؐ نے نوفل بن معاویہ سے خصوصی مشورہ طلب کیا۔ اس نے یہ دلچسپ جواب دیا کہ لومڑی بھٹ میں گھس گئی ہے۔ کوشش جاری رکھیں تو قابو میں آ کے رہے گی اور اگر اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں تو کوئی بڑا اندیشہ بھی نہیں ہے۔ اس صائب مشورے کی روشنی میں حضورؐ نے سوچا کہ طائف اسلام کے زیر نگیں آئے ہوئے عرب کے درمیان ایک جزیرۂ اختلاف بن کر تو رہ نہیں سکتا۔ اسے اگر اس وقت مسخر کیا گیا تو دو طرفہ نقصان ہوگا۔ اور اگر چھوڑ دیا گیا تو حالات اہل طائف کے اندر رضا کارانہ جذبۂ اطاعت ابھار دیں گے۔ بلکہ دلوں کے دروازے اسلام کے انقلابی نظریے کے لئے کھل جائیں گے۔ چنانچہ آپؐ نے دین کی مصلحت اور اہل طائف کی فلاح کو ملحوظ رکھ کر محاصرہ اٹھالیا۔ یہ ایک واضح ترین ثبوت ہے کہ حضورؐ خونریزی سے بچنے کی کتنی فکر رکھتے تھے۔

ساتھیوں نے کہا کہ آپؐ ان لوگوں کے لئے بدعا

کیجئے۔ مگر آپؐ نے یہ دعا کی کہ "اللھم اھد ثقیفا وائت بھم" (اے اللہ تو ثقیف کو راستی کی ہدایت دے اور ان کو ہمارے ساتھ ملا دے) یہ دعا اس طائف کے باشندوں کے لئے کی جارہی تھی جس نے پتھر مار مار کر ایک دن حضورؐ کے خون سے اپنی گلیوں کی مٹی کو لالہ زار کیا تھا۔ یہ دعا بھی اسی رحمت بھرے ذہن کی ترجمان ہے جس نے قوت سے جہاں بھی کام لیا چارونا چار لیا۔ مگر جس نے عفو اور احسان کے دریا بہانے میں کہیں بھی کوتاہی نہیں کی۔

جعرانہ میں بے شمار مال غنیمت .....۲۴ ہزار اونٹ، ۴۰ ہزار بکریاں، ۴ ہزار اوقیہ چاندی جمع تھا۔ اس میں قرآنی قانون کے مطابق پانچواں حصہ معاشرہ کے حاجت مند طبقوں اور اجتماعی ضرورتوں کے لئے بیت المال میں لیا گیا۔ اور بقیہ فوج میں تقسیم کر دیا گیا۔ علاوہ اس بات کے کہ یہ صورت حریف کی مالی اور جنگی قوت کو گھٹانے کا ذریعہ تھی۔ قرن ہا قرن سے یکجا مٹی

ہوئی دولت کی بخ بستہ ندی کو پہلی بار کھلے بہاؤ کا موقع ملا اور اونچے اور نیچے قبائل کے پرانے معاشی عدم توازن کا ازالہ ہونے لگا۔

قرآن نے تالیف قلب کی جو مد رکھی ہے۔ اس کے تحت حضورؐ نے مکہ کے باشندوں اور ان کے لیڈروں کو دل کھول کر بہت سا مال دیا۔ مقصود یہ تھا کہ ان کے زخموں پر مرہم رکھا جا سکے۔ ان سے زیادہ حرماں نصیب اس وقت آسمان کے نیچے کون ہوگا جن کی قیادتوں کے تحت الٹ گئے تھے اور جن کے لئے تاریخ کی ساری فضاء ہی نے رنگ بدل لیا تھا۔ ان کے احساسات کا عالم کیا ہوا ہوگا جب وہ سرور عالمؐ کے قرابت دار ہوتے ہوئے پچھلی صفوں میں کھڑے تھے، اور انصار اور مہاجرین حضورؐ کے دست و بازو بنے ہوئے تھے۔ قانون الٰہی کی عدالت نے بیس برس لمبے مقدمے کا فیصلہ سنایا اور اس مقدمے میں اپنا بہت کچھ لگا کر قریش یکسر ہر گئے تھے۔ ان سے

بڑھ کر دکھی اس دن کون ہوگا۔ ان کے زخموں پر اگر احسان کا مرہم نہ رکھا جاتا تو ان کی ٹیسیں بار بار دبی دبی انتقامی روپیدا کرتی رہتیں اور وہ بادل ناخواستہ مطیع رہ کر اسلامی ریاست کے مقاصد کو اندر ہی اندر سے غارت کرنے کا موجب ہوتے۔ کیسا عجیب سماں ہوگا کہ ابو سفیان، حکیم بن حزام، نضر بن حارث، صفوان بن امیہ، اقرع بن حابس اور ان جیسے دوسرے اکابر اسی شخص کے ہاتھوں سے آج عطیات حاصل کر رہے تھے۔ جسے انہوں نے برسوں گالیاں دی تھیں۔ جھوٹا کہا تھا۔ مذاق اور طنز کا نشانہ بنایا تھا۔ بدنی اذیتیں دی تھیں۔ قید میں ڈالا تھا۔ قتل کرنا چاہا تھا۔ گھر سے نکالا تھا۔ اور جس کے خلاف تلوار اٹھا کر اسے امن و چین کا ایک لمحہ بسر کرنے کا موقع نہ دیا تھا۔ انسان نوازی کی ایسی کتنی مثالیں تاریخ کے لئے پایاں دفتروں میں ملتی ہیں؟

انصار نے جب دریائے کرم کو قریش کے حق میں اس طرح لہ تے دیکھا تو ان کے بعض عناصر تھوڑی دیر کے لئے

ادنیٰ جذبات کی لپیٹ میں آ گئے۔ ان کا تاثر یہ تھا کہ شاید حضورؐ نسلی اور وطنی تعلق کی بناء پر ان لوگوں کو نواز رہے ہیں اور ہمیں پس پشت ڈال دیا ہے۔ کہا گیا کہ حق کی حمایت میں جان جوکھوں میں پڑنے کے لئے تو ہم ہیں اور ہماری تلواروں سے خون ٹپک رہا ہے۔ لیکن داد و دہش کے وقت قریش مقدم ہو گئے ہیں۔ یوں سوچنے والوں نے یہ نہ سوچا کہ حضورؐ نے اپنے اہل بیت پر یہ بارش نہیں کی تھی۔ قربانیاں دینے والے قرابت مند مہاجرین تک کو نہیں نوازا تھا۔ خود کوئی امتیازی استفادہ نہیں کیا تھا۔ تو پھر اگر قریش کے ساتھ یہ خصوصی سلوک ہو رہا تھا تو اس کی بنیاد کسی عظیم مصلحت پر ہو گی۔

بات حضورؐ تک پہنچی تو جیسے کہ ہم پورا واقعہ پہلے بیان کر چکے ہیں۔ ایک شامیانہ تانا گیا اور انصار کو جمع کیا گیا۔ حضور نے ان کے سامنے دل ہلا دینے والی مختصر سی تقریر کی (یہ تقریر ہم پہلے درج کر چکے ہیں) جس کا آخری جملہ یہ تھا کہ "اے انصار!

کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ اور لوگ تو اونٹ اور بکریاں لے جائیں اور تم محمدؐ کو ساتھ لے کے جاؤ''۔ انصار کی آنکھوں سے آنسو بہہ بہہ کر داڑھیوں کو تر کر رہے تھے۔ آخری بات سن کر وہ چیخ اٹھے کہ ''ہم کو صرف محمدؐ درکار ہیں''۔ پھر آپؐ نے انہیں نرمی سے وہ مصلحت سمجھائی جس کے تحت قریش کی دلجوئی ضروری تھی۔

ادھر ۶ ہزار اسیران جنگ قسمت کے فیصلے کے منتظر تھے۔ حضورؐ پورے دو ہفتہ تک منتظر رہے کہ کوئی ان کے بارے میں آکر شاید بات چیت کرے۔ مال غنیمت کی تقسیم بھی اسی لئے روکے رکھی۔ مگر جب کوئی نہ آیا تو تقسیم عمل میں آگئی۔ تقسیم کے بعد حلیمہ سعدیہ (حضورؐ کی رضاعی ماں) کے قبیلہ کے معززین کا وفد زہیر بن صرد کی سرداری میں قیدیوں کے متعلق بات چیت کرنے حاضر ہوا۔ زہیر نے حضورؐ کو مخاطب بنا کر بڑی موثر تقریر کی اور کہا:

"جو عورتیں چھپروں میں محبوس ہیں ان میں تیری پھوپھیاں ہیں۔ ان میں تیری خالائیں ہیں۔ خدا کی قسم! اگر سلاطین عرب میں سے کسی نے ہمارے خاندان میں دودھ پیا ہوتا۔ تو ان سے بہت کچھ امیدیں ہوتیں۔ تجھ سے تو ہمیں اور بھی زیادہ توقعات ہیں"۔

حضورؐ نے وضاحت کی کہ میں تو خود منتظر تھا کہ کوئی آئے۔ مجبوراً تقسیم کر دی گئی۔ اب جو قیدی بنی ہاشم کے حصے میں آئے ہیں۔ ان کو میں تمہارے حوالے کرتا ہوں باقی قیدیوں کے لئے مسلمانوں کے مجمع عام میں نماز کے بعد بات کرنا۔ نماز کے بعد زہیر نے اپنی درخواست دہرائی۔ آپؐ نے فرمایا۔ "مجھے صرف اپنے خاندان پر اختیار ہے۔ البتہ میں تمام مسلمانوں سے سفارش کرتا ہوں۔" فوراً مہاجرین و انصار بول اٹھے کہ ہمارا حصہ بھی حاضر ہے۔ صرف بنی سلیم اور بنی فزارہ کے لئے یہ تجربہ بڑا انوکھا تھا کہ لڑ کر مفتوح ہونے والے دشمن کے

قیدی مفت میں رہا کر دیئے جائیں۔ آخر حضورؐ نے ان کو ۱۰ اونٹ فی قیدی دے کر بقیہ کو بھی رہا کرا دیا۔ پورے ۶ ہزار قیدی آزاد ہو گئے۔ متعدد قیدیوں کو حضورؐ نے کپڑے بھی دیئے۔ عام فاتحین کے بخلاف نہ صرف قیدیوں کی جان بخشی کی بلکہ بلا فدیہ ان کو بطور احسان کے رہا کرا دیا۔ اصل مقصود یہاں لوگوں کو ہلاک کرنا یا غلام جمع کرنا نہیں تھا۔ مقصود تو صرف نظام حق کی اقامت اور دلوں کو اس کے لئے ہموار کرنا تھا۔ اس مہم سے فارغ ہو کر آپؐ نے عمرہ ادا کیا اور عتاب بن اسید کو مکہ کی امارت کا منصب سونپا اور مدینہ واپس تشریف لے گئے۔

فتح مکہ کے بعد

ہمارے نقطہ نظر سے عرب میں داخلی طور پر مخالف انقلاب تخریبی قوت کا سر اس مرکہ سے پوری طرح کچلا گیا۔ اب گویا نظام اسلامی قطعی طور پر عرب کے لئے مقدر ہو گیا، اور

کسی اور کے لئے آگے بڑھنے کا راستہ نہ رہا۔ چند چھوٹی چھوٹی کارروائیاں بچے کھچے شرپسند عناصر کو دبانے اور لاء اینڈ آرڈر قائم کرنے کے لئے کی گئیں۔ لیکن ان کی کوئی ایسی اہمیت نہیں ہے۔ قبیلہ بنو تمیم نے دوسرے قبائل کو بہکا کر اسلامی حکومت کو محاصل کرادائیگی رکوادی۔ یہ گویا ایک باغیانہ اقدام تھا۔ عیینہ بن حصن کو ۵۰ سواروں کے ساتھ بھیجا گیا۔ حملہ ہوتے ہی بنی تمیم بھاگ گئے۔ کچھ قیدی مدینہ لائے گئے اور بعد میں چھوڑ دیئے گئے۔

قبیلہ ثعلبہ (بہ جانب تبالہ) نے شورش کی تیاری کی۔ قطبہ بن عامر کی سرداری میں ۴۰ سپاہیوں کا مختصر سا دستہ سرکوبی کے لئے گیا۔ شورش پسند منتشر ہو گئے۔ کچھ لوگ اسیر کئے گئے۔ مگر حضورؐ نے بعد میں ان کو رہا کر دیا۔

بنو کلاب کی طرف حضرت ضحاک کو بھیجا گیا تھا۔ ان

کے ساتھ اصید بن سلمہ بھی تھے جو اسی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اغلباً یہ تعلیمی و دعوتی وفد تھا۔ قبیلہ والوں نے ان کے خلاف ہتھیار اٹھائے۔ اصید کا باپ قتل ہوا۔ مزید تفاصیل نہیں مل سکیں۔

خبر آئی کہ حبشہ کے کچھ بحری ڈاکو جدہ میں جمع ہیں۔ عبداللہ بن حذافہ قرشی (یا علقمہ بن مجزز) ۳۰ سو آدمیوں کا دستہ لے کر روانہ ہوئے۔ ڈاکو بھاگ گئے۔

ربیع الآخر ۹ ہجری میں حضرت علیؓ کو قبیلہ بنی طے میں ڈیڑھ سو سواروں کے ساتھ بھیجا گیا کہ وہاں کے بڑے صنم خانے کو گرا دیں۔ یہاں شاید اس امر کی وضاحت کر دینا ضروری ہو کہ مدینہ کی اسلامی ریاست ایک اصولی اور مقصدی ریاست تھی اور وہ جس اساسی اعتقاد پر قائم تھی، اس کے خلاف انفرادی عقیدوں کو تو وہ گوارا کر سکتی تھی لیکن اس اساسی اعتقاد کے خلاف وہ کسی اجتماعی ادارے کو کیسے چلنے دے سکتی تھی۔ پھر جبکہ جاہلی

عرب کے مذہبی وتمدنی نظام میں وہاں کے اصنام روح رواں کی حیثیت رکھتے تھے اور ان کے تصور سے وہ ذہنی اکساہٹ پیدا ہوتی تھی جو جاہلیت پسندوں کو اشتعال دلا دلا کر اسلامی حکومت کے خلاف صف آرا کرتی تھی اور ان بتوں کے نام پر بڑی بڑی لڑائیاں لڑی جا چکی تھیں تو اس خاص صورت میں کیسے ممکن تھا کہ جاہلی بت خانوں کو بہ حیثیت اجتماعی ادارت کے قائم رہنے دیا جائے اور مشرکانہ نظام اعتقاد کو موقع دیا جائے کہ وہ بار بار ردعملی مزاحمت کے لئے جذباتی اکساہٹ پیدا کرتا رہے۔ یہ بت دراصل ایک معروف ذہنیت کا تمثل اور ایک باطل نقشہ زندگی کا نشان (Symbol) تھے۔ یہ اقدام کسی مسلمہ مذہبی اقلیت کے حقوق میں دخل اندازی کی نوعیت نہیں رکھتا بلکہ اسلامی ریاست کے مزاحم ہونے والے رجحانات کے مظاہر سے سیاسی فضاء کو پاک کرنے کا ایک ناگزیر اقدام تھا۔ پھر معاملہ محض نظریاتی حد تک عملاً تھا بھی نہیں۔ قبیلہ طے بت پرستانہ تصور زندگی سے

سرشار ہو کر باغیانہ رجحانات اپنے اندر پال چکے تھے۔ مدینہ کے خلاف ٹکرانے کے عزائم اندر ہی اندر انگڑائیاں لے رہے تھے۔ اس امر کا واضح ثبوت یہ ہے کہ حاتم کے نامور گھرانے میں خود عدی بن حاتم نے اسی مقصد کے لئے سواری اور اسلحہ کا بہت قبل از وقت انتظام کر لیا تھا۔ ایسے اور لوگ بھی ہوں گے۔

بہر حال حضرت علیؓ نے قلس کے مقام پر پہنچ کر علی الصباح حملہ کیا۔ عدی بن حاتم شام کو بھاگ گیا۔ تا کہ وہاں سے کچھ قوت فراہم کرے۔ قبیلہ کے لوگوں نے معمولی مزاحمت کی۔ بت خانہ توڑ دیا گیا۔ قیدی اور جانور اور کچھ اسلحہ ہاتھ آئے۔ عدی بن حاتم کی بہن بھی قید میں آئیں۔ رسولؐ اللہ کے سامنے اس نے درد بھرے انداز سے اپنا دکھڑا سنایا کہ "میرا باپ مر چکا، میرا محافظ مجھے چھوڑ کر بھاگ گیا۔ میں ضعیفہ ہوں اور کسی خدمت کے قابل نہیں۔ مجھ پر احسان کیجئے۔ اللہ آپؐ پر احسان کرے گا"۔ حضورؐ نے اس کے حسب خواہش اس کے لئے

Source: www.prophetmuhammadforall.org

سواری کا انتظام کیا اور آزاد کر کے روانہ کر دیا۔ اس خاتون نے جا کر بھائی کو حضورؐ کے خلق و مروت کا حال سنایا کہ بالکل تیرے باپ کی سی فیاضی دیکھ کے آئی ہوں۔ فلاں آیا تو خود وہاں جاؤ اور فیض پاؤ۔ چنانچہ بعد میں جلد ہی عدی بن حاتم مدینہ آ کر دائرہ اسلام میں داخل ہوا۔

دو غیر ملکی لڑائیاں

حضورؐ کے دور سعادت میں اصل کام تو ملک کی داخلی وحدت اور انقلاب کی تکمیل ہی کا ہوا۔ لیکن آپ نے اردگرد کے حکمرانوں کو دعوتی پیغامات بھیج کر تحریک کے بین الاقوامی دور کا بھی گویا افتتاح کر دیا تھا۔ حضورؐ نے مختلف سلطنتوں میں اپنے سفیر روانہ فرمائے۔ ایک سفیر حارث بن عمیر ازدی شام یا بصریٰ کو بھیجا تھا۔ اسے ہرقل کے نائب عیسائی حاکم شرجیل بن عمر وغسانی نے راستے میں قتل کر دیا۔ یہ بنیادی انسانی اخلاق اور

وقت کے بین الاقوامی قانون کی ایسی خلاف ورزی تھی کہ اسے اگر کوئی حکومت چپ چاپ سہار لے تو پھر ایسی حکومت کا کوئی وزن باقی نہیں رہ جاتا۔ ۸ ہجری میں حضورؐ نے تین ہزار سپاہیوں کو اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ کی کمان میں شام کے علاقہ بلقاء کی طرف روانہ کیا۔ یہ واقعہ بجائے خود اسلامی انقلاب کا ترجمان تھا کہ ایک شخص غلامی کے مرتبے سے اٹھ کر فوج کی سپہ سالاری تک جا پہنچے۔ (واضح رہے کہ انہی کے صاحبزادے اسامہ کو بھی حضورؐ نے آخری مہم کے لئے سردار لشکر بنایا تھا) اس فوج کو حضورؐ الوداع کہنے کے لئے بہ نفس نفیس ثنیۃ الوداع تک گئے۔ فوج معان کے مقام پر پہنچی تو معلوم ہوا کہ ان دنوں ہرقل دورے پر آیا ہوا ہے اور اس کے ساتھ اپنی بھی بہت بڑی فوج ہے۔ اور بنی لخم، بنی جذام اور بلقین اور بہرا کے عیسائی لوگ ہر طرف سے جمع ہیں۔ مجموعی تعداد ایک لاکھ ہوگی۔ صورت حالات پر غور کیا گیا۔ آخر واپس جانے کی تجویز مسترد ہوئی اور

نتیجہ کو خدا کے سپرد کر کے معرکہ آرا ہونے کا فیصلہ ہوا۔ آگے بڑھے تو مشارف کے مقام پر دشمن کی بہت بڑی فوج مجتمع تھی۔ گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ زید بن حارثہ شہید ہوئے اور علم حضرت جعفر نے سنبھالا۔ داہنا ہاتھ کٹ گیا تو علم بائیں ہاتھ میں لیا۔ بایاں بھی کٹ گیا تو سینے پر اسے سنبھالے رہے۔ آخر ۹۰ زخم کھانے کے بعد شہید ہوئے۔ ان کے بعد رسولؐ خدا کی قائم کردہ ترتیب کے مطابق عبداللہ بن رواحہ علمبردار بنے۔ جب وہ بھی شہید ہو گئے تو اتفاق رائے سے خالد بن ولید نے علم سنبھالا اور اس بے جگری سے لڑے کہ پے در پے ان کے ہاتھ سے ۹ تلواریں ٹوٹیں۔ آخر دشمن کی فوج پیچھے ہٹی اور حضرت خالد اپنے لشکر کو بچا کر لائے۔ جملہ ۱۲ مسلم سپاہی شہید ہوئے۔ جن میں نہایت قیمتی شخصیتیں شامل تھیں۔

مسلمانوں نے وقتی لحاظ سے اپنی فتح کو غنیمت جانا۔ کیونکہ دشمن کی تعداد زیادہ تھی۔ غیر ملک تھا۔ حالات نئے تھے۔

رسد کا انتظام کرنا مشکل تھا۔ کمک کی امید بھی نہیں ہو سکتی تھی۔ اس لئے یہ لشکر مدینہ واپس آ گیا۔ حضورؐ اور مسلمان مدینہ سے باہر آ کر ملے۔ بعض لوگوں نے دل لگی کے طور پر ان لوگوں کو ''او فرار یو!'' کہہ کر پکارا۔ حضورؐ نے فرمایا''۔ یہ فراری نہیں، کراری ہیں، یعنی دوبارہ جائیں گے''۔ حضرت خالد نے اس معرکہ میں جو جوہر دکھائے تھے ان کی بناء پر انہیں سیف اللہ کا خطاب ارزانی ہوا۔

اسی سلسلہ کی دوسری کڑی غزوہ تبوک ہے۔

فتح مکہ کے بعد رجب ۹ ہجری میں شام سے آنے والے ایک قافلہ نے اطلاع دی کہ قیصر کی فوجیں مدینہ پر حملہ آور ہونے کے لئے تیار ہو رہی ہیں۔ قیصر اس بھاری سلطنت کا فرمانروا تھا جو اردگرد کی آدھی دنیا پر پھیلی ہوئی تھی اور جس نے قریب ہی میں ایران جیسی حکومت کو ترک دی تھی۔ محسنؐ انسانیت

اور مسلمان جنہوں نے دنیا بھر میں ایمان و اخلاق کی روشنی پھیلانے کے لئے ایک مینار تیار کیا تھا۔ وہ بھلا کیسے کسی کرائے کو غارت ہونے سے سکتے تھے۔ یہی ان کا دین تھا، یہی ان کی دنیا تھی۔ یہی ان کی برادری تھی۔ یہی ان کی جائیداد تھی۔ فوراً دفاع کی تیاری شروع ہوگئی۔ طے پایا کہ قیصر کی فوج کو عرب میں گھسنے سے پہلے ہی جالیا جائے تا کہ اس سرزمین پر تباہی نہ پھیلے۔ گرمی کا موسم، قحط کا زمانہ اور عسرت کا عالم تھا۔ حضورؐ نے جنگی چندہ کی اپیل کی۔ اس اپیل کا ایسا قابل یادگار جواب مسلم جماعت نے دیا کہ اس کی یاد انسانیت کو ایک قیمتی روح سے آراستہ کرتی رہے گی۔ حضرت عثمانؓ نے ۹ سو اونٹ، ایک سو گھوڑے اور ایک ہزار دینار پیش کئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے ۴۰ ہزار درہم لا حاضر کئے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے مال کا بیشتر حصہ لا کے ڈھیر کر دیا۔ حضرت صدیقؓ آئے تو پورا گھر خالی کر کے اپنا سب کچھ حاضر کر دیا اور جذبہ انفاق کی اس

مسابقت میں بازی لے گئے۔ لیکن شاید سب سے زیادہ ایثار اس غریب محنت کش انصاری کا تھا جس نے دن بھر پانی کھینچ کھینچ کر ۴ سیر چھوہارے کمائے اور دو سیر چھوہارے اہل وعیال کے لئے رکھ کر دو سیر حضورؐ کے قدموں میں ڈال دیئے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ان چھوہاروں کو قیمتی اموال کے سارے ڈھیر پر بکھیر دو ۔عورتوں نے جہاد کے فنڈ میں اپنے زیورات پیش کئے۔

۳۰ ہزار فوج دس ہزار گھوڑوں کے ساتھ روانہ ہوئی۔ ثنیۃ الوداع میں دستوں کی ترتیب مقرر ہوئی۔ کمانڈر مقرر کئے گئے اور علم تقسیم کئے گئے۔ تبوک پہنچے تو معلوم ہوا کہ دشمن نے عرب پر حملہ کرنے کا ارادہ ترک کر دیا ہے۔ دراصل ان کو کسی نے غلط خبر دی تھی کہ مدینہ کے نبیؐ کا (نعوذ باللہ) انتقال ہوگیا ہے اور حملہ کے لئے بہترین وقت ہے۔ اب جب معلوم ہوا کہ نبی بھی زندہ ہے اور مدینہ بھی زندہ ہے تو ان کے عزائم پر اوس پڑ گئی۔ بہر حال اس فوجی پیش قدمی کا سیاسی لحاظ سے بہت ہی

Source: www.prophetmuhammadforall.org

اچھا اثر پڑا۔ حضورؐ نے ایک مہینہ تک فوجی کیمپ رکھا۔ اس دوران میں سیاسی اثرات پھیلانے کا کام کامیابی سے جاری رہا۔ ایلہ کا حاکم پیش ہوا اور جزیہ دے کر مصالحانہ تعلقات کا آغاز کیا۔ جربا اور اذرح کے لوگ آئے انہوں نے بھی اطاعت کی علامت کے طور پر جزیہ پیش کیا..... دومتہ الجندل کا مسئلہ حضورؐ کی نگاہ میں مدتوں سے اہمیت رکھتا تھا۔ حضرت خالد بن ولید کو زائد از ۴ صد سپاہیوں کا دستہ دے کر دومتہ الجندل کے حاکم اکیدر کی طرف روانہ کیا گیا۔ وہ اور اس کا بھائی شکار کر رہے تھے۔ اس کا بھائی مارا گیا اور اکیدر گرفتار ہو کر پیش ہوا۔ اس سے جزیہ لینے پر مصالحت ہوئی۔ حضورؐ نے اسے دومتہ الجندل، تبوک اور تیماء پر حکومت مدینہ کی طرف سے حاکم مقرر کر دیا اور تحریر لکھ دی۔ بعض روایات کے بموجب بغیر لڑے حضرت خالد نے بڑی حکمت سے اس کا قلعہ فتح کیا اور گراں بہا مال غنیمت حاصل کیا۔ حضورؐ واپس آئے تو مدینہ میں شاندار طریقہ سے استقبال کیا گیا۔

منافقین نے جو شرارتیں اس غزوہ کے سلسلے میں کیں ان کو ہم پہلے ایک فصل میں بیان کر چکے ہیں۔ منافقین تعداد کثیر میں (اسی سے اوپر) شہر میں بیٹھے رہے تھے۔ ان سے باز پرس کی گئی تو انہوں نے جھوٹے عذر گھڑ دیئے اور حضورؐ نے درگذر کیا۔ لیکن بعض اہل اخلاص بھی رہ گئے تھے۔ ان میں ابو خثیمہ بھی شمار ہوئے مگر ان کی روح بروقت چونک گئی۔ حضورؐ کی روانگی کے لئے کئی روز بعد ایک دن شدید گرمی میں اپنی دونوں بیویوں کے پاس ٹھنڈی چھاؤں میں آرام کرنے آئے۔ جہاں انہوں نے پانی کا چھڑکاؤ کر رکھا تھا۔ اور کھانے پینے کا انتظام تھا۔ یکا یک ایک خیال آ گیا اور ازواج سے کہا "ہائیں! رسول اللہؐ تو دھوپ، لو، اور گرمی میں ہوں اور ابو خثیمہ ٹھنڈی چھاؤں میں حسین عورتوں کے ساتھ مزیدار کھانے کھا رہا ہو۔ یہ انصاف نہیں ہے۔ خدا کی قسم! میں تم دونوں میں سے کسی کے حجرے میں نہ جاؤں گا۔ میرے لئے زادراہ تیار کرو"۔ اونٹ منگوایا اور سوار

ہوکر روانہ ہوگئے۔ اور جا کر لشکر سے مل گئے۔ لیکن تین اہل ایمان کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن الربیع جانے جانے کے ارادوں میں رہ گئے۔ ان سے حضورؐ نے پیچھے رہ جانے کی وجہ پوچھی تو انہوں نے صاف صاف عرض کیا کہ ہم سے کوتاہی ہوئی ہے۔ حضورؐ نے حکم الٰہی آنے تک ان کو جماعتی زندگی سے الگ رہنے اور اپنی بیویوں سے بھی بے تعلق رہنے کا حکم دیا۔ یہ گویا ایک طرح کی قید تنہائی تھی جس میں نہ زنجیریں استعمال کی گئیں، نہ زنداں کی کوئی عمارت، اجتماعیت سے کٹ کر منفرد ہوجانا انسان کے لئے بڑا سخت عذاب ہے..... پھر وہ بھی اس حالت میں کہ یہ ساری پابندی اسے اپنے اوپر خود ہی نافذ کرنا ہو۔ مگر ان حضرات نے اطاعت امر کی وہ زریں مثال قائم کی، کہ جس سے تاریخ کا ایوان ہمیشہ جگمگا تا رہے گا۔ یہاں تک کہ غسانی حاکم کو جب یہ حال معلوم ہوا تو بہترین نفسیاتی موقع تاک کر اس نے کعب بن مالک کو خط لکھا کہ تمہارے آقا نے تم

پر جفا کی ہے، حالانکہ تم برے قابل قدر آدمی ہو۔ ہمارے پاس چلے آؤ تو ہم تمہارا مرتبہ بڑھائیں گے۔ کتنی بڑی آمائش تھی۔ مگر کعب نے اس خط کو تنور میں ڈال دیا۔ آخر پورے ۵۰ دن کے بعد وحی الٰہی نے ان کے اخلاف کی بناء پر ان کی توبہ کی قبولیت کا اعلان کیا۔ خوشی کی ایک لہر مدینہ میں دوڑ گئی اور ہر طرف سے لوگ مبارک سلامت کی صدائیں بلند کرتے ہوئے ان تینوں کو بشارت دینے پہنچے۔ حضرت کعب نے قبولیت توبہ کی خوشی میں اپنا بیشتر مال صدقہ کر دیا۔ ایسا تھا وہ انسان جو تحریک اسلامی نے اپنے سانچے میں ڈھالا۔

سفر تبوک ہی میں عبداللہ ذوالبجادین کی وفات ہوئی۔ یہ نوجوان حضورؐ کو بہت ہی محبوب تھا۔ یہ بڑے انقلابی جذبے سے اسلام میں داخل ہوا تھا۔ اسلام کی دعوت نو عمری ہی میں اس تک پہنچی۔ اور دل متاثر ہو گیا۔ مگر چچا کے ڈر سے اپنے جذبات کو دبائے رکھا۔ آخر فتح مکہ سے حضورؐ واپس آئے تو اس نے چچا

سے کہا کہ:

"پیارے چچا! مجھے برسوں انتظار کرتے گذر گئے کہ کب آپ کے دل میں اسلام کی تحریک پیدا ہوتی ہے۔ لیکن آپ کا حال جوں کا توں ہے۔ اب مجھے اجازت دیجئے کہ میں اسلام کے حلقہ میں داخل ہو جاؤں"۔

سنگ دل چچا نے جواب دیا کہ اگر تم کو محمدؐ کی دعوت قبول کرنا ہے تو میں نہ صرف سارے مال سے تم کو محروم کرتا ہوں بلکہ تن پر کپڑا بھی نہ رہنے دوں گا۔ عبداللہ نے کہا: "چچا! آپ جو چاہے کریں میں تو اب بت پرستی سے بیزار ہو چکا ہوں اور اب میں ضرور مسلم بنوں گا۔ آپ اپنا سارا مال لے لیجئے"۔ یہ کہہ کر بدن کے کپڑے اتار دیئے۔ اور برہنگی کی حالت میں ماں سے جا کر بیان کیا کہ میں توحید کا علمبردار بن گیا ہوں، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جانا چاہتا ہوں۔ مجھے تن ڈھانکنے کو کچھ دیجئے۔ ماں نے ایک کمبل دیا۔ پھاڑ کر آدھے کا تہہ بند بنا لیا

اور ادھا اور لیا۔ اسی حال میں مدینہ پہنچا اور اصحاب صفہ کے حلقہ میں شریک ہوگیا۔ یہ انقلابی نوجوان شوق جہاد میں حضورؐ کے ساتھ تبوک روانہ ہوا۔ وہاں بخار آنے سے انتقال ہوا۔ رات کی تاریکی میں تدفین ہوئی۔ بلالؓ چراغ اٹھائے ہوئے تھے۔ نبی اکرمؐ خود قبر میں اترے۔ ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہما) ساتھ تھے۔ ان سے فرمایا: ''اپنے بھائی کا ادب ملحوظ رکھو''۔ حضورؐ نے اپنے ہاتھ سے اینٹیں رکھیں۔ پھر دعا کی: ''الٰہی آج شام تک میں اس سے راضی رہا ہوں، تو بھی اس سے راضی ہو''۔

یہ سماں دیکھ کر ابن مسعودؓ نے حسرت سے فرمایا: ''کاش! اس قبر میں میں دبایا جاتا''۔

تبصرہ

ہم نے اس فصل میں ان تمام جنگی اقدامات کو بیان کر دیا جو مدینہ کی اسلامی حکومت کی طرف سے عمل میں آئے۔

ان سارے معرکوں کو سامنے رکھئے اور ان سیاسی حالات کو بھی نگاہوں میں تازہ کر لیجئے جن کے تحت یہ کارروائیاں واجب ہوگئی تھیں تو تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ ایک ایسے شخص کو جو تصادم سے بچ کر تعمیری کام کرنا چاہتا ہے، جو حصول جاہ و مال کے بجائے محض حق اور سچائی کا فروغ چاہتا ہے، جو بزور شمشیر اپنا اثر پیدا کرنے کے بجائے دلیل اور اخلاق سے دنیا کو متاثر کرنا چاہتا ہے، جو انتقام کے بجائے درگذر سے اور تشدد کے بجائے لطف و احسان سے کام لینا ہے، جو خون بہانے والی تلوار کے بجائے معاہدہ لکھنے والے قلم سے مسائل حل کرنے کو ترجیح دیتا ہے اسے انقلاب دشمن حریفوں نے سخت مجبور کر کے میدان جنگ میں طلب کیا..... طلب کیا گیا۔ آٹھ نو برس میں کوئی ایک لمحہ ایسا نہیں گذرا کہ وہ چین سے بیٹھ سکا ہو۔ حیرت ہوتی ہے کہ اس عالم میں حضورؐ نے کیسے وہ عظیم تعمیری کارنامہ سر انجام دے لیا جس نے تاریخ کے دھارے کا رخ بدل دیا۔ اور انسانیت کو

ایک نئے نقشے پر ڈھادیا۔ (حضورؐ کے تعمیری کارنامہ کی تفصیل ہم کتاب کے ایک مستقل حصہ میں عرض کریں گے۔)

وہ ہستی اس لحاظ سے انسانیت کی عظیم ترین محسن ہے کہ اس نے سلامتی کے پیغام کو پورے عرب میں اور پھر ساری دنیا میں پہنچانے کے لئے تلواروں کی چھاؤں میں سے اپنا راستہ نکالا اور انتہائی جنگ پسند حریفوں کی مزاحمت کو توڑ کر نظام قسط کو برپا کیا اور اسے تکمیل دی۔ ورنہ اگر کوئی اور ہوتا، اور مخالفین کے جنگی چیلنج کو سن کر اپنے سیدھے راستے سے کترا جاتا تو اسلامی نظریہ کا نقش اگر تاریخ سے محو نہ ہوتا تو ہم اسے زیادہ سے زیادہ انفرادی سیرت کی حد تک جلوہ گر دیکھ سکتے۔ لیکن اس کا تصور ایک اجتماعی نظام کی صورت میں کرنا ہمارے لئے ممکن نہ ہوتا۔ اس صورت میں اسلام دنیا کے انفرادی مذاہب کے طرز کا ایک مذہب ہوتا یا صوفیانہ طرز کا ایک روحانی و اخلاقی مسلک ہوتا جسے زندگی اور تمدن کے مسائل سے کوئی دلچسپی نہ ہوتی۔ ایسے اسلام کے

سانچے میں کیسے ہی اعلیٰ درجے کے پاکباز کیوں نہ ڈھلتے۔ وہ بہرحال ہر کفر، ہر تہذیب باطل اور نظام ظلم کے لئے نہایت وفادار پرزے ثابت ہوتے۔ پھر یہ ممکن نہ ہوتا کہ اجتماعی ظلم و فساد کو مٹانے کا جذبہ انسانیت حضورؐ کے پیغام سے اخذ کر سکتی۔

دیکھو کہ ہماری فلاح و بہبود کے لئے حضورؐ کن اذیتوں، کن مشکلوں، کن آویزشوں اور کن طوفانی ہنگاموں سے گذرے اور عزیمت آموز انداز سے گذرے۔ کس شجاعت سے ہر حریف کے چیلنج کو قبول کیا اور ظلم و فساد کی ہر طاقت کی سرکوبی کی۔ بکھرے ہوئے قبائل کو ایک کر دیا۔ ان کو جاہلی قیادت سے نجات دلائی۔ ان کو تعلیم و تزکیہ سے گذارا۔ امن کا ماحول فراہم کیا۔ قانون کی عملداری قائم کی۔ معاشرہ کو اخوت و مساوات کی بنیادوں پر استوار کیا۔ حکومت کے لئے شورائیت کے اصول کو سنگ اساس بنا کر جمہوری دور کا آغاز کر دیا۔

پھر یہ حضورؐ کا کمال حکمت ہے کہ اتنے معرکے لڑے اور اتنی مہمات روانہ کیں مگر انتہائی کم خونریزی ہوئی۔ کم سے کم جانی نقصان ہوا۔ عرب جیسی وسیع متحدہ سلطنت کی ایک اصولی نظریئے میں پہلی بار تشکیل اتنے کم صرف خون سے ہونا تاریخ انسانی کا ایک حیرت انگیز واقعہ ہے۔

حق یہ ہے کہ آج ہم میں سے ہر انسان..... خواہ وہ اس حقیقت کو جانے یا نہ جانے..... حضورؐ پاک کا شرمندۂ احسان ہے۔ ہمیں زندگی کی فلاح کے جو اصول جو تہذیبی اقدار، جو اخلاقی روایات اس بارگاہ میں ملی ہیں۔ نیز انسانیت کا جو نمونہ آپ کے ذریعہ ہمارے سامنے آیا ہے اور پھر تمدن کا جو بہترین متوازن نظام آپؐ نے تعمیر کر کے دکھایا ہے۔ اس ساری نعمتوں سے ہم کبھی بہرہ مند نہ ہو سکتے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ظلم کی تلواروں کے سامنے مٹھی بھر جماعت کو لے کر سینہ سپر نہ ہو جاتے۔ حضورؐ نے اپنے بہترین محبوب ساتھیوں کو مقدس

Source: www.prophetmuhammadforall.org

نصب العین کی خاطر قربان کیا اور ان ستاروں کے خون سے صبح نو کا نقش تیار ہوا۔

اللھم صلی علی محمد وعلی ال محمد!

محسن انسانیت

صلی اللہ علیہ وسلم

مخالفتوں کے طوفان سے گذرتے ہوئے

اور اُجالا پھیلاتے ہی چلا گیا.....

الم تر کیف ضرب اللہ مثلاً کلمۃً طیبۃً

کشجرۃ طیبۃ اصلھا ثابت وفرعھا

فی السمآء ۔ توتی اکلھا کل حین

باذن ربھا ویضرب اللہ الامثال

للناس لعلھم یتذکرون۔ (سورۃ ابراہیم.....۲۵)

○

"کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ نے کلمہ طیبہ کو کس چیز سے مثال دی ہے؟ اس کی مثال ایسی ہے جیسے..... ایک اچھی ذات کا درخت، جس کی جڑ زمین میں گہری جمی ہوئی ہے اور شاخیں آسمان تک پہنچی ہوئی ہیں۔ ہر آن وہ اپنے رب کے حکم سے اپنے پھل دے رہا ہے..... یہ مثالیں اللہ اس لئے دیتا ہے کہ لوگ ان سے سبق لیں"۔

○

اور اللہ اپنے نور (ہدایت)
کو پورا فروغ دے کر رہے گا،
خواہ یہ کاروں کو سخت ناگوار ہو۔
(صف۔۸)

اور اُجالا پھیلتا ہی گیا

(اسلامی تحریک اور اسلامی ریاست کا پھیلاؤ)

بہت سے لوگ تلوار کے زور سے قطعات ارضی کے عارضی فاتح بنے ہیں۔ بہت سی بادشاہتیں اور آمریتیں جبر کے زور سے قائم ہوتی رہی ہیں اور کشاکش مفاد کے بے شمار فیصلے جنگ کے میدانوں میں طئے پاتے رہے ہیں۔ لیکن دنیا کی کوئی بھی انقلابی تحریک ہو اسے اپنی قسمت کا فیصلہ ہمیشہ رائے عام کے دائرے میں کرنا ہتا ہے۔ انسانی قلوب جب تک اندر سے کسی دعوت کا ساتھ دینے پر آمادہ نہ ہوں اور اپنے ذہن و کردار کو اس کے سانچے میں ڈھالنے کے لئے راضی نہ ہوجائیں۔ محض جبر و تشدد سے حاصل کئے ہوئے علمبردار اس کے لئے مفید نہیں ہوسکتے۔ بلکہ الٹا وہ اس کی کامل بربادی کا سبب بن جاتے ہیں۔ پس ہر اصولی تحریک کا اصل مزاج تعلیمی ہوتا ہے اور اس کے چلانے والوں میں مربیانہ اور معلمانہ شفقت کی روح کام کررہی ہوتی ہے۔ اصولی تحریکوں کا نگاہ میں زندگی ایک مدرسہ کی نوعیت

رکھتی ہے اور افراد انسانی اس مدرسہ کے طلبہ ہوتے ہیں۔ ان طلبہ کی مجموعی فلاح تقاضا کرتی ہے کہ شرارت پسندوں کی اصلاح کے لئے اور ان کے اثر سے شریف اور متوسط عناصر کو محفوظ رکھنے کے لئے تادیب کا عصا بھی کبھی کبھار حرکت میں آتا رہے۔ لیکن مجموعی فضاء بہر حال طلبہ کے حق میں رحمت وشفقت کی فضاء ہوتی ہے اور خود تادیب کے عصا کی ہر جنبش میں استاد کے مربیانہ جذبات ہی موجزن ہوتے ہیں۔ سچائی کے کلمے اور نیکی کے نظام کو لے کر اللہ کے جو بندگان پاک تاریخ کے مختلف اداروں میں اٹھتے رہے ہیں۔ انہوں نے چاروناچار شر وفساد کی سرکوبی کے لئے میدان جنگ میں بھی قدم رکھا ہے اور تلوار سے عصائے تادیب کا کام بھی جزئی حد تک لیا ہے۔ مگر فی الحقیقت ان کا مجموعی کام ہمیشہ مربیانہ وشفقانہ روح کے ساتھ ٹھیک تعلیمی انداز سے جاری رہا ہے۔ انہوں نے اصل فیصلہ کن معرکہ دلیل کی طاقت سے رائے عام کے وسیع تر دائرے ہی میں لڑا ہے۔

ان کا اصول ہر دور میں یہ رہا ہے کہ جسے نئی زندگی حاصل کرنی ہو وہ دلیل سے حاصل کرے اور جسے اس زندگی سے محروم رہ کر اپنے آپ کو موت کے گھاٹ اتارنا پسند ہو وہ دلیل ہی کے مارنے سے مرے۔

حضورؐ کے جنگی اقدامات کو دیکھیں تو معرکہ بدر سے لے کر فتح مکہ تک (فتح خیبر سمیت) کل پانچ بڑے معرکے ہوئے جو دراصل حقیقت کے لحاظ سے سارے کے سارے مدافعانہ ہی تھے۔ لیکن ان میں اول الذکر تین تو اسی صورت میں لڑے گئے جبکہ دشمن نے چڑھائی کر کے مدینہ پر دھاوا بولا۔ لے دے کے دو ہی کارروائیاں مدینہ سے خود حضورؐ نے پیش قدمی کر کے کیں۔ یعنی ایک فتح مکہ (مع جنگ حنین) کے لئے اور دوسری فتح خیبر کے لئے۔ بس ان دو ہی اقدامات میں فیصلہ ہو گیا۔ مدت کے لحاظ سے دیکھیں تو معرکہ بدر سے فتح مکہ تک کل زمانہ چھ برس کا ہے۔ حضورؐ نے اپنے عظیم تبلیغی و تعلیمی اور

تعمیری و اصلاحی کارنامے میں ۲۳ برس کی لمبی مدت کھپائی اور اس میں سے فقط ۶ برس ایسے ہیں کہ جن میں تعلیم انسانیت کے مختلف کاموں کے ساتھ ساتھ حریفوں کی شمشیر جنگ پسند کا مقابلہ بھی مجبوراً کرنا پڑا۔ انتہائی مبالغہ اور اندازہ کریں تو بھی سارے کے سارے معرکوں میں مجموعی طور پر ۱۵ ہزار سے زیادہ افراد حضورؐ کا مقابلہ کرنے نہ آئے ہوں گے۔ ان میں سے صرف ۷۵۹ جانوں کو راستہ سے ہٹانے کے بعد عرب کی کئی لاکھ کی پوری آبادی سنور سدھر جاتی ہے۔ دس برس کے عرصہ میں جو تاریخ کی وسعتوں میں بہت ہی محدود دکھائی دیتا ہے۔ عرب جیسے صحرا کو زندگی کے ایک مدرسہ فلاح میں بدل دینا اور تمام بکھرے ہوئے پاکیزہ اخلاق کی تعلیم دینے میں کامیاب ہو جانا اور نہ صرف تعلیم دینا بلکہ نوع انسانی کے لئے ان کو معلم و مربی بنا دینا شاید حضورؐ کی نبوت کا سب سے بڑا حسی معجزہ ہے۔

پس یہ امر ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہو جاتا ہے کہ

اسلام کی انقلابی تحریک کے خلاف جاہلیت کی کشمکش کا فیصلہ ہونے میں جنگی معرکوں کا کتنا بھی اثر پڑا ہو لیکن بہر حال فیصلہ کا اصل میدان رائے عام کا میدان تھا..... بلکہ ذرا روحانی زبان میں بات کہیں تو دلوں کا میدان تھا۔ عرب کے لاکھوں مزدوزن مفتوح ہوئے تو اسی میدان میں دلیل اور اخلاق کے اسلحہ سے مفتوح ہوئے۔ اسی حقیقت کو واضح کرنے کے لئے ہم اپنے مقابلہ کی اس آخری فصل میں یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ ہر جہتی مخالفتوں اور مرد افگن مزاحمتوں کے نت نئے طوفانوں کے باوجود یہ کیسے ممکن ہوا کہ ایک قلیل مدت میں دس بارہ لاکھ مربع میل پر پھیلی ہوئی کثر التعداد اولاد آدم اسلامی نظام حیات کے سائے میں آگئی تو برتو تاریکیوں کا سینہ چیر کر کیسے حور صبح مسکرائی اور اس کی مسکراہٹوں نے ہر چہار جانب ایک پاکیزہ اجالا پھیلا دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ دعوت اگر حق ہو تحریک اگر انسانی فلاح پر مبنی ہو اور اس کے علمبردار اگر مخلص اور ایثار پیشہ ہوں تو مخالفتیں

Source: www.prophetmuhammadforall.org

اور مزاحمتیں ہمیشہ انقلابی قافلہ کے لئے مہمیز کا کام دیتی ہیں۔ ہر رکاوٹ ایک سنگ میل بن جاتی ہے۔ راستے کا ہر کانٹا راہبری کرنے لگتا ہے۔ درد کی ٹیسیں جب فغاں کا روپ اختیار کرتی ہیں تو فغاں ہی بانگ جرس بن جاتی ہے۔ پیر لہولہان ہوتے ہیں۔ تو خون کی ہر بوند کو شرارہ عشق ایک چراغ روشن میں بدل دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ سچائی اگر چہ ایک اقلیت کے ساتھ ابھرتی ہے لیکن اکثریت کو فتح کر لیتی ہے۔ آیئے دیکھیں کہ تحریک اسلامی نے کن کن قوتوں سے کام لے کر رائے عام کے دائرے میں تیزی سے قدم بڑھانے کے راستے بنائے۔

دلیل کی قوت

تحریک اسلامی کی سب سے بڑی قوت دلیل کی قوت تھی۔ پیری مریدی کا کوئی نظام ہوتا تو مخاطبوں کی عقلوں کو سن کرتا۔ روایتی مذہبیت کا کوئی پیغام ہوتا تو اوہام پسندی کے

رجحانات کی آبیاری کرتا۔ رہبانی تصوف کا کوئی سلسلہ ہوتا تو "چشم بند و گوش بند و لب بہ بند" کا افسوں پڑھتا۔ مگر وہاں تو ایسی ذی شعور روحوں کی مانگ تھی جو خدا پرستی کی بنیادوں پر پورا ایک نظام تمدن اٹھا سکیں۔ اور حسن و خوبی سے چلا سکیں۔ اس لئے تحریک اسلامی نے اپنی دعوت پیش کی تو سوتی ہوئی عقلوں کو چونکایا، دماغوں کو جھنجھوڑ کر بیدار کیا۔ آنکھیں کھول کر دیکھنے اور کان کھول کر سننے کی تلقین کی۔ نظام کائنات میں تدبر کرنے کی ترغیب دلائی۔ انفس و آفاق کے احول کا تجزیہ کرنے کا سبق دیا۔ نت نئے سوال چھیڑ چھیڑ کر فکروں میں تحریک پیدا کی۔ ذہنی تقلید کے بندھنوں کو توڑا۔ فضول روایات و رسوم کے جال پارہ پارہ کئے۔ آباء پرستی اور ماضی پرستی کے سحر کو باطل کیا۔ اس نے کالانعام قسم کی مخلوق کے اندر سے سوچنے سمجھنے والا انسان برآمد کرنے کی تدبیر کی۔ اس نے صم بکم عمی قسم کے افراد کو ٹھونکے لگا لگا کر بے شعوری کی پینک سے نکالا۔ اس نے دماغوں

سے زنگ دور کیا۔ الغرض اس نے جاہلیت کے مسلط کردہ عقلی جمود کو توڑ دیا۔ اس طرح جو روحیں جاگتی گئیں اور جن لوگوں کی عقلیں انگڑائیاں لے کر اٹھنے لگیں ان کے سامنے زندگی کی بنیادی سچائیاں رکھیں اور اپنے استدلال کے زور سے یکے بعد دیگرے ان کو متاثر کر کے چھوڑا۔

تحریک اسلامی نے خدائے واحد کو خالق، مالک، رازق، حاکم اور ہادی کی حیثیت سے پیش کیا تو اس زور استدلال سے پیش کیا کہ جوابی اوہام کے اسلحہ کند ہو کر رہ گئے۔ اس نے انسانی قوت مشاہدہ کو اکسا کر دعوت دی کہ زمین و آسمان کی نیرنگیوں پر نگاہ ڈالو۔ چاند تاروں کی گردش پر غور کرو۔ موسموں کے چرخے کا گھماؤ دیکھو۔ ہواؤں اور بارشوں کے نظام میں کاوش کرو۔ نباتات کی روئیدگی و بالیدگی کی کے مناظر سے سبق لو۔ حیوانات کی نشوونما اور ان کے تناسل میں دماغ کھپاؤ۔ انسانی گروہوں کی رنگارنگی اور تمدنوں کے مدوجزر کا

مطالعہ کرو۔ اپنے نفوس و اذہان کی گہرائیوں میں جھانکو..... تم دیکھو گے کہ ہر طرف اٹل قوانین اپنا کام کر رہے ہیں۔ ہر دائرہ وجود میں ایک نظم کی کارفرمائی ہے۔ چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے واقعات و حوادث کا رخ کسی غایت کی طرف ہے۔ کونا کوں اضداد باہم دگر تعاون کر رہے ہیں۔ پورے کارخانہ ہستی میں ایک توافق کارفرما ہے۔ کثرت وحدت کے رشتے میں بندھی ہے۔ پھر ہر شئے میں ارتقاء ہے۔ ہر چیز بہتری کی طرف جا رہی ہے۔ ہر علت کسی اہم نتیجے کو پیدا کر رہی ہے۔ اور پھر ہر نتیجہ خود آگے کے لئے ایک علت بن رہا ہے۔ یہ قانون، یہ نظم، یہ توافق، یہ تعاون، یہ وحدت، یہ ارتقاء آپ سے آپ بطور ایک اتفاقی حادثے کے نمودار نہیں ہوا۔ چیز اپنے آپ کو خود تجویز نہیں کرتیں۔ اپنا نقشہ خود نہیں بناتیں۔ بے شعور اور بے جان مادہ اونچے موجودات کی تخلیق آپ سے آپ نہیں کرتا۔ عناصر باہمی مشورے سے توافق نہیں کرتے۔ بلکہ ایک

بالاتر ہستی..... فعال ومختار اور حکیم وخبیر ہستی..... ایک ناظم، ایک ڈائرکٹر، ایک حکمراں اور ایک قانون ساز کی حیثیت سے کام کررہی ہے۔ تمام قوات وعناصر اسی کی تسبیح کہتے ہیں۔ تمام موجودات اسی کے حضور سجدہ ریز ہیں۔ تمام مخلوق اسی کے طبعی دین کی پابند ہے۔ عظیم سورجوں سے لرکر ننھے سالموں تک ہر شے اس کی بارگاہ میں مسلم کی حیثیت سے سر انقیاد خم کئے ہوئے ہے۔ پھر اسلامی تحریک نے بتایا کہ اگر اتنے بڑے کارخانہ وجود کے اوپر ایک سے زیادہ مالک اور منتظم ہوتے تو ان کے درمیان ٹکراؤ ہوجاتا۔ اور یہ ایک رنگی اور ہم آہنگی کسی طرح قائم نہ رہتی۔ جس کا مشاہدہ تم کررہے ہو۔ گویا کتاب کائنات کا ہر ورق خدا کی ہستی ہی پر نہیں بلکہ اس کی توحید پر اور اس کی مختلف صفات پر محکم دلائل سے بھرا پڑا ہے۔

پھر اسلامی تحریک نے دلیل کے زور سے واضح کیا کہ کہ یہ کائنات جو پوری کی پوری خدا کے دین اور قانون میں

Source: www.prophetmuhammadforall.org

جکڑی ہوئی ہے اور جس کا ہر ذرہ اس کے سامنے مسلم بن کر حاضر ہے۔ اس میں کسی مخلوق کے لئے خدا کے سامنے بندگی و طاقت اور اسلام و انقیاد کا رویہ اختیار کئے بغیر کوئی جگہ نہیں ہے۔ تم خدا کے مسلم بنو گے تو ساری کائنات سے ہم آہنگ ہو جاؤ گے اور تمہارا نظام تمدن ویسے ہی امن و توافق کا مظہر بن جائے گا۔ جیسے مادہ کی مادہ نگری میں کارفرما ہے اور تم اگر خدا کے بغاوت اور کفر کرو گے تو نظام کائنات سے تمہارا نظام تمدن بے ربط ہو جائے گا۔ اور اس میں توازن و توافق نہیں رہے گا جو زمین و آسمان میں کارفرما ہے اور جس کی وجہ سے موجودات سلامتی سے بہرہ مند رہ کر ارتقاء کر رہے ہیں ..... اس کائنات میں انسان کے لئے بھی فلاح کی واحد راہ یہی ہے کہ وہ خدا کے دین اور خدا کے قانون کا پابند ہو کر رہے۔ تم جو خدا کے پیدا کئے سے پیدا ہوتے ہو۔ اس کے رزق پر پلتے ہو۔ اس کی قوتوں کے بل پر زندگی گذارتے ہو۔ اس کی سرزمین پر رہتے اور اس کے آسمان

کے نیچے چلتے پھرتے ہو۔ اور ہاں تم کہ جن کے دن کا عضو عضو اور جن کے اعضاء کا ذرہ ذرہ مسلم بن کر خدائی قانون میں جکڑا ہوا ہے۔ تمہارے لئے زندگی کی کوئی سیدھی راہ ہے تو خدا کی بندگی ہی کی راہ ہے۔ تمہاری فطرت کا خمیر اسی بندگی کے عہد سے اٹھایا گیا ہے اور تمہارے ضمیروں میں احساس عبودیت پیوست ہے۔

پھر اسلامی تحریک نے اسی زور استدلال سے یہ حقیقت بھی اجاگر کی کہ خدا کی طرف سے ہدایت کی احتیاج ہر ذرے کو ہے۔ وہی عناصر کی تقدیریں مقرر کرنے والا ہے، وہی اجرام فلکی کے مدار اور ان کی رفتاریں طے کرتا ہے۔ وہی اشیاء کو مختلف خواص دیتا ہے۔ وہی ہر ہر قوت کو اس کے خاص فرائض میں لگاتا ہے اور وہی ہر مخلوق کے لئے راہ عمل معین کرتا ہے۔ دوسرے موجودات کی طرح انسان بھی اس کی ہدایت کا اسی طرح محتاج ہے جیسے وہ روشنی، ہوا اور پانی کا محتاج ہے۔ خدا نے اپنی ہدایت

Source: www.prophetmuhammadforall.org

دینے سے مخلوق کو بہرہ مند کرنے کے لئے وحی کا نظام مقرر کیا ہے۔ بے جان عناصر کے لئے طبعی خیریت، نباتات کے لئے قوت نمو، حیوانات کے لئے جبلت وحی کا ذریعہ ہے۔ لیکن انسان چونکہ شعور سے بہرہ مند ہے۔ اس لئے اس کے لئے وحی کی وہ تکمیل صورت مقرر کی گئی ہے جس کے تحت اس کے شعور کو مخاطب کیا جاتا ہے۔

پھر اسلامی تحریک نے اپنی اصولی دعوت کے اس جز کو بھی دلیل ہی کے زور سے قابل قبول بنایا کہ جب اس کائنات میں علت و معلول اور سبب و نتیجہ کا قانون کام کر رہا ہے تو انسان کے اخلاقی اعمال کو بھی اس جامع قانون کے تحت کسی تکمیلی نتیجہ تک پہنچنا چاہئے۔ اس نے قانون مکافات کو تاریخ میں دکھا کر ثابت کیا کہ سا قانون کے احاطے میں انسان کی تمدنی سرگرمیوں کو بھی آنا چاہئے۔ اسی کے ساتھ ساتھ اس نے یہ بھی دکھایا کہ انسان کی اس محدود امتحانی زندگی میں محدود قانون مکافات کے

تحت پورے کے پورے نتائج اعمال سامنے نہیں آتے۔ بلکہ بسا اوقات ایک سلسلہ اعمال ہی کی تکمیل نہیں ہو پاتی۔ نیز اس سے بھی بڑھ کر بہت سی صورتوں میں بالکل الٹے نتائج سے آدمی کو دو چار ہونا پڑتا ہے۔ لہٰذا اس خدائی نظام سے توقع کرنی چاہئے کہ ارضی زندگی کے بعد کسی نئے دورِ حیات میں انسانی اعمال کے نتائج کو بھرپور طریق سے ظہور کرنا ہے۔ خدائی عدل جو ہر طرف کارفرما ہے اس کا عقلی تقاضا یہ ہے کہ جو جیسا کرے ویسا بھرے۔ اس طرح اس نے حیات بعد الموت ومحاسبہ آخرت اور جزا وسزا کا تصور دیا۔

پھر ان ساری بنیادی سچائیوں کو ثابت کرنے کے لئے اس نے پچھلی پوری انسانی تاریخ پیش کردی۔ ایک ایک قوم کی داستان کو لیا اور دکھایا کہ جن انسانی گروہوں نے زندگی کا نظام ان حقائق پر اٹھایا۔ انہوں نے فلاح پائی اور جنہوں نے اس سے روگردانی کی اور خوار و رسواء ہو کر ملیامیٹ ہو گئیں۔ جن

افراد نے ان کو قبول کیا ان کے دل و دماغ روشن ہو گئے اور ان کے کردار جگمگا اٹھے اور جنہوں نے ان کی مخالفت کی وہ پستیوں میں گرتے چلے گئے۔ دکھایا کہ یہ وہ سچائیاں ہیں جن کی دعوت ہر دور تاریخ میں ہر قوم کے سامنے ایک ہر طرز کے لوگوں نے بار بار پیش کی۔ اور ان کو غالب کرنے کے لئے بے لوث جذبہ اخلاص کے ساتھ جان و مال کی ساری متاع نچھاور کر دکھائی۔

اسلامی تحریک کی یہ اساسی دعوت اپنے پورے استدلالات کے ساتھ قرآن میں پھیلی ہوئی ہے اسے بڑے حسن تکرار سے پیش کیا گیا۔ اسے دلربا تصریف آیات کے ساتھ لایا گیا۔ اس کے لئے بہترین ادبی زبان استعمال کی گئی۔ اس میں جذبات لطیف کا رس گھول دیا گیا۔ مخالفانہ اعتراضات کو ساتھ کے ساتھ صاف کیا گیا۔ منکروں اور حریفوں کی نکتہ آفرینیوں اور طنز و استہزاء کا سنجیدگی سے تجزیہ کیا گیا۔ پھر کہیں عبرت دلائی، کہیں تنبیہ کی، کہیں شرم دلائی، کہیں چیلنج کیا۔ کہیں

نرمی اور لطافت سے دلوں کو پگھلایا۔ کہیں استفہام کا انداز اختیار کیا۔ کہیں استعجاب کا رنگ بھرا۔ غرضیکہ مختلف اسالیب سے انسانی ذہن کو اس طرح گھیرا کہ ارباب شعور کے لئے کوئی راہ فرار کھلی نہ رہنے دی۔

اگر بازی تلوار کے زور سے فتح کی جانے کی ہوتی تو آخر استدلال کے اتنے اہتمام کی ضرورت ہی کیا تھا جو قرآن کے دو تہائی بلکہ زائد حصے میں پھیلا ہوا ہے۔

درحقیقت اسلامی تحریک کی بے پناہ قوت استدلال نے اپنے مخاطبوں کو بے دم کر دیا اور ان میں سے اہل سعادت نے قبول حق کے لئے دلوں کے دروازے کھول دیئے اور اہل زیغ مجبور ہوئے کہ دلیل کی بازی ختم کر کے تشدد کے اوچھے ہتھیاروں پر اتر آئیں جو بھی دعوت و تحریک اپنے مخاطبوں کو اس مرحلے پر پہنچا دیتی ہے۔ وہ آخر کار میدان مار لے جاتی ہے۔

خیر خواہانہ اپیل

دلیل مجرد دلیل ہی نہ تھی بلکہ دلیل کے ساتھ دلوں کو پگھلا کر موم کر دینے والی، دور بھاگنے والوں کو قریب کھینچنے والی، روحوں کے بند دروازوں پر دستک دے کر ان کو کھلوا لینے والی اپیل بھی برابر شامل تھی۔ دعوت حق کی اپیل نے چٹانوں میں احساس ابھار دیا، لکڑی کے کندوں میں جذبات کی لہریں پیدا کر دیں اور اکھڑ دشمنوں کی آنکھوں کو اشک آلود کر دیا۔ اسلامی تحریک کے ساز سے ایسے ایسے روح پرور نغمات لڈے کہ دلوں میں حیات نو کی رو دوڑ اگئے۔ جاؤ قرآن کھول کے دیکھو کہ کس طرح اس کے ایک ایک جملے میں شعور کے نور کے ساتھ جذبوں کی گرمی گھلی ہوئی ہے۔ یہ دو آتشہ صہبائے طہور تھی کہ جس نے بڑے بڑے سنگدلوں کو مسخر کر لیا اور جس نے حق کے دشمنوں کو حق کا خادم بنا دیا پھر اس کا ادبی زور ایسا سحر آفریں تھا کہ اس نے چمن فصاحت کی بلبلوں کو ساکت اور وقت کی بزم سخن میں نغمہ

Source: www.prophetmuhammadforall.org

آفریں شعراء کو گنگ کر دیا۔ اس نے ایسی عربی مبین میں کلام کیا کہ سارا عرب ایسا کلام پیش کرنے سے عاجز رہ گیا۔ ہم یہاں دعوت حق کے نغمہ کے چند بول پیش کر رہے ہیں:-

"ان سے کہو (اے پیغمبر! میری طرف سے) کہ اے میرے بندو! جو اپنی جانوں پر ظلم ڈھاتے رہے ہو۔ اللہ کی رحمت سے اپنی آس نہ توڑو۔ یقیناً (تم رجوع کرنے والے بنو تو) خدا سارے کے سارے گناہ معاف کر دیتا ہے اور یقیناً وہ درگذر کرنے والا مہربان ہے اور تم اپنے رب کی طرف جھکو اور اس کے حضور میں سر تسلیم خم کر دو۔ قبل اس کے کہ تم کو عذاب آ گھیرے اور پھر تمہیں کوئی مدد نہ مل سکے۔ اور پیروی کرو اس بہترین نوشتہ ہدایت کی جو تمہارے رب کی بارگاہ سے تمہاری جانب بھیجا گیا ہے۔ قبل اس کے کہ تمہیں عذاب اچانک آ پکڑے جبکہ تمہیں خبر بھی نہ ہو پھر اس وقت کوئی جان یہ کہتی رہ جائے کہ ہائے افسوس میری اس کوتاہی پر جو میں نے اللہ کے حق

میں دکھائی اور میں (حقیقت کی) ہنسی اڑتا رہا۔ یا وہ (مایوس ہوکر) کہے کہ اگر اللہ مجھے راستہ سجھاتا تو میں سنبھل کر چلنے والوں میں شامل ہوتا، یا جب وہ عذاب کو دیکھے تو یوں کہے کہ اگر ایک موقع ملے تو میں احسان کیش لوگوں میں جا ملوں۔" (الزمر: ۵۳ تا ۵۸)

اس ایک ٹکڑے میں بڑے ایجاز سے وہ ساری بنیادی سچائیاں سموئی ہوئی ہیں جن کی آئینہ دار محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت تھی پھر اس میں عقلی استدلال بھی موجود ہے، اور اس کے ساتھ دل ہلا دینے والا جذباتی اپیل ہے۔ اس میں بشارت بھی ہے اور انتباہ بھی۔ قرآن اس طرح کی رنگا رنگ پکاروں سے بھرا پڑا ہے۔ مٹی سے بنے ہوئے انسانی پتلوں کے بس میں نہ تھا کہ ایسے انقلاب آفریں کلام کی موجوں کے سامنے کھڑے رہ سکتے۔ جبکہ اس کے ریلے مسلسل چلے آرہے تھے۔ ہر صبح، ہر شام، ہر آن!! تیئیس سال تک مسلسل یہ ریل معانی

لڈنا رہا تو آخر کیسے تصور میں آ سکتا ہے کہ نور اور حرارت کی ان لہروں کی زد پر آنے والے آدم زاد اپنی جگہوں پر جوں کے توں جامد رہ سکتے ۔ دو اور الہام پارے جن میں عمومی خطاب ہے ملاحظہ ہوں:-

"اے آدم کی اولاد! کیا میں نے تم کو متنبہ نہ کر دیا تھا کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا ۔ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے ۔ اور یہ کہ میرے ہی عبادت کرنا ، یہی ہے کہ راہ راست! وہ (اس کے باوجود) تم میں سے بہت سے خلقت کو بہکا لے گیا ۔ پھر کیا تم لوگ سوجھ بوجھ سے کام نہ لے سکتے تھے ۔" (یس: ۶۰ تا ۶۲)

"کہہ دو (اے پیغمبر!) اے لوگو! تمہارے رب کی طرف سے حق تم تک آ چکا ، سو اب کوئی بھی راہیاب ہو تو اس کا راہیاب ہونا اس کی اپنی ہی جان کے لئے (سودمند) ہے اور جو کوئی بھٹکے تو اس کا بھٹکنا خود اسی کے لئے (موجب خسران) ہے اور میں تم پر مختار نہیں ہوں ۔" (یونس: ۱۰۸)

وہ لوگ جنہوں نے مخالفت کے محاذ کھولے، انکے بھی بہترین احساسات کو پکارا گیا اور زیادہ سے زیادہ موثر اور دل گداز اسلوب سے ان کی اساسی فطرت کو اپیل کیا گیا۔ مشرکین مکہ ہوں یا اہل کتاب، ہر گروہ کے بہترین عناصر کو بہترین اسلوب سے خطاب کیا اور ان کے بہترین جذبات کو حرکت میں لانے کی کوشش کی۔ حتیٰ کہ منافقین کو بھی اصلاح کی دعوت دی۔ اس سلسلے کی مثالیں بھی الگ الگ پیش کی جاتی ہیں:-

.....مشرکین مکہ سے خطاب:-

"اللہ نے ایک بستی کی مثال دی ہے جو امن چین سے دن گذار رہی تھی اور اس کی روزی ہر چہار جانب سے بافراط چلی آ رہی تھی۔ پھر اس (کے باشندوں) نے خدا کے احسانوں کی ناشکری کی۔ سو اللہ نے ان کے کرتوتوں کے بدلے میں انہیں بھوک اور خوف (کی حالت) کا لباس پہنا کر مزہ چکھایا اور ان

کے درمیان خود انہیں میں سے پیغمبر مبعوث ہو چکا تھا پھر انہوں نے اسے جھٹلا دیا۔ پس ان کو عذاب نے آ پکڑا اور وہ تھے ہی ظالم!''

.....اہل کتاب سے خطاب:-

''اے اہل کتاب! ہمارا رسول تمہارے پاس آ چکا جو کتاب الٰہی کی ان بہت سی حقیقتوں کو تمہارے سامنے نتھار کر لا رہا ہے جنہیں تم چھپاتے ہو اور وہ بہت ساری چیزوں سے درگذر بھی کرتا ہے۔ اللہ کی طرف سے تمہارے پاس روشنی آ چکی اور واضح کتاب پہنچ چکی جس کے ذریعہ اللہ ایسے لوگوں کو سلامتی کی راہ پر لاتا ہے جو اس کی مرضیات کے پیچھے چلیں اور انہیں تاریکیوں سے نکال نکال کر اپنے حکم خاص کے مطابق اُجالے میں لاتا ہے اور انہیں راہِ راست کی طرف رہنمائی دیتا ہے۔'' (المائدہ:۱۶)

''کہو! (اے پیغمبر! کہ) اے اہل کتاب! اپنے دین میں ناحق

کے مبالغہ سے کام نہ لو اور (اپنے ہاں کے) ایسے لوگوں کے نفسانی رجحانات کے پیچھے نہ چلو جو پہلے سے گمراہ ہیں اور جنہوں نے بہتوں کو بہکا دیا ہے اور جو سیدھی راہ سے دور جا پڑے ہیں۔" (المائدہ اللہ: ۷۷)

"اے اہل کتاب! رسولوں کے سلسلہ بعثت میں ایک لمبے وقفے کے بعد ہمارا رسول تمہارے پاس آ چکا جو حقیقتوں کو تمہارے سامنے نکھار کر لا رہا ہے۔ (ممکن ہے) کہیں تم (بطور عذر) کہو کہ ہم تک تو کوئی بشارت دینے والا اور متنبہ کرنے والا آیا ہی نہ تھا۔ سو اب بشارت دینے والا اور متنبہ کرنے والا تمہاری طرف آ چکا۔" (المائدہ:۱۹)

"اور ہم نے کتاب میں بنی اسرائیل کے لئے فیصلہ دے دیا کہ تم زمین میں دو مرتبہ فساد کرو گے اور بہت بڑی طرح سرکشی دکھاؤ گے۔ سو (اے بنی اسرائیل!) جب پہلے وعدہ کا موقع آیا تو ہم نے تمہارے اوپر اپنے سخت جنگجو بندوں کو مسلط کر دیا۔ پھر

وہ شہروں میں پھیل گئے اور وہ وعدہ تو پورا ہونا ہی تھا۔ پھر ہم نے انکے مقابلے میں تمہیں ایک موقع دیا اور اموال و اولاد سے تمہیں تقویت دی اور تمہاری تعداد بڑھادی۔ (اور تمہیں پھر مہلت دی کہ) اگر تم نے بھلائی اختیار کی تو اپنی ہی جانوں کا بھلا کیا اور اگر برائی کی تو وہ بھی اپنے ہی حق میں کی! پھر جب دوسرے وعدہ کا موقع آیا تو وہ لوگ تمہارے چہروں کو (دکھ اور ذلت کی سیاہی سے) کالونسا دیں اور مسجد (بیت المقدس) میں اسی طرح گھسیں جیسے وہ پہلے گھسے تھے اور جہاں وہ غلبہ پائیں وہاں تباہی پھیلا دیں (تو تم نے پورا پورا مزہ چکھ لیا!)۔ اب (جبکہ دعوتِ محمدیؐ کے نمودار ہونے سے تمہارے سامنے ایک فیصلہ کن موقع اور پیدا ہوا ہے) تمہارا رب چاہتا ہے کہ تم پر رحم کرے۔ لیکن اگر تم پھر وہی کچھ کرو گے، تو ہم بھی ویسا ہی مزہ چکھائیں گے اور (آخرت میں) ہم نے جہنم کو نافرمانوں کے لئے ٹھکانوں بنالیا ہے۔" (بنی اسرائیل: ۴ تا ۸)

"کہو کہ اے اہل کتاب! اس سیدھے سیدھے کلمہ کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترکہ ہے۔ یہ کہ ہم ایک اللہ کے سواء کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ کسی شئے کو اس کے ساتھ شریک ٹھیرائیں، اور یہ ہم لوگ اللہ کو چھوڑ کر باہم دگر ایک دوسرے کو رب بنالیں۔" (آل عمران:۶۴)

.....عیسائیوں سے خطاب:-

"اور تم (یہود کے مقابلے میں) ان لوگوں کو مسلمانوں کی محبت میں قریب تر پاتے ہو، جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں۔ یہ اس وجہ سے کہ ان لوگوں میں علماء اور درویش ہیں اور اس وجہ سے کہ یہ لوگ تکبر میں مبتلا نہیں اور یہ لوگ جب اس کلام کو سنتے ہیں جو رسول پر اترا ہے تو ان کے حق کو پہچاننے کے باعث تم ان کی آنکھوں کو دیکھتے ہو کہ آنسوؤں سے ڈبڈبا جاتی ہیں۔ وہ پکار اٹھتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے، پس ہمیں حق

کی شہادت دینے والوں میں لکھ لے۔" (المائدہ:۱۱۲)

.....منافقین سے خطاب:-

"کیا یہ (منافق) لوگ سوچتے نہیں کہ یہ ہر سال دو ایک آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں پھر بھی توبہ نہیں کرتے اور نہ نصیحت قبول کرتے ہیں اور جب بھی کوئی سورۃ نازل ہوتی ہے تو ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں کہ آیا کوئی تمہاری طرف دیکھ رہا ہے پھر اٹھ کر چلے جاتے ہیں۔ ان کے دلوں کو خدا نے اس لئے پھیر دیا ہے کہ یہ لوگ سوجھ بوجھ سے کام نہیں لیتے۔ دیکھو تمہارے اندر سے رسول تمہارے پاس آ چکا ہے، اس کے لئے بارِ خاطر ہے ہر وہ چیز جو تمہیں تکلیف دے۔ وہ تمہارا مشتاق ہے اور وہ اہل ایمان کے لئے شفیق اور مہربان ہے۔" (یونس:۱۲۶ تا ۱۲۸)

قرآن دلوں کو پگھلا دینے والے ایسے ایسے بولوں سے

بھرا پڑا ہے۔ روحوں میں پیوست ہو جانے والے جملے، ضمیروں میں تحریک پیدا کر دینے والے موتیوں جیسے الفاظ، احساسات کے تاروں کو چھیڑ دینے والے ادبی اسالیب! کتنی بڑی طاقت ہے قرآن اور کتنی ہنگامہ خیز رہی ہوگی۔ دعوتِ حق! حقیقت کہ یہ شعاعیں جب پے در پے برستی ہوں گی تو اوسط درجے کے انسانوں کے لئے کیسے ممکن رہا ہوگا کہ وہ افکار و کردار کی تاریکیوں کو سینوں میں آراستہ کئے رکھیں۔ دلیل کی طاقت کے ساتھ جب اپیل کی طاقت آملتی ہے تو یہ دودھاری تلوار پتھروں کو بھی کاٹ جاتی ہے پھر جہاں قرآن کی بارانِ کلام کی بھواریں متواتر پڑ رہی تھیں، وہاں صاحب نبوتؐ کا تکلم بھی درسوں، خطبوں، تقریروں اور گفتگوؤں میں ہر آن نور کی لہریں اٹھا رہا تھا۔ زمانے نے اس بحرِ مواج کے جو موتی محفوظ رکھے ہیں، ذرا آج ان کو جانچو۔ چھوٹے چھوٹے بول، تھوڑے لفظوں میں زیادہ معنی، ادبیت و خطابت کا زور، بات میں روح اخلاص گھلی

ہوئی، گفتگو حالات پر منطبق، کسی دوسری شخصیت کا سمندر ایسے موتی پھر پیدا نہ کر سکا۔ پھر اسلامی تحریک کے شعراء اور ادیب و خطیب تھے کہ جنہوں نے نئے فنی معیارات اور انقلابی اسالیب کے ساتھ جب ساز نطق پر اسلام کے کلمہ انقلاب کا زمزمہ چھیڑا تو ان کی ہر موج آہنگ نے ریت کے ذروں میں بھی دھڑکتے ہوئے دل پیدا کر دیئے ہوں گے۔ آج بھی اس دور کے دفترِ سخن کو اٹھا کر دیکھو، تو احسان بن ثابت اور کعب بن مالک کا حسین تخیل انکے مخلصانہ جذبوں کے پر لگا کر عجیب عقابی شان سے اڑتا دکھائی دیتا ہے۔ ان کے نغمے جب روزمرہ واقعات سے ہم آہنگ اور کشمکش کے ماحول سے مربوط ہو کر نمودار ہوتے ہوں گے تو آخر انسانی دلوں پر کوئی تو کیفیت گذرتی ہوگی۔ مدعا یہ کہ اصل طاقت قول حق کی تھی جس کے سامنے ممکن نہ تھا کہ باطل میدان میں جما رہ سکے۔ ان الباطل کان زھوقا!

تحریک اسلامی کی دعوت دلیل کے ساتھ محض اپیل ہی نہیں بلکہ اس نے اپیل کے ساتھ بھرپور تنقید سے کام بھی لیا۔ صوفیانہ مذاہب میں تو شاید دعوت کا ایک ہی اسلوب چل سکتا ہے۔ یعنی منت ولجاجت اور خوشامد و التماس کا اسلوب۔ آخر جہاں محض افراد کی ذات اور ان کی محدود نجی زندگی تک ہی واسطہ ہو اور نظام اجتماعی کی اصلاح یا تعمیر نو کا کوئی سوال ہی سامنے نہ رہا ہو۔ وہاں اس اسلوب سے آگے بڑھنے کی ضرورت ہی کیا ہو سکتی ہے۔ صوفیانہ مسلکوں اور انفرادی دھرموں میں صرف یہ پیش نظر ہوتا ہے کہ زیر اثر افراد کو کچھ عقیدوں اور کچھ انفرادی خوبیوں سے آراستہ کر دیا جائے اور پھر ان کو برائی کی طاقت سے اپنا آپ بچاتے رہنے کا درس دیا جائے۔ لیکن بدی کی اجتماعی طاقت سے لڑنے اور فاسد ماحول سے ٹکر لینے کا کوئی داعیہ موجود نہیں ہوتا۔ ظلم قیادت کی مسند پر بیٹھا اپنا ڈنکا بجاتا

رہے اور انسانیت اس کے قدموں میں ذبح کی جاتی رہی۔ آخر ان دنیوی جھمیلوں سے ایک اللہ مست زاہد کو کیا مطلب! چنانچہ ایسے محدود روحانی نظاموں میں آدمی کی سب سے بڑی خوبی یہ سمجھی جاتی ہے کہ وہ دنیا کے معاملات اور سیاست کے جھمیلوں سے الگ تھلگ رہے۔ ہر کسی کے آگے یکساں انکسار اور لجاجت دکھاوے "با مسلمان اللہ اللہ! با برہمن رام رام" کا کیش اختیار کرے۔ تواضع ہر ایک کے ساتھ کرے اور درشتی کسی سے بھی نہ برتے۔ ایسے نظاموں میں جنہیں آدمی کو میدان کش مکش میں نہ اتارنا ہو بلکہ اسے تمدن کی جد وجہد سے نکال کر غاروں اور خانقاہوں میں جا بٹھانا ہو۔ تنقید سے کام لینے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ تنقید تو ذہنی دنیا میں کش مکش کا آغاز ہوتی ہے۔ چنانچہ محدود روحانیت اور انفرادیت ہیت کی نگاہوں میں یہ آدمی کی پستی کردار شمار ہوتی ہے کہ وہ کسی طاقت کے خلاف زبان تنقید کھولے۔ جیسے یہ دامن تقویٰ پر دھبے ڈالنے والا کوئی کام

ہو اور اس کے کرنے سے روح کی شانتی ماری جاتی ہے۔

لیکن جو نظریے اور دعوتیں تمدن میں انقلاب برپا کرنے انہیں ان کے اسلحہ خانہ فکر میں دلیل اور اپیل کی طرح تنقید بھی درجہ اول کی اہمیت رکھتی ہے۔ صرف احقاق حق پر

پیمانہ ہائے قدر پر کڑی تنقید کرتی ہے۔ مذہبی، سیاسی اور معاشی لحاظ سے ان پیش رو طبقوں کے افکار و اعمال کی حقیقت وہ لازماً کھول دیتی ہے۔ جو عوام کو اپنی غلامی کے جال میں پھانس کے مزرے اڑاتے ہیں۔ اس کے لئے چارہ کاری اس کے سوا کچھ نہیں ہوتا کہ زندگی کی قیادت کرنے والوں کا پول وہ عام انسانوں کے سامنے اچھی طرح کھول دے جب تک فاسد کو فاسد، باطل کو باطل اور غلط کو غلط ثابت نہ کر دیا جائے۔ اس کے مقابلے میں نہ سچائی اور راستی کی کوئی پیاس پیدا ہو سکتی ہے اور نہ تبدیلی کی امنگ ابھر سکتی ہے۔ ہر وہ دعوت جو نظام زندگی میں تبدیلی چاہتی ہو، تنقید کے نشتر سے بے نیاز نہیں ہو سکتی۔ کسی بھی نبی کی دعوت اور روئیداد کار کو لیجئے۔ آپ دیکھیں گے کہ نہ صرف معاشرے کے فاسد تصورات و احوال کو نشانہ تنقید بنایا گیا ہے بلکہ ہر نبی نے وقت کے جبابرہ کو ٹھیک ان کے درباروں میں جا کر غلط کار کہا ہے۔ یہاں تو نظام تمدن کی ساخت کو سامنے رکھ

کر یہ حقیقت سمجھائی گئی ہے کہ ہر بستی ،قوم اور ملک میں کچھ ''اکابر مجرمین'' پائے جاتے ہیں جو مکارانہ سیاست سے اپنا الو سیدھا کرتے ہیں۔(انعام:۱۲۴) ان کو ان کے مناصب پر رکھ کر کوئی اصلاح نہیں کی جاسکتی۔

اسلام جب عربوں کے درمیان جاہلیت کے نظام کو مٹانے اور تاریخ میں نئے زریں باب کا افتتاح کرنے اٹھا تو اس نے جھوٹ اور ظلم اور فساد کی ہر ہر شکل پر بغیر کسی رحم کے تنقید کی اور وقت کے جتنے بھی عناصر جاہلی نظام اور طاغوتی ماحول کے رہبر اور پاسبان اور کارپرداز بن کر معاشرے پر مسلط تھے اور جو اپنے مرتبے اور مفاد کے تحفظ کے لئے فلاح انسانی کے پیغام کا مقابلہ کرنے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ ان سب کا پول ایسی چیرہ دستی سے کھولا کہ ان کے ناپاک کرداروں کے بدل پر اعزازات کی مصنوعی پوشاکوں کا ایک تار بھی لگا نہ رہنے دیا ۔جوں جوں انسانیت دشمن طاقتوں کی حقیقت معاشرے پر کھلتی

گئی، رائے عام میں ایک بیداری شعور پھیلتی چلی گئی اور اسی کے ساتھ ساتھ تبدیلی پیاس تیز ہوتی گئی۔ اسلامی تحریک کے تنقیدی محاذ نے عوام الناس میں سوچنے سمجھنے، جانچنے، پرکھنے اور موازنہ وتقابل کرنے کی صلاحیتوں کو نشوونما دی۔ دعوت کا یہوہ پہلو تھا جو حق وباطل، خیر وشر اور درست ونادرست میں فارق بنا۔ اسی سے قد تبین الرشد من الغی کا سماں پیدا ہوا۔ اسی کے ذریعہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی نتھر گیا۔ اسی کے ذریعہ اندھیرے اور اجالے کا فرق کرنے والی بصارت کام کرنے لگی۔ اسی کے ذریعہ زہر اور شکر کے آمیزے کا تجزیہ ہوگیا۔ فاسد طاقتوں کے مظالم کو تو اسلامی تحریک کے جاں باز اپنی جانوں پر اف کئے بغیر سہتے رہے لیکن ان طاقتوں کے گھٹیا کرداروں سے خوشنما پردے اٹھانے میں انہوں نے کوئی کوتاہی نہیں کی۔ ان کے کام خطوط سیاست وتمدن کے دائروں سے باہر ہی باہر سے نہیں گذرتے تھے کہ وہ جاہلی نظام کی مذہبی وسماجی قیادتوں کو اطمینان دلا کر اپنا

فرض انجام دے سکتے کہ تم پختہ ہو کر اپنے منصوبوں اور مرتبوں پر بیٹھے رہو۔ ہم اللہ والے تمہارے کسی مفاد سے تعرض کرنے والے نہیں۔ ہمیں تو بس خدا کا نام لینا ہے اور اس کا کلمہ لوگوں کو سکھانا ہے۔ ان کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ ان قیادتوں کے سامنے شان انکسار سے کچھ خوشامدانہ باتیں کہہ کر، ان کو دم دلاسا دلا کر اور ان کی گرفت سے بچ کر اس انقلابی کلمہ حق کو پکار سکتے جس کا واضح مطمحانظام قسط کی اقامت تھا۔

اسلامی تحریک نے عین اپنے داعی اعظم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زبان مبارک کو اس تلخ فریضہ کی انجام دہی کے لئے استعمال کیا اور سماج کے پھوڑوں کو چیرا دینے کے لئے ٹھیک الہامی الفاظ سے نشتروں کا کام لیا۔ یہ تنقید مجرد اصول وتصورات ہی تک محدود نہ تھی بلکہ مزاحم ہونے والے بااثر طبقات اور حریف افراد بھی ان کی زد پر آئے اور بار بار آئے۔ یہ تنقید روزمرہ کے واقعاتی پس منظر کے ساتھ کی جاتی تھی اور جو کچھ

اقدامات اور کارروائیاں مخالف کیمپ کی طرف سے ہوئی تھیں۔ ان سب کا تجزیہ ساتھ کے ساتھ کر دیا جاتا تھا۔ اس طرح سے عوامی شعور کو تیار کیا گیا۔ یہ کام اگر نہ کیا جاتا تو کچھ پاکباز افراد اور نیکی کے کچھ محیر العقول مجسمے ممکن تھا کہ تیار ہو جاتے اور وقت کی دنیا بھی ان کو خراج تحسین پیش کرتی اور بعد کے لوگ بھی عجائب خانہ تاریخ میں ان کی یادگاری تصاویر دیکھتے تو عش عش کرتے۔ لیکن ماحول کا سارا دریا جوں کا توں یخ بستہ رہتا اور جاہلیت کی اندھیاریاں اس کو بدستور محیط رہتیں۔ نہ اندھیرے کا جگر چیرا جا سکتا اور نہ اس دریا کی زیر آب خوابیدہ موجوں کو جگایا جا سکتا۔ ممکن ہی نہ تھا کہ عوام میں انقلابی شعور پیدا ہوتا اور کارکنانِ اسلام کے اندر کشمکش کے رجحانات ابھرتے۔ پھر تو بات غار حرا پر ہی ختم ہو جاتی۔ کجا کہ کلمہ حق عرب کا فاتحہ بن کر مکہ میں داخل ہوتا۔

محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن کی

الہامی زبان میں تنقیدیں کر کے وقت کے اکابر کو نہ صرف عقل و دلیل کے لحاظ سے دیوالیہ ثابت کر دیا بلکہ اخلاق و کردار کے لحاظ سے بھی زمانے پر یہ راز کھول دیا کہ مرعوب کن اور نظر فریب پردہ ہائے عظمت و سیادت میں نہایت مکروہ غلاظتوں کے ڈھیر پڑے ہیں ۔ اسی تنقید نے عوام میں یہ احساس پیدا کیا کہ جب تک تحریک اسلامی سے تعاون کر کے ان طاقتوں کو زندگی کی قیادت سے برطرف نہ کر دیا جائے ، زندگی سنوارنے کا کوئی امکان نہیں ہے ۔

قریش کو لیا تو ان کی بت پرستی ، ان کے اوہام ، ان کے مضحکہ انگیز مذہبی رسوم ، ان کی اخلاقی پستی اور ان کے زعم سیادت سارے ہی پہلوؤں سے کھولنے کی ہر بات کھول دی ۔ ان کے محبوب معبودوں کی بے بسی کو واضح کرنے کے لئے مثال دے کر بتایا کہ یہ سب کے سب مل بھی ایک مکھی تک خلق کرنے سے عاجز ہیں بلکہ اگر مکھی ان سے کوئی چیز اڑا لے جائے تو یہ اس

سے واپس لینے کی مجال بھی نہیں رکھتے۔ حضرت ابراہیمؑ کے نام لیوا ہونے پر ان کو جو فخر تھا۔ اس کو یوں توڑا کہ حضرت ابراہیمؑ کے پورے کے پورے زمانہ حیات کو بار بار ان کے سامنے پیش کر کے دکھایا کہ جس مشن کے لئے انہوں نے اپنی پوری زندگی کھپا دی تھی۔ گھر بار چھوڑا، پیری کی گدی پر لات ماری۔ نمرود کے سامنے بغاوت کے مقدمہ میں ملزم بنائے گئے اور زندہ جلائے جانے کی سزا تجویز ہوئی۔ پھر وہ اپنے رب کے مہاجر اور خانہ بدوش بنے۔ پھر انہوں نے ایک اجاڑ وادی میں آ کر اپنی دعوت اور خدا کی عبادت کا یہ مرکز قائم کیا جسے اب تم نے اپنی کمائی اور مذہبی پیشوائی کا ذریعہ بنا رکھا ہے۔ اب تم کو کیا حق پہنچتا ہے کہ اس موحد حنیف کے تمام نام لیوا اور جانشین بن کے بیٹھو۔ دار الخالیکہ تمہارا بال بال شرک اور جاہلیت کے بندھنوں میں بندھا ہوا ہے۔ پھر دکھایا کہ کیسے تم لوگوں نے حلال و حرام کی ایک انوکھی شریعت گھڑ رکھی ہے۔ دکھایا کہ تم نے استھانوں پر

چڑھاووں کے لئے کیسے کیسے ضابطے بنا رکھے ہیں۔ دکھایا کہ پانسے پھینکنے اور قمار بازی کرنے کو بھی تم نے رنگ تقدس دے رکھا ہے۔ دکھایا کہ کس طرح تم بیٹیوں کی پیدائش پر منہ چھپاتے پھرتے ہو اور سنگدل بن کر ان کو مٹی کے انباروں میں زندہ دفن کر دیتے ہو۔ اور پھر تمہیں خدا کے ساتھ بیٹیوں کو منسوب کرتے ہوئے شرم نہیں آتی۔ اس طرح جب کش مکش چھڑی تو ان کی لایعنی باتوں اور خفیف الحرکتیوں میں سے ایک ایک کو ان کے سامنے رکھ کر دکھایا کہ ذرا اپنے کردار کی شکلیں دیکھو۔ ان کے جرائم ان کے سامنے گنوا کر کہا کہ تم مسجد حرام کی تولیت پر نازاں ہو حالانکہ اپنے کفر و شرک کی بناء پر تم اس منصب کے مستحق بھی نہیں ہو۔ تم نے لوگوں کو خدا کی راہ سے روکا۔ تم نے کعبے کے دروازے بندگان حق پر بند کئے۔ تم نے اپنے بھائی بندوں کو جلا وطن کیا اور تم نے دین کی راہ میں فتنہ انگیزی کو اپنا شعار بنا لیا۔

پھر اہل کتاب کو لیا تو ان کا صدیوں کا نامہ اعمال کھول

کے ان کے سامنے رکھ دیا کہ کس طرح تم پیروان موسیٰ نے خود موسیٰ علیہ السلام کو قدم قدم پر اذیت دی تھی۔ بار بار نافرمانیاں کیں۔ بار بار بگاڑ کے راستوں پر پڑتے رہے۔ تم نے جھگڑے کئے۔ فساد اٹھائے بکھیڑے کی پوجا کی۔ جہاد سے جی چرا لیا۔ پھر آپس میں خون خرابے کئے۔ اپنے بندوق کو بے خاماں کرتے رہے۔ ان کے خلاف ظلم و عدوان کے ساتھ دھاوا بولتے رہے۔ تم نے کتاب الٰہی میں تحریک کی۔ حق بات کو ہمیشہ چھپایا اور احبار و رہبان کو اپنا معبود بنالیا۔ حد یہ ہے کہ اپنے ہاتھوں سے طرح طرح کی باتیں لکھ کر ان کو خدا سے منسوب کرتے ہو اور خلق خدا کو فریب دے دے کر حرام کمائیاں سمیٹتے ہو۔ نہ خود راہ حق پر چلتے ہو، نہ دوسروں کو چلنے دیتے ہو اور کوئی دوسرا اگر انسانی فلاح کا کام کرنے اٹھتا ہے تو اس کے ساتھ تعاون کے بجائے اس کے راستے میں کانٹے بچھاتے ہو۔ کل تک تم خدائی نوشتوں کی بناء پر زمانے بھر کو مژدہ سناتے رہے

ہو کہ نبی آخر الزماں آنے والا ہے اور جب وہ واقعی آ پہنچا تو تم اس کے خلاف صف آراء ہو گئے۔ مسلم جماعت جو بہت سے وجوہ سے تم سے اقرب ہے اور تمہارے انبیاء اور پہلے کی ساری کتابوں کو مانتی ہے۔ اس کے مقابلے میں تمہارا اقرار وہ اگر ملتا ہے تو ارباب شرک سے جا کر ملتا ہے۔ ان کرتوتوں کو کرتے ہوئے خدا کی کتاب برابر تمہاری پیٹھوں پر سوار رہی۔ بالکل ایسے کہ جیسے گدھے پر علم کے دفتر لدے ہوں اور وہ ان سے بے خبر چلا جا رہا ہو۔ تم اگر سچے ہوتے تو اپنی زندگیوں پر تورات کو قائم کر کے دکھاتے۔ جب تک تم نے کتاب الٰہی کو پس پشت ڈال رکھا ہے تمہارے خوشنما دعووں کی کچھ بھی وقعت نہیں ہے۔ آج تمہاری تعداد کثیر اس پستی میں آ پہنچی ہے کہ ایک دمڑی بھی اگر ان کے پاس امانت رکھوائی جائے تو ان کی خیانت سے بچ کر وہ مشکل ہی سے واپس مل سکتی ہے۔ اپنے اس رویے کی وجہ سے تم نے خدا کا غضب سمیٹا اور تم پر ذلت اور مسکنت چپک

دی گئی۔

پھر منافقین کو پکڑا تو ان کا پورا نفسیاتی تجزیہ کر کے انہیں دکھایا کہ تم کس ٹیڑھے زاویے سے ہر معاملے کو سوچتے ہو۔ تنہائی میں بیٹھتے ہو تو تحریک کے حالات و واقعات پر کس انداز سے الگ تبصرے کرتے ہو۔ مجالس میں آتے ہو تو تمہارا ڈھنگ کیا ہوتا ہے اور کس کس طرح باہم دگر اشارے کرتے ہو۔ کبھی لکڑی کے کندوں کی طرح ساکت ہو جاتے ہو اور تمہاری آنکھیں پتھرائی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ کبھی چپکے سے سٹک جاتے ہو۔ مسلم جماعت میں ہوتے ہو تو اور طرح سے زبان چلاتے ہو اور پھر دشمنوں میں جا بیٹھتے ہو تو دوسرا ہی راگ الاپتے ہو۔ ہر معاملے میں تمہارا رویہ جماعت سے الگ اور مختلف نوعیت کا ہوتا ہے۔ دوسروں کو اگر نغمہ الہام سے درس حیات اور سرمایہ تسکین ملتا ہے تو تمہارے دل اسے سن کر بھنچنے لگتے ہیں۔ دوسروں کے لئے رسول پاک کا وجود مرکز محبت بنا ہوا ہے اور تم اپنے آپ کو

Source: www.prophetmuhammadforall.org

دور دور رکھنا پسند کرتے ہو۔ دوسروں کا جذبہ دروں انہیں نماز کے لئے کھینچ کھینچ کے لاتا ہے اور تم ہو کہ دل سے کسمساتے ہوئے آتے ہو جیسے مارے باندھے کوئی بیگار آدمی کو پوری کر دیتی ہو۔ دوسرے اپنا سب کچھ تحریک کے قدموں میں نچھاور کرنے کے لئے بے تاب رہتے ہیں اور تم ہو کہ خود بھی خرچ نہیں کر سکتے اور اوروں کو بھی روکتے ہو۔ دوسرے اپنے نصب العین کی خاطر دل کی امنگ سے جہاد کے لئے نکلتے ہیں، لیکن تم ہمیشہ جان بچانا چاہتے ہو اور عذر گھڑ گھڑ کے راہ فرار نکالتے ہو۔ دوسروں کے لئے جس واقعہ میں خوشی کا پہلو نکلتا ہے، اس سے تمہارے دل ملول ہو جاتے ہیں اور دوسروں کو جن حالات میں تکلیف پہنچتی ہے۔ تم ان پر گھی کے چراغ جلاتے ہو۔ جماعت کے ساتھ کسی طرح بھی تمہارا جوڑ نہیں لگتا گویا اسلامی تحریک نے ہر منافق کے سامنے اس کی تصویر کھینچ کے رکھ دی کہ اپنے خدوخال ملاحظہ فرمایئے۔

Source: www.prophetmuhammadforall.org

جاہل شعراء جو تحریک اسلامی کے خلاف فن کا محاذ آراستہ کئے ہوئے تھے اور خود اس کے داعی اعظم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بارے میں ہجویہ کلام لکھ لکھ کر اسے شائع کرتے رہتے تھے۔ ان کو بھی لیا گیا۔ چند الفاظ میں ان کا ایسا نقشہ کھینچا گیا کہ جو پوری طرح ان پر راست بھی آتا تھا اور جسے دیکھ کر عرب کا عام آدمی فوراً اس نقشہ کی پستی کا اندازہ بھی کر سکتا تھا۔ جاہل شعراء کی شان یہ بتائی گئی کہ یہ وہ عنصر ہے جس کے گرد جمع ہونے والے اور جس کی امامت میں چلنے والے صرف گم کردہ راہ لوگ ہیں پھر یہ وہ عنصر ہے جو جو اپنے لئے اصولے پن کی وجہ سے ہر ہر وادی میں آوارہ گردی کرتا پھرتا ہے۔ پھر وہ عنصر ہے جو زبان سے وہ باتیں کہتا ہے جن کے مطابق اس کا اپنا عملی کردار نہیں ہے۔

پھر اسلامی تحریک نے وقت کے خاص خاص گھناؤنے کرداروں کو چھانٹ کر کسی نام کے بغیر ان کی تصویریں اعلیٰ درجہ

Source: www.prophetmuhammadforall.org

کے آرٹ کے ساتھ مطابق حقیقت ادبی رنگوں سے تیار کیں اور سماج کے عوامی شعور کے ایوان میں آویزاں کر دیں تا کہ ہر کوئی ان کو دیکھے۔ ان کو سمجھے اور ان کو واقعاتی دنیا میں خود پہچانے۔ کہیں اس کردار کو دکھایا جو اپنے باتونی پن کے زور سے لوگوں کو مرعوب کر لیتا ہے لیکن عمل کے میدان میں اپنی خوشنما باتوں کو پامال کر کے انسانی سماج میں فتنہ انگیزی کرتا اور تباہی کی آگ لگاتا ہے۔ کہیں اس کردار کو بے نقاب کیا۔ جو خاندانی اور قائدانہ غرور کے نشے میں بدمست رہتا ہے اور اپنی عزت کے حد سے بڑھے ہوئے احساس نے اس کی ناک کو اتنی اہمیت دے دی ہے کہ وہ گویا ہاتھی کی سونڈ سے مماثل ہوگئی ہے اور قیامت کے دن ٹھیک اس سونڈ پر داغ دے کر اسے سزا دی جائے گی۔ کہیں اس انسانی کردار کو دکھایا جس کو ہوس دنیا نے اسے کتے کی سی عادتوں پر لا ڈالا ہے جس دھتکارو تو بھی زبان لٹکا دیتا ہے اور چھوڑو بھی زبان لٹکا دیتا ہے۔ یہ کردار سماج میں موجود تھے اور

چاروں طرف بکھرے ہوئے تھے۔ ان ناقابل تصاویر کی وجہ سے ان کو پہچاننا اور ان کی پستی کا شعور حاصل کرنا عوام کے لئے مشکل نہ تھا۔

یہ تنقید محض نظری نہ تھی۔ واقعاتی کش مکش کے ساتھ متعلق تھی اور اس میں بہر حال تحریک اسلامی کے محاذ سے مخالف طاقتوں کو مخاطب کیا جاتا ہے۔ سنانے والے کو بھی معلوم تھا کہ وہ کس کو سنا رہا ہے اور سننے والوں کو بھی اندازہ ہوتا تھا کہ کون ان کی خبر لے رہا ہے۔ یہ تنقیدیں آسمان سے لاؤڈ اسپیکر لگا کر نہیں سنائی جاتی تھیں بلکہ یہ محمد صلی اللہ وآلہ وسلم کی زبان سے نشر ہوتی تھیں اور انہیں مسلم جماعت کے ارکان کوئے کوئے تک پہنچاتے تھے۔ اس لئے ان کے جذبات ان میں شامل اور ان کی روحیں ان میں حل ہوتی تھیں۔ یہ واقعاتی مدوجزر پر منطبق کر کے ہی سنائی جاتی تھیں اور سننے والے بھی ان کو زیر تشکیل تاریخ پر منطبق کر کے ہی سمجھتے تھے۔ عوام ان کو اسی حیثیت سے

Source: www.prophetmuhammadforall.org

لیتے تھے کہ یہ اس تعمیر پسند انقلابی طاقت کی پکار ہے جو ہمارے درمیان ابھری ہے اور قدم نظام کو چیلنج کر رہی ہے اور اس زد ان حریفوں پر پڑ رہی ہے جو انقلابی زد میں مزاحم ہو رہے ہیں۔ ان کو موقع ملتا تھا کہ وہ دونوں طرف کی باتیں سنیں اور فریقین کو تقابل پر رکھ کر جانچیں۔ اس طریقے سے ان کا شعور بنتا چلا گیا۔

دلیل شعور کی روشنی بن سکتی ہے مگر جذبات کو بس پکارتی۔ اپیل جذبات کو حرکت دلا کر دعوت میں کچھ گرمی پیدا کر دیتی ہے مگر وہ تاریخ میں عملی معرکہ پیدا نہیں کر سکتی۔ یہ تنقید ہی کی طاقت ہے جو دلیل اور اپیل کے ساتھ مل کر جب کام کرتی ہے تو تمدن کے سارے سالمات گردش میں آ جاتے ہیں۔ صرف یہی طاقت ہے کہ وقت کے سمندر میں مدوجزر پیدا کر دیتی ہے۔

خلاصہ مدعا یہ کہ اسلامی تحریک نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے دلیل، اپیل اور تنقید کے سہ گانہ عناصر سے کام لیا

Source: www.prophetmuhammadforall.org

اور ۲۳ برس تک مسلسل کام لیا۔ انہی سہ گانہ طاقتوں نے حریفوں کو بھی محسوس کرادیا کہ تم علمی و عقلی لحاظ سے فرومایہ، استدلال کے لحاظ سے کمزور اپنے مقاصد کی جذباتی کشش کے لحاظ سے پسماندہ اور اپنے کردار کے لحاظ سے بہت ادنیٰ سطح پر ہو۔ مخالفین میں مسلم جماعت کی برتری کا اعتراف اور اپنی کمزوری کا احساس غیر شعوری طور پر بڑھتا ہی چلا گیا اور دوسری طرف رائے عام بھی فریقین کو ہر پہلو سے جانچ کر ان کا فرق بھی سمجھتی گئی۔ دعوت کی یہ وہ اصل طاقتیں تھیں جنہوں نے عرب کے لاکھوں باشندوں کو مفتوح کرلیا۔ دعوت اگر برحق نہ ہوتی، روحوں کے لئے جاذب نہ ہوتی، اپنے علمبرداروں کو متحرک کر کے رزم خیر و شر میں اتار نہ سکتی۔ اور دلیل اپیل اور تنقید کے ذریعہ اپنا لوہا منوا نہ لیتی تو مسلم جماعت نہ سیاسی حکمت کے دائرے میں بازی جیت سکتی تھی اور نہ میدان جنگ میں کوئی معرکہ سر کر سکتی تھی۔ ان جزوی میدانوں میں بھی اگر جیت ہوئی تو اس وجہ سے

ہوئی کہ رائے عام کے وسیع محاذ پر اسلام کی پیش قدمی بڑی ہی فاتحانہ تھی۔

مسلم کردار کی اخلاقی قوت

کوئی دعوت بھی اگر صرف لفظی دعوت ہو اور اس کے ساتھ اخلاقی زور موجود نہ ہو تو وہ کیسی ہی زریں کیوں نہ ہو اور تھوڑی دیر کے لئے دلوں پر کتنا ہی سحر کیوں نہ طاری کر لے۔ آخر کار دھوئیں کے مرغولوں کی فضاء میں تحلیل ہو جاتی ہے۔ تاریخ پر الفاظ سے کبھی کوئی اثر نہیں ڈالا جا سکتا اور اکیلی زبان کبھی انقلاب نہیں اٹھا سکتی۔ الفاظ تبھی موثر ہوتے ہیں جبکہ عمل کے لغت کی رو سے ان کے کچھ معنی ہوں۔ زبان کا جادو صابن کے سے خوشنما جھاگ اور رنگین بلبلے کسی ایک ذرہ خاک کو بھی اس کی جگہ سے ہلا نہیں سکتے اور ساتھ کے ساتھ مٹتے چلے جاتے ہیں۔ دلیل جب کردار کے بغیر آئے، اپیل جب اخلاص سے

خالی ہو، اور تنقید جب اخلاقی لحاظ سے کھوکھلی ہو تو انسانیت اس سے متاثر نہیں ہوا کرتی۔ کردار کی اخلاقی طاقت ہی کسی دعوت میں اثر بھرتی ہے۔ عمل کی شہادت کے بغیر زبان کی شہادت بے کار ثابت ہوتی ہے۔ حق یہ ہے کہ کبر مقتا عند اللہ ان تقولو مالا تفعلون۔

اسلامی تحریک کی دعوت نری منطقی دعوت نہ تھی اور وہ اکیڈمک طرز کی نظریاتی بحثیں لے کر نہیں آئی تھی۔ وہ سراسر ایک پیغام عمل تھی اور ایک تحریک اقدام! وہ ایک خاص طرز کا انسان بنانے آئی تھی وار وہ انسان اس نے اول روز سے بنانا شروع کر دیا۔ اس انسان کا طرز فکر اس کے خلاقی اوصاف اور اسی کا سن موہنا کردار تھا جو اس کے دلال کو حقیقی وزن، اس کی اپیلوں کو سچی جاذبیت اور اس کی تنقیدوں کو گہرا اثر دینے والا تھا تحریک اسلامی کا نیا انسان خود ایک محکم دلیل تھا۔ خود سب سے بڑھ کر موثر اپیل تھا اور اس کا سارا وجود پرانے ظام، حیوانی

Source: www.prophetmuhammadforall.org

ساخت کے انسان، فاسد جاہلی ماحول، جامد سماج اور اس کا نا اہل قیادت پر ایک بھرپور تنقید تھا۔ جاہلیت کے پاس اس زندہ دلیل، اس زندہ اپیل اور اس زندہ تنقید کا کوئی جواب نہ تھا۔ اس کا کوئی توڑ نہ تھا۔ وہ اس کے مقابلے میں بالکل بے بس تھی۔ وہ نیا انسان کہ جس کا انتہائی معیاری نمونہ سرور عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ذات میں دنیا کے سامنے تھا اور جس کے بے شمار پیکر اپنی اپنی سیرتوں کے چراغ اس قمر منیر آ کی شعاعوں سے روشن کر رہے تھے۔ وہ ایک ایسی قطعی اور ٹھوس حقیقت تھا کہ اس سے آنکھیں بند کرنا بھی اس کی نورانیت پر ایک شہادت تھا۔ اس کا انکار کرنے، اسے ٹھکرانے والے بھی اپنے رویے سے اس کی عظمت کا اعلان کر رہے تھے۔ مکہ میں انسان نے اپنی انفرادیت کی شان دکھائی تھی اور مدینہ میں آ کر اس نے اپنی اجتماعیت کا جلوہ دکھایا۔

تحریک اسلامی اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس

نئے انسان کی تعمیر کے اصل کام سے کبھی غفلت نہیں برتی۔ دوسروں کی اصلاح کرنے کے جذبے میں اسے کبھی فراموش نہیں کیا اور دوسروں پر تنقید کرنے میں گم ہوکر اس کی کمزوریوں پر گرفت کرنے اور اس کی اصلاح کرنے میں کبھی تساہل سے کام نہیں لیا۔ وہاں دوسروں کی اصلاح سے مقدم اپنی اصلاح تھی۔ دوسروں پر تنقید کرنے سے زیادہ اہم اپنے تنقید کرنا تھا۔ باہر تبدیلی رونما کرنے سے پہلے اپنے اندر مطلوبہ تغیرات لانا ضروری تھا۔

ایک ایسے معاشرہ کے درمیان جس کی نگاہوں میں کمانے اور کھانے پینے سے زیادہ اونچا کوئی مقصد نہ تھا جس کی ہر محفل ایک میکدہ اور ایک قمارخانہ اور رقص گاہ تھی۔ جہاں شجاعت کا استعمال دنگے، فساد، قتل، انتقام در انتقام اور لوٹ مار کے علاوہ کچھ نہ تھا اور جہاں تمدن ایک ایسے جنگل میں بدل گیا تھا جس کے کچھاروں میں انسانی درندے دھاڑتے رہتے تھے

اور شریف اور مسکین لوگ ان کے لئے سستے شکار بنے ہوئے تھے..... وہاں جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب انسانیت کے ایک صالح قافلے کو جلو میں لئے ہوئے نمودار ہوئے تو اس کا وجود اول روز سے ماحول میں انتہائی نمایاں تھا۔ لوگ انسانیت کے اس نئے نمونے کو اچنبھے سے دیکھتے اور اسے ہر پہلو سے مختلف اور ممتاز پاتے۔ پھر اس کی پوری نشوونما ان کی آنکھوں کے سامنے ہوئی اور اس کی تعلیم وتزکیہ کا سارا کام از اول تا آخر عوام الناس نے خوب اچھی طرح دیکھا۔

خواص اور عوام ہر صبح اور ہر شام دیکھتے تھے کہ کلمۂ اسلام یکے بعد دیگر اچھے اچھے افراد کو کھینچتا چلا جاتا ہے۔ یکا یک دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر لوگ اٹھتے ہیں اور اپنے آپ کو اس انقلابی تحریک کے سپرد کر دیتے ہیں۔ وہی جو پہلے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف دانتوں اور ناخنوں تک کا زور صرف کر کے لڑ رہے ہوتے ہیں، اچانک وہی سرافگندہ ہو جاتے ہیں۔ جیسے

Source: www.prophetmuhammadforall.org

کسی نے ان پر جادو کر دیا ہو۔ پھر جو کوئی بھی کلمہ حق کو قبول کرتا ہے آناً فاناً اس کے ذہن و کردار میں خوش گوار تبدیلیاں آنے لگتی ہیں اس کی دوستیاں اور دشمنیاں بدل جاتی ہیں۔ اس کی عادات اور اس کے ذوق میں انقلاب آجاتا ہے۔ اس کے مشاغل نیا رنگ اختیار کر لیتے ہیں۔ اس کی پہلی دلچسپیاں ختم ہو جاتی ہیں اور نئی دلچسپیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ پھر وہ معاً انتہائی فعال اور سرگرم شخصیت سے آراستہ ہو جاتا ہے۔ اس میں ایک نئی طاقت ابھر آتی ہے۔ اس کی سوئی ہوئی صلاحیتیں جاگ اٹھتی ہیں۔ اس کے ضمیر کا چراغ پوری لو دینے لگتا ہے۔ اس کا احساس انگڑائی لینے لگتا ہے۔ اس کے تخیل کو نئے بال و پر مل جاتے ہیں۔ اس کے سینے میں حسن خلق کی کلیاں ایک ایک کر کے چٹکنے لگتی ہیں۔ اور ان کی نکہت فضاء میں پھیلتی ہے۔ جو شخص کافر سے مسلم بنتا تھا۔ اس کے اندر سے گویا بالکل ایک دوسرا آدمی نمودار ہو جاتا۔ وہ خود بھی محسوس کرتا کہ میں اپنے ماحول سے کچھ مختلف اور بالکل

نئی چیز ہوں اور ماحول بھی دیکھتا کہ وہ اب ویسا نہیں رہا۔ جیسا پہلے ہوا کرتا تھا۔ قاتل آتے اور انسانی جان کے محافظ بن جاتے۔ چور آتے اور امین بن جاتے۔ زانی آتے اور عفت و حیاء کے پیکر بن جاتے۔ ڈاکو آتے اور صلح و آشتی کے معلم بن جاتے۔ کج خلق آتے اور حلیم اور متواضع بن جاتے۔ سود خوار آتے اور انفاق کرنے والے بن جاتے اور ان کے اندر سے اعلیٰ قابلیتوں کے سوتے ابل پڑتے۔ ادنیٰ سماجی مرتبوں سے اٹھتے اور شرف کی بلندیوں کو چھو لیتے۔ جیسے یہ کسی اور ہی دنیا کی مخلوق بن گئے ہوں، جیسے یہ مٹی کے پتلے نہ ہوں بلکہ کسی دوسرے جوہر سے انہوں نے وجود پایا ہو۔

یہ خدا کے پرستار، رسولؐ کے دیوار نے، شمع صداقت کے پروانے، نیکی کے نقیب، بھلائی کے داعی، بدی کے دشمن، ظلم کے مخالف!..... یہ رکوع و سجدہ میں قرار دپانے والے، یہ قرآن پڑھتے ہوئے گریۂ بے تاب میں کھو جانے والے، یہ دنوں کو

مقصد کے لئے دوڑ دھوپ کرنے والے، اور راتوں کو اللہ سے لو لگانے والے، مسکینوں کو کھلانا کھلانے والے، مسافروں کی خبر گیری کرنے والے، یتیموں اور ہواؤں کے سروں پر شفقت کا ہاتھ رکھنے والے، لہو ولعب سے بے تعلق تعیشات سے مجتنب فضول بحثوں سے کنارہ کش، سنجیدگی و وقار کے پیکر، شائستگی و سلیقہ کے مجسمے ..... اور یہ محفل ہستی میں اجنبی بن جانے والے لوگ، یہ اپنی ہی بستیوں میں رہ کر غریب الوطن! ..... آخر کیسے ممکن تھا کہ سارے عرب کی نگاہیں ان پر مرتکز نہ ہو جاتیں۔

یہ علمبر داران اسلام! جو بغیر کسی لوث کے ایک مشن کی خدمت میں ہمہ تن محو تھے۔ کسی معاوضے کے بغیر تحریک کے ہمہ وقتی کارکن تھے اور دنیا کی بھائی کے لئے اپنے مفاد کو بالائے طاق ڈالے ہوئے تھے۔ یہ اپنے مقدس نصب العین کے لئے دماغوں کی کاوشیں، جسموں کی طاقتیں، جیبوں کے مال اور وقت آنے پر اپنی اور اپنے بچوں کی جانیں تک صرف کرنے

والے لوگ تھے۔ نہ ان کو معاش کی فکر تھی، نہ تن بدن کا ہوش تھا۔ نہ راتوں کی نیند کا خیال، نہ بیوی بچوں میں مگن رہنے کی مہلت نہ کھیل تماشوں سے دل بہلانے کی فرصت، بلکہ ان کا پیشہ تھا تو وہی، مشغلہ تھا تو وہی، تفریح تھی تو وہی، اور ذریعہ، آرام وسکون تھا تو وہی کہ سچائی کا بول بالا ہو۔ انہوں نے ہنستے مسکراتے، مخالفوں کی گالیاں سنیں۔ بہادرانہ شان سے جبر کے وار سہے۔ خوشی خوشی فاقے کاٹے۔ روحانی مسرت کے ساتھ وطن چھوڑے۔ صبر کے موقع پر انتہا درجہ کا صبر دکھایا اور مقابلہ کرنے کا وقت آیا تو مضبوط ہاتھوں سے مقابلہ کیا۔ احد احد کہتے پتی ربیت پر لوٹ گئے۔ وجد آفریں شعر پڑھتے پڑھتے سولیوں پر لٹک گئے۔ گھائل ہو کر گرے تو مائل پرواز روح جھوم کر پکار اٹھی "فزت برب الکعبة" رب کعبہ کی قسم! میں تو مراد پا گیا!..... یہ کردار ہو اور پھر بھی دنیا سرنگوں نہ ہو جائے!

اس مسلم کردار نے ہر موقع پر ایسی زریں مثالیں قائم

کیں کہ زندگی کی پیشانی ان کے نور سے یوم آخر تک جگمگاتی رہے گی۔ اس کردار کے مربی نے مقتل سے روانہ ہوتے ہوئے اپنے قاتلوں کی امانتوں کی واپسی کا اہتمام کیا۔ اس کردار نے میدان احد میں ہندہ کے سر پر تلوار رکھ کر اٹھالی کہ اسے ایک عورت پر تیغ آزمائی کرنا گوارا نہ ہوا۔ اس کردار نے زنا کا جرم سرزد ہوجانے پر بطور خود پیش ہوکر اقرار جرم کیا اور اسلامی عدالت سے باصرار انتہائی سنگین سزائے موت اپنے لئے قبول کی تا کہ وہ خدا کے حضور میں پاک ہوکر پیش ہوسکے۔ اس کردار کو قبول اسلام کے چند منٹ بعد ایک پیکر حسن نے دعوت عیش دی تو اس نے یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ اب میں خدا اور رسولؐ کی نافرمانی نہیں کرسکتا۔ ایک جنگی سفر میں قبیلہ ازد سے فوج کا گذر ہوا تو ایک مسلمان سپاہی نے ضرورتاً وہاں سے ایک اونٹ لے لیا۔ لیکن یہ اس مسلم کردار کی شان تھی کہ باز پرس کی اور فوراً اونٹ واپس کردیا۔ ایسی صدہا مثالیں، نت نئی مثالیں جس انسانی ماحول

میں نمودار ہوتی ہوں گی۔ اس پر تو ہر روز زلزلہ طاری ہوتا ہوگا۔

کیا دنیا ان کا ایثار دیکھ دیکھ کر مبہوت نہ ہوتی ہوگی کہ انصار نے اپنے گھر بار اور مال و منال آدھوں آدھ بانٹ کر مہاجرین کے سامنے رکھ دیئے؟ کیا عوام کے دل اس مساوات کا سماج دیکھ کر کھینچتے نہ ہوں گے کہ ادنیٰ ترین غلام خاندانی ہستیوں کے ساتھ اور غریب طبقوں کے افراد اہل ثروت کے ساتھ اور گھروں سے اجڑ کر آنے والے لوگ مدینہ کے مقامی باشندوں کے ساتھ صف واحد میں کھڑے ہیں۔ ہر ایک کو اہمیت حاصل ہے۔ ہر ایک کی عزت ہوتی ہے۔ ہر ایک کی رائے وزن رکھتی ہے اور ہر ایک کو ذمہ داریاں اٹھانے اور جوہر دکھانے کا موقع ملتا ہے۔ یہ ایک برادری ہے۔ جس کے سارے افراد اچھے حالات میں بھی شریک رہتے ہیں اور تیلیف اور مصیبت میں بھی حصہ دار بنتے ہیں۔ ان کے غم مشترک، ان کی مسرتیں مشترک، ان کا سوچنا مشترک، اور ان کے اقدام مشترک! بھوک کا دور

ہے تو اس میں سب سے بڑا حصہ دار سوسائٹی کا قائد ہے اور خوشحالی کا دور آتا ہے تو اس میں سب سے کم حصہ وہ اپنے لئے لیتا ہے۔ جاہلی تصورات کے مطابق اونچے اور نیچے خاندانوں کے درمیان شادی بیاہ کے تعلقات لوگوں کو حیرت میں ڈال دیتے ہوں گے۔ رسوم ورواج کی بوجھل بیڑیاں کاٹ کر سادہ معاشرت کا جو نہج نکالا گیا تھا۔ اس کی طرف طبائع ازخود کھینچتی ہوں گی۔ کتنی محبت بھری زندگی تھی۔ کتنی ہلکی پھلکی، کتنی پرامن اور کتنی اطمینان بخش!..... صحیح معنوں میں حیات طیبہ!

پھر ماحول دیکھتا ہوگا کہ کیسی کیسی قابلیتیں ان لوگوں میں ابھر رہی ہیں۔ سچائی کے کلمے کی گھٹا جب کبھی کسی مقام پر برس جاتی ہے تو دلوں اور دماغوں کی سرزمین سے ایسی روئیدگی ہوتی ہے کہ بنجر فضاؤں میں گل ولالہ کے تختے آراستہ ہوجاتے ہیں۔ سارا عرب اس جماعت کو دیکھ رہا ہوگا کہ جس میں بعض لوگ علوم میں ترقی کر رہے ہیں۔ بعض لوگ قانون میں ماہرانہ

مقام حاصل کر رہے ہیں بعض لوگ اچھے زراعت کار اور تاجر بن رہے ہیں۔ بعض لوگ اعلیٰ درجہ کے کمانڈر ثابت ہو رہے ہیں۔ بعض لوگ انتظامی مناصب کی ذمہ داریاں اٹھانے کے اہل بن رہے ہیں۔ کچھ سفارت کے فرائض انجام دیتے دکھائی دیتے ہیں۔ غرضیکہ ہر آدمی کے اندر سے ایک نئی شخصیت رونما ہو کر برگ و بار لا رہی ہے۔

اس کردار کی تصویریں قرآن نے کھینچ کھینچ کر بار بار مخالفین کو بھی اور عوام کو بھی یہ احساس دلایا کہ دیکھو انسانیت کا یہ نمونہ جو نظریہ حق کے نور سے بنتا ہے کتنا افضل ہے اور امن و سلامتی کا حصول اگر ممکن ہے تو اسی کے ذریعہ ممکن ہے۔ اس کردار کو تحریک اسلامی نے اپنی دعوت کی سچائی کی دلیل بنا کر سامنے رکھا۔ پھر بار بار اس کردار کا تقابل جاہلی کردار سے بھی کیا۔ اہل کتاب کے کردار سے بھی کیا اور منافقین کے کردار سے بھی کیا دونوں کو آمنے سامنے رکھ کر دکھایا کہ دیکھو اور خود رائے

قائم کرو۔ میدان واقعہ میں تو یہ تقابل ازخود ہو ہی رہا تھا۔ اور زندگی کے ہر دائرے میں ہر ہر پہلو سے ہو رہا تھا۔

کشمکش کی حالت بیک وقت دو بڑے اثرات رکھتی ہے۔ کشمکش میں پڑ کر کردار بنتے بھی ہیں اور کشمکش میں پڑ کر ہی کردار تباہ بھی ہوتے ہیں۔ تحریک اسلامی نے پورا پورا اہتمام کیا کہ مسلم کردار کشمکش میں پڑ کر اور نکھرے اور سنورے اور اچھی طرح پروان چڑھے۔ چنانچہ تلقین اور تربیت اور تزکیہ کے کرے اہتمام کی وجہ سے مسلم کردار ترقی کرتا چلا گیا اور دوسری طرف جاہلی کردار کشمکش میں پڑ کر مسلسل پستی کی طرف لڑھکتا گیا۔ اور آخر کار بالکل غارت ہو گیا۔ مسلم کردار کو بار بار صبر کا درس دیا گیا۔ اس میں برداشت کی قوت اور اپنے موقف پر جمے رہنے کی صلاحیت پیدا کی گئی کہ اشتعال میں نہ آؤ۔ کبھی نصیحت کی گئی کہ فرزندان جہالت سے نہ الجھو۔ کبھی ہمت بندھائی گئی کہ ڈھیلے نہ پڑو دمایوسی کا شکار نہ ہو۔ کبھی تعلیم دی گئی کہ کسی گروہ کی دشمنی کے

جذبے میں آ کر انصاف کی راہ سے نہ ہٹو۔ کبھی ہدایت دی گئی کہ دنیا پرستوں سے اصلاح کی امید نہ لگاؤ اور ان کے پیچھے پڑ کر اپنا وقت ضائع نہ کرو۔ کبھی ارشاد ہوا کہ مخالفین کی صف میں اہل جاہ وحشمت کو دیکھ کر ان کے ٹھاٹھ باٹھ سے ذرا بھی مرعوب نہ ہو اور کبھی سبق دیا گیا کہ نتائج تک پہنچنے کے لئے عاجلانہ ذہن سے کام نہ لو۔ ان کے ہر نفسیاتی اتار چڑھاؤ پر نگاہ رکھی گئی اور ساتھ کے ساتھ ان کو فلاح کی راہ سمجھائی جاتی رہی۔ خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی جماعت کے ایک ایک فرد پر پوری طرح توجہ رکھی اور بہترین مواقع پر کبھی نصیحت سے، کبھی گرفت سے، کبھی زجر وتوبیخ سے، کبھی ناراضی سے، کبھی اظہار خوشنودی سے کام لے لے کر مسلم کردار کو نشوونما دی جس میں جیسی صلاحیتیں دیکھیں اور مزاج کی جیسی ساخت پائی اس کو اسی کی ضروریات کے مطابق مشورے دیئے۔ اور جس میں جس نوعیت کی کمزوری دیکھی، اس کے سامنے دین حق کا ویسا ہی اخلاقی

تقاضا بیان کیا۔ پھر اجتماعی عمل و اقدام کے دائرے میں مسلم جماعت نے جو کچھ طرز عمل دکھایا۔ اس پر ہر اہم واقعہ کے بعد کڑی تنقید کی۔ بدر و احد کے معرکے ہوں یا صلح حدیبیہ کا معاملہ۔ تحویل قبلہ ہو یا واقعۂ افک۔ ہر اہم تاریخی واقعہ کے بعد ایک طرف مخالفین کا طرز عمل عوام کے سامنے دکھ دیا۔ اور دوسری طرف اپنی جماعت کا بے لاگ محاسبہ کر کے ساری کمزوریاں برسر عام واضح کیں اور ان کے انسداد کے لئے تدابیر بتائیں۔ دشمن کے حق میں اگر اپنے رفقاء کوئی غلط اقدام کر بیٹھے تو اس پر پردہ ڈالنے اور اسے صحیح ثابت کرنے کی کوشش نہیں کی۔ بلکہ دشمن کے سامنے غلطی کا اعتراف کیا۔ کوئی جان سہواً لی گئی تو اس کا خوں بہا ادا کیا۔ واقعہ نخلہ کے سلسلہ میں اپنے رفقاء پر گرفت کی۔ حضرت خالد نے کلمہ پکارنے والوں کو غیر مخلص سمجھ کر سہواً قتل کر دیا تو ان کے اس فعل سے بریت اور بیزاری کا اظہار کیا۔ صورت واقعہ یہ نہ تھی کہ مسلم کردار (باستثنائے آنحضور صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم) معصوم عن الخطا تھا اور کسی سے کوئی سہو یا لغزش نہ ہوتی تھی۔ نہ اسے اس حیثیت سے پیش ہی کیا گیا تھا بلکہ وہ اپنی مجموعی ساخت کے اعتبار سے پاکیزہ تھا اور اس میں قبول اسلام کی استعداد اور نشوونما کی صلاحیت تھی۔ وہ بہ حیثیت ایک کل کے جاہلی کردار سے بین طور پر فائق و افضل تھا اور برابر پیش قدمی کر رہا تھا۔

کسی جمی جمائی قیادت اور بنے بنائے ماحول کا مقابلہ کرنا کوئی کھیل نہیں ہوتا۔ یہ کام لمبے کام ہوتے ہیں۔ اس میں بڑی مار کھانی پڑتی ہے اور بڑے ٹھنڈے جوش سے ان معرکوں کو سر کیا جاسکتا ہے۔ ماحول کی قوت آگے بڑھنے والوں کو کمر سے پکڑ پکڑ کے برابر کھینچتی رہتی ہے۔ اصلاح کرنے والوں کو از سر نو بگاڑ دینا چاہتی ہے۔ ان کے دلوں میں نفوذ کے لئے رخنے تلاش کر کر کے کوشاں رہتی ہے کہ اپنے سے عقیدوں، اپنی سی رسموں اور اپنی سی عادات کو کسی طرح پھر ان میں گھسا دے اور

کوئی راہ ذہنی مصالحت کی نکال کر پیش قدمی کرے۔ ناسازگار حالات میں بھی کشمکش جب قوتوں کو مضمحل کر دیتی ہے اور ہمتوں کو تھکا دیتی ہے۔ تو بڑے بڑے مخلص لوگوں کے قدم پیچھے کھسکنے لگتے ہیں۔ آدمی کچھ انقلابی قدروں کو چھوڑ کر پرانی قدروں کو قبول کرنے پر تیار ہو جاتا ہے اصول و اعتقاد میں نہ سہی۔ ثقافتی آداب و اطوار، رہن سہن، وضع قطع میں بیرونی اثرات قبول کرنے پر تیار ہو جاتا ہے۔ بس اتنا سا راستہ کھل جائے تو پھر ماحول اسے آہستہ آہستہ فراخ کرتا چلا جاتا ہے اور بالآخر اپنے سارے لوازم اندر گھسا لے جاتا ہے..... تکمیل کار ایک نسل کے دور میں نہ سہی اگلی نسل کے عہد میں سہی۔ مگر تحریک اسلامی نے مسلم کردار کو تعمیر کرتے ہوئے اس خطرے کا پورا پورا لحاظ رکھا۔ اسے بہت ہی آہنی ساخت دی اور تحفظ کی پوری تدابیر اختیار کیں ایک طرف تو اسے اشداء علی الکفار یعنی مخالفوں کے مقابلے میں ایک مضبوط چٹان بنانے کے لئے رحماء بینھم ہونے کا

درس دیا۔ اور دوسری طرف غیروں کی تقلید، غیروں کی مرعوبیت غیروں سے روادارانہ تعلقات اور بے تکلفانہ قرابتر کھنے سے بالکل روک دیا۔ یہی ذہنی استحکام جماعت میں پیدا کرنے کے لئے نومسلموں کو حکم تھا کہ وہ ہجرت کر کے مدینہ میں آجائیں اور اگر کسی جگہ مقدر بہ افراد یکجا ہوتے اور ان سے "بیعت اعرابی" (یعنی ایسی بیعت جس سے ہجرت واجب نہ ہو) لی جاتی تو ان کو بھی یہ تاکید ضرور تھی کہ "فارقوا المشرکین" یعنی اہل شرک سے برادری، یعنی اہل شرک سے برادری، دوستی شادی بیاہ کے تعلقات نہ رکھو بلکہ اپنی سوسائٹی الگ اٹھاؤ، غیر مسلم والدین کی اطاعت کی تاکید کرنے کے ساتھ ساتھ یہ کڑا حکم بھی دیا گیا کہ اسلام سے انحراف کے لئے کہیں تو "فلا تطعھما" اسلام کے خلاف کسی کی کوئی اطاعت نہیں کی جاسکتی۔ اس کردار کی شان یہ تھی کہ وہ نہ ایران کی پرشکوہ تہذیب سے متاثر ہوا اور نہ روم کے ٹھاٹھ دار تمدن کے سامنے اس کا دل لپسیجا۔ وہ بڑے بڑے

درباروں میں اپنی بد دیانہ شان کے ساتھ قالینوں کو روندتا ہوا بغیر اپنی گردن جھکائے پہنچا اور کہنے کی بات اس طرح کہی جیسے وہ بونوں کے درمیان کھڑا بات کر رہا ہو۔ اس کردار کو جب ذہنی لحاظ سے اتنا مستحکم بنا دیا گیا اور ہر قسم کے احساس کہتری سے اسے بالاتر کر دیا گیا تو پھر اسے حریفوں نے میدان جنگ میں بھی پکارا تو اس نے شجاعت و استقامت کی زندہ جاوید نظیریں قائم کر دیں۔ دنیا نے دیکھ لیا کہ یہ کردار قلت تعداد اور کوتاہی اسباب کے باوجود نرم چارہ نہیں ہے بلکہ اس سے اویزش لوہے کے چنے چبانے کے ہم معنی ہے۔

اس مسلم کردار کے لئے بے شمار کٹر مخالفین ہوں گے۔ جو اس کا طنز و استہزاء کرتے ہوئے دل ہی دل میں محسوس کرتے ہوں گے کہ یہ ہم سے ہزار درجے افضل اور برتر ہے۔ بے شما حریف ظاہراً مخالفت کرنے کے باوجود باطن میں رشک کرتے ہوں گے کہ کاش کہ ہم بھی اس برادری میں شامل

ہوتے۔ اس کردار کو گالیاں دینے والے، اس کی ہجو کرنے والے اور اس کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے والے، کبھی کبھی لمحہ فکریہ میں پڑ کر اپنے آپ سے کہتے ہوں گے کہ ہم جھوٹ بول رہے ہیں اور اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہیں۔ چنانچہ بے شمار مواقع پر مخالفین نے زبانوں سے بھی اپنا دلی اعتراف بیان کر دیا۔ معرکہ احد کے خاتمہ پر جب پہاڑی پر کھڑے ہو کر ابو سفیان نے حضرت عمرؓ سے پوچھا کہ کیا محمد قتل ہو گئے ہیں، حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ "نہیں وہ زندہ ہیں اور تمہاری بات سن رہے ہیں"۔ تو ابو سفیان نے کہا کہ اگر ابو قیمہ کہتا ہے کہ میں نے محمدؐ کو قتل کر دیا مگر ہم تم کو اس سے زیادہ سچا سمجھتے ہیں۔ اسی طرح معاہدہ حدیبیہ سے قبل عروہ بن مسعود سفیر قریش نے مسلم جماعت کا جو منظر دیکھا۔ اس جن لفظوں میں اکابر قریش سے بیان کیا وہ اس تاثر کے گواہ ہیں جو اغیار پر مرتب پڑ رہا تھا۔ اسی طرح قیصر کے دربار میں ابو سفیان نے جو بیان اسلام کا مخالف

ہونے کے باوجود حضورؐ اور آپؐ کی تحریک کے بارے میں دیا۔ وہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ دشمنی کرنے والے بھی محمدؐ اور اسلام کی عظمت کا اعتراف رکھتے تھے۔ مدینہ کا تحصیل دار خیبر کے یہودیوں سے وصولی کرنے جاتا ہے تو اس کی تقسیم کی صحت دیکھ کر وہ گواہی دیتے ہیں کہ یہی عدل ہے جس پر آسمان و زمین قائم ہیں۔

آئے دن عرب کے کونے کونے میں نوخیز مسلم سوسائٹی کے انوکھے احوال کے چرچے ہوتے ہوں گے اس کے افراد کے تذکرے رہتے ہوں گے۔ لوگوں کی نگاہیں مدینہ پر لگی رہتی ہوں گی کہ وہاں کیا ہو رہا ہے لوگ ایک دوسرے سے پوچھتے ہوں گے کہ آج تاریخ میں نیا مد و جزر کیا واقع ہوا۔ مسافروں اور قافلوں کے ذریعہ روز مرہ احوال کی اطلاعات دور دور تک پھیلتی ہوں گی اور لوگ ہر آیند و روند سے دریافت کرتے ہوں گے کہ کوئی نئی بات سناؤ، گویا مدینہ کی ہر بات میں حد درجہ کی

"خبریت" (News value) پیدا ہوگئی ہوگی۔ جہاں دو آدمی اکٹھے ہوتے ہوں گے۔ محمدؐ اور مسلم سوسائٹی اور اسلامی تحریک اور مدینہ کی حکومت گفتگو کے اولین موضوع ہوتے ہوں گے۔ عورتیں مل بیٹھتی ہوں گی تو مدینہ کے بارے میں طرح طرح کی افواہوں کو نمک مرچ لگا کر بیان کرتی ہوں گی۔ ماں باپ بچوں کو خوش کرنے، بہلانے اور ڈرانے کے لئے نہ جانے مدینہ کے واقعات سے کیا کیا مواد لیتے ہوں گے۔ ہوا کا ہر جھونکا اسی مسلم کردار کی خوشبو لئے لئے نخلستانوں اور صحراؤں اور چشمہ گاہوں سے گذرتا ہوگا۔

اسلامی تحریک کی یہ اخلاقی قوت ہی اس کی دلیل وار اپیل کو موثر اور نتیجہ خیز بنانے والی تھی اور یہ مسلم کردار کی عظمت کا اعتراف تھا جس نے لاکھوں دلوں کو مسخر کر دیا..... یہاں ہم چند مثالیں بیان کریں گے کہ کس طرح اسلام کا مقناطیس ہر چہار جانب سے بکھرے ہوئے ذرات انسانیت کو اپنی طرف کھینچتا چلا

گیا۔

پہلے مکہ کے دور کو لیجئے، مشہور شاعر طفیل دوسی آتا ہے اور قریش اسے حضورؐ سے ملنے سے باز رکھتے ہیں۔ آخر وہ خود حاضر ہوتا ہے اور قرآن کی چند آیات سن کر محض ان کے اثر سے اسلام قبول کر لیتا ہے۔ عمرو بن عبسہ حضورؐ کا چرچا سن کے آتے ہیں اور اسلام دل میں جگہ پا لیتا ہے۔ حضورؐ کے بچپن کے ساتھی ضماد بن ثعلبہ ناصح اور چارہ گر بن کے آتے ہیں۔ مگر زبان مبارک سے خدا کی حمد کے چند بول سن کر ہی مفتوح ہو جاتے ہیں۔ ایک صحرائی قبیلہ جس کا پیشہ ڈاکہ زنی ہے۔ اس کا ایک نوجوان ابوذرؓ اسلام کا چرچا سن کر آتا ہے اور مخالف ماحول سے بچ بچ کر حضورؐ تک پہنچتا ہے۔ دعوت سنتا ہے اور تحریک حق کو اپنا دل دے بیٹھتا ہے۔ اس میں یکا یک ایک جذبہ اٹھتا ہے اور وہ حرم میں جا کر کلمہ حق کا اعلان کرتا ہے اور پھر اس جرم عشق کی تعزیر کا مزہ چکھتا ہے۔ پھر جو جو شخص تحریک اسلامی کے حلقہ میں داخل ہوتا گیا وہ

اپنے اپنے دائرہ اثر میں خود ایک داعی بنتا گیا۔ بعض کے اثر سے قبیلے کے قبیلے اسلام کو قبول کرتے گئے۔ سوید بن صامت حضورؐ سے ملاقات کرتا ہے اور گہرا اثر لے کے جاتا ہے۔ ایاس بن معاذ مدینہ سے آکر حضورؐ کی دعوت کا قائل ہو جاتا ہے اور پھر مدینہ میں نظام حق کی طلب پیدا کرتا ہے۔ نجران سے ۶۰ عیسائیوں کا وفد آکر حضورؐ سے اسلام کے پیغام کا شعور حاصل کرتا ہے اور باوجودیکہ قریش ان کو ورغلاتے ہیں۔ یہ لوگ حق کی روشنی کو سینوں میں جذب کر کے رخصت ہوتے ہیں مہاجرین حبشہ سے یمن کے لوگ متاثر ہو کر اسلام کو سینوں میں جگہ دیتے ہیں اور انہی کے ذریعہ شاہ نجاشی کا دل ایمان سے منور ہو جاتا ہے۔

مدینہ میں اوس وخزرج کے لوگ تو حضورؐ کی آمد سے پہلے ہی تیزی سے اسلام میں آرہے تھے اور حضورؐ کے ہجرت کر کے آجانے کے بعد تو کوئی گھر خالی نہ رہا۔ جس میں اسلام

کی روشنی نہ جا پہنچی ہو۔ حیرت ناک یہ تھا کہ یہود کا ایک عالم عبداللہ بن سلام حضورؐ کے ایک سادہ سے خطاب (ایھا الناس! افشوا السلام واطعموا الطعام وصلوا الارحام وصلوا باللیل والناس نیام) کو سن کر قریب آجاتا ہے اور تھوڑے سے غور وفکر کے بعد فیصلہ کر کے سرور عالم کی خدمت میں شہادت حق ادا کرتا ہے۔ اسی طرح عیسائیوں میں سے ایک نامور راہب و عالم ابوقیس صرمہ بن ابی انس تحریک اسلامی کی پکار پر لبیک کہتا ہے۔ جبیر بن مطعم بدر کے قیدیوں کو چھڑانے آئے تھے اور حضورؐ کی زبان سے چند آیات کو توجہ سے سننے کا موقع ملا۔ حقیقت ایسی منکشف ہوئی کہ انہوں نے محسوس کیا کہ جیسے دل پرواز کر گیا ہے۔ قریش کے علام ابو رافع مکہ کی طرف سے سفیر بن کر مدینہ آئے تو سینہ اسلام کے لئے کھل گیا۔ واپس جانے پر تیار نہ تھے۔ حضورؐ نے سمجھایا کہ سفیر کو روکا نہیں جا سکتا ..... "تم واپس جاؤ اور پھر اسلام کی کشش ادھر کھینچے تو مدینہ

آجاؤ۔ چنانچہ وہ مکہ گئے اور واپس آکر اسلامی جماعت میں شریک ہو گئے۔ بنوقریظہ کے خلاف ان کے جرائم کی سزا دینے کے لئے چڑھائی ہوتی ہے تو اس عالم میں ان کا ایک فرد عمرو بن سعد اسلام قبول کرتا ہے۔

ثمامہ بن اثال حنفی رئیس یمامہ قید ہو کر آتا ہے اور حضورؐ کے طرز عمل سے متاثر ہو کر اسلام جماعت کا ایک فرد بن جاتا ہے۔ غزوہ احد برپا ہے کہ عمرو بن ثابت اصیرم (بنی عبدالاشہل) عین اسی لمحے حق کے سامنے سر تسلیم خم کر کے سیدھے معرکہ کارزار میں شریک ہو جاتے ہیں اور شہادت سے فائز ہوتے ہیں۔ معرکہ خندق کے کٹھن حالات میں نعیم بن مسعود تحریک اسلامی کے قدموں میں آگرتے ہیں۔ ابو العاص مدینہ آتے ہیں تو بالکل غیر متوقع طور پر اسلام کا اعلان کرتے ہیں۔ خیبر کے یہود کو جنگی تیاریاں کرتے دیکھ کر ان کا ایک چرواہا اسود معلوم کرتا ہے کہ کس سے جنگ ہے اور کیوں؟ پھر جب

اسے معلوم ہوتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف تیاریاں ہیں۔ جنہوں نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے تو وہ جذبہ بیتاب لئے حاضر ہوتا ہے اور حقیقت معلوم کرتا ہے اور پھر مفتوح ہو جاتا ہے۔ حضرت خالد اور عمرو بن عاص جیسے ممتاز افراد (صلح حدیبیہ اور جنگ موتہ کے درمیان) یکا یک قریش سے ٹوٹ کر اسلامی ریاست کے ساتھ آملتے ہیں۔ جاہلیت کے محاذ سے لڑتے لڑتے اندر سے دل اکتا چکے تھے سو یکا یک ان کو تحریک اسلامی نے کھینچ لیا۔ فضالہ فتح مکہ کے موقع پر اور شیبہ بن ابی طلحہ معرکہ حنین کے موقع پر حضورؐ کے قتل کے ارادے کر کے پہنچے۔ مگر خود ہی تیغ حق سے گھائل ہو گئے۔ وفد ہوازن و بنو سعد کے آنے پر حضورؐ نے مالک بن عوف کو یاد کیا اور خواہش کی کہ وہ اسلام لائیں۔ پیغام پہنچنے پر مالک بن عوف ثقیف سے چھپ کر اگلے ہی دن حاضر ہو گئے۔ اور اسلامی محاذ پر آ گئے۔ قبیلہ، طئے پر اسلامی دستہ نے فتح پائی تو حاتم کی بیٹی قیدیوں میں مدینہ لائی

گئی۔ اس نے حضورؐ سے حسن سلوک کی درخواست کی۔ جسے قبول فرما کر آپ نے اسے سواری کا انتظام کر کے واپس بھجوا دیا۔ اس نے اپنے بھائی عدی بن حاتم کو جس کے دل میں اسلام کے خلاف غصہ کی آگ مشتعل تھی۔ سارا حال سنایا اور مدینہ حاضر ہونے کی تلقین کی۔ عدی آیا اور آ کر بچشم خود حالات کا پورا جائزہ لے کر جب محسوس کر لیا کہ حضورؐ خدا کے سچے نبی ہیں تو حلقہ اسلام میں داخل ہو گیا۔ کعب بن زہیر جس نے حضورؐ اور اسلامی تحریک کے خلاف شاعری کا محاذ کھول رکھا تھا۔ از خود مدینہ آیا اور عرض کیا کہ تائب ہو کر مسلمان ہوا ہوں۔ امان دیجئے۔ امان مل گئی۔ پھر اس نے وہ قصیدہ (بانت سعاد) پڑھا جو تاریخی حیثیت اختیار کر گیا۔ عبداللہ ذوالبجادین کو دیکھئے۔ کہ یہ بھولا بھالا نوجوان مدینہ سے چلنے والی نسیم کے جھونکوں سے متاثر ہو جاتا ہے مگر چچا کے ڈر سے اپنے ارمان کو سینے میں کچھ عرصہ دبائے رکھتا ہے۔ چچا سے مایوسی ہو جاتی ہے تو چچا کو، اس کے

مال وجاہ اس کے دیئے ہوئے لباس اور گھر کے ماحول کو لام وداع کہہ کر کمبل پوش بنا ہوا مدینہ پہنچتا ہے اور زندگی اسلامی تحریک کے حوالے کر دیتا ہے۔ بحرین کے قبیلہ عبدالقیس کے ایک تاجر منقذ بن حبان کاروباری سفر پر نکلے۔ مدینہ راستے میں پڑتا تھا۔ وہاں کچھ وقت کے لئے ٹھہرے۔ حضورؐ کے پیش نظر یہ نقشہ کار تو رہتا ہی تھا کہ بیرون حجاز کے علاقوں سے رابطہ بڑھانے کے ذرائع پیدا ہوں اور کام کے آدمی وہاں بھی تحریک کو حاصل ہوں۔ اس لئے اطلاع ملتے ہی خود تشریف لے گئے۔ دعوت پیش کی اور منقذ نے قبول کی گھر گئے تو بحث وتمحیص کے بعد ان کے والد بھی حلقہ اسلامی میں آ گئے۔ بعد میں قبیلہ کے عام لوگوں نے بھی ان کی مساعی سے اسلام اختیار کیا۔ متعدد لوگوں نے بادشاہتیں، سیادتیں اور عہدے چھوڑ کر اپنے آپ کو خدا کی عبودیت کے مقام پر لا کھڑا کیا۔

ان مثالوں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ دعوت حق کی

کھیتی کس طرح اگ رہی تھی۔ آج یہاں بیج بھونا، کل وہاں سے تخم اخلاص نے کونپل نکالی۔ صبح ادھر کوئی کلی چٹک گئی۔ شام ادھر کسی اکھوے نے آنکھ کھولی۔ جیسے شام کو آسمان پر تارے جگمگاتے ہیں۔ پہلے ایک، پھر دو چار پھر دس بیس، پھر سو پچاس پھر ہزاروں، لاکھوں بلکہ ان گنت۔ کویا ریت کے ذرے خواب جمود سے ایک ایک کر کے چونک رہے تھے۔ ایک نے انگڑائی لی۔ دوسرے نے سر اٹھایا۔ تیسرے نے حرکت کا آغاز کیا۔ چوتھے نے آنکھ کھولی! اور پھر جیسے وہ کرنوں کے پر لگا کے اڑنے لگے۔ اڑ کر باہم گلے مل گئے اور ان سے ایک نئی دنیا وجود میں آ گئی۔

ہم قبول اسلام کی تیز رفتار عوامی رو کا ذکر تو پھر بعد میں کریں گے جو ایک خاص مرحلہ آنے پر چلی اور لوگ جوق در جوق خود آگے بڑھ بڑھ کر تحریک کے دھارے پر بہتے چلے گئے۔ یہاں ہم صرف ان خواص کا ذکر کر رہے ہیں جو اپنے

اپنے حلقوں میں پیش رو نکلے۔ ایسے لوگوں میں جب کوئی ایک بھی مسلم بن جاتا تو پھر وہ اپنے قبیلے اور اپنے علاقے میں خود ایک داعی و معلم بھی ہوتا۔ اس کی ذات میں تحریک کا ایک مقامی مرکز کھل جاتا۔ وہ اپنے قول اور اپنے کردار سے کتنے ہی دوسرے ساتھیوں کو..... بسا اوقات پورے کے پورے قبیلوں کو ..... اسلام کی بارگاہ میں لا پیش کرتا۔ علاوہ ازیں خود مدینہ کے مرکز دعوت کی سرگرمیاں بھی اور اس کے علاقائی کارکنوں کی کوششیں بھی بے شمار ایسے آدمی پیدا کرتی جاتیں جو اگرچہ براہ راست اسلامی تحریک کے حلقے میں فوراً شامل نہ ہوتے لیکن اس کے ساتھ ہمدردی اور حمایت کا رویہ اختیار کر لیتے اور ایسے لوگوں کی ہمدردیاں اور حمایتیں بھی اپنی جگہ بڑا کام کرتیں۔ ایسے حامیان تحریک غیروں اور مخالفوں میں بھی بیٹھ کر بات کر سکتے تھے اور ان کی بات سننے میں کسی طرح کا تعصب حائل نہ ہوتا۔ ایسے لوگ قریش مکہ کے درمیان بھی بکثرت تھے۔ یہود میں بھی

تھے اور بدوی قبائل میں بھی۔ ایسے ہی افراد تھے جنہوں نے صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش کو معاہدہ کرنے کے لئے تیار کیا۔ ایسی ہی ایک شخصیت تھی جس نے جنگ احد کے بعد ابوسفیان کو پلٹ کر مسلمانوں پر دوبارہ حملہ کرنے سے روکا۔ ایسی ہی ایک شخصیت تھی جس نے حضورؐ کے زمانہ نظر بندی میں شعب ابی طالب کو جانے والے غلہ کو رکوانے کی مخالفت کی اور ایسی ہی شخصیتیں تھیں جنہوں نے سرے سے بائیکاٹ کے اس ناپاک معاہدے کو ختم کرلیا جو حضورؐ کے خاندان کے خلاف باندھا گیا تھا۔ ایسی ہی ایک شخصیت مخیریق یہودی کی بھی تھی جس نے یہودی ہوتے ہوئے اپنی جان تحریک اسلامی میں لگادی اور دوسرے یہودیوں کو بھی احساس دلانے کی کوشش کی۔ غرضیکہ اسلام لانے والی تعداد کے اردگرد ایک بڑا حلقہ ایسے حمایتیوں کا بھی ہر جگہ بنتا گیا اور وہ بھی تحریک کے فروغ کے ساتھ وسیع تر ہوتا گیا۔ اس عنصر کا بھی اسلام کے لئے راستے ہموار کرنے میں

بہر حال حصہ رہا ہے اور اس میں سے بیشتر لوگ بعد میں داخل اسلام ہونے کی سعادت سے بہرہ مند بھی ہوئے۔ غرضیکہ اسلامی انقلاب کے نقیبوں کا ایک جال سا سارے عرب میں از خود پھیلتا گیا۔ مدینہ ان سب کے لئے مرکز تحریک (Power House) تھا۔ جس سے قوت حاصل کر کے ہر طرف پھیلے ہوئے حق پرست کلمہ اسلامی کی برقی رو اپنے اپنے ماحول میں دوڑا رہے تھے۔ مدینہ گویا دھڑکتا ہوا دل تھا جس سے افکار و جذبات خون کی موجوں کی طرح عرب کے کونے کونے میں پہنچ رہے تھے۔ وہ ایک سورج تھا اور اس کے گرد دور دور تک پھیلے ہوئے اجرام روشنی حاصل کر کر کے فضاؤں کو منور کر رہے تھے۔

یہاں ہم سرسری طور پر ایسی چند مثالیں بیان کرتے ہیں جن سے اندازہ ہوگا کہ ایک یا چند افراد نے کس طرح پورے پورے قبیلوں یا علاقوں کو متاثر کیا۔ ایک مثال تو خود مدینہ ہی کی ہے اور شاید سب سے بڑی اور شاندار مثال ہے کہ ایک

نوجوان سوید بن صامت مکہ جا کر رسول خدا سے کلمہ اسلام کی روشنی حاصل کرتا ہے اور پھر آہستہ آہستہ ہی تعداد متاثر ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ مدینہ اسلامی تحریک کا مرکز بننے کے قابل ہو جاتا ہے۔ طفیل دوسی اپنے مزاج کی وجہ سے اگر چہ قبیلہ کو جلد متاثر نہ کر سکے لیکن ان کی وجہ سے یمن میں تحریک اسلامی کا تعارف ہو گیا۔ اور مہاجرین حبشہ سے متاثر ہو کر قبیلہ اشعر نے کسی خارجی تحریک کے بغیر اپنے آپ کو اسلام کے محاذ پر پیش کر دیا۔ ضماد بن ثعلبہ کی دعوت سے پورا قبیلہ ازوشنوہ حلقہ اسلام میں آ گیا۔ حضرت ابو ذر غفاری اسلامی نظریہ انقلاب کی روح سے سرشار ہو کر مکہ سے لوٹے تو ان کی دعوت سے ان کا آدھا قبیلہ نظام حق کا علمبردار بن گیا اور بقیہ آدھا حضورؐ کے مدینہ جانے پر مسلمان ہوا۔ پھر اسی قبیلہ غفار کے اثر سے قبیلہ اسلم میں بھی اسلام نے نفوذ کیا۔ اور آہستہ آہستہ یہ پورا قبیلہ بھی جاہلیت سے کٹ کر اسلامی انقلاب کا علمبردار بن گیا۔ منقذ بن حبان

مدینہ سے صداقت کا نور جذب کر کے اپنے وطن بحرین پہنچے تو دعوت حق کا کام شروع کر دیا اور لوگ متاثر ہونے لگے۔ چنانچہ کچھ عرصہ بعد یہ ۱۴ مسلم رفیقوں کا وفد لے کے مدینہ حاضر ہوئے۔ غرضیکہ بات وہی انجیل کی سامنے آتی ہے کہ خدا کی بادشاہت (دعوت حق) کی مثال خمیر کی سی ہے کہ ایک عورت نے ذرا سا خمیر آٹے میں ملا دیا اور وہ سارے کا سارا خمیر ہو گیا۔

جہاں کہیں اسلام پہنچتا اور مناسب تعداد متاثر ہو جاتی۔ وہاں لازماً مسجد کی بناء ڈالی جاتی۔ مسجد صرف ایک عبادت گاہ ہی کی حیثیت نہ رکھتی تھی بلکہ وہ اسلام کا تمدنی مرکز ہوتی تھی اور بہ یک وقت تعلیم گاہ، دار المشورہ، سماجی اجتماع گاہ اور مہمان خانہ کا کام بھی دیتی تھی۔ مسجد درحقیقت اسلامی تحریک کی ایک مرئی علامت (Symbol) ہوتی تھی اور علاقہ بھر میں مسجد کا وجود اس امر کا اعلان ہوتا تھا کہ یہاں اسلام پہنچ چکا ہے۔ اسی لئے حضورؐ ایک طرف تو مسلم قبائل کو ہدایت دیتے تھے کہ وہ مسجدیں بنائیں

اور دوسری طرف فوج کو حکم تھا کہ جہاں کہیں مسجد دکھائی دے اور جس بستی سے اذان کو پکار کو نجے وہاں تلوار کبھی حرکت میں نہ لائی جائے۔ یہ گویا مزید ترغیب تھی تعمیر مساجد کی۔ لوگ اپنے نئے انقلابی مسلک کا اعلان اور اظہار کرنے کی ایک مناسب شکل یہی پاتے تھے کہ بستی میں مسجد بنائیں۔ اس سے اذان کے پیرائے میں تحریک اسلامی کے عقیدوں کا اعلان کریں اور اس میں نظام نماز قائم کر کے اجتماعیت سے بہرہ مندہ ہوں۔ حضورؐ کی ترغیب کا نتیجہ تھا کہ خود مدینہ میں آپؐ کے عین حیات میں نو مسجدیں تعمیر ہوگئی تھیں۔ ایک مسجد اوائل ہی میں بحرین میں بھی موجود تھی اور مسجد نبوی کے علاوہ پہلا جمعہ اسی مسجد میں ادا ہوا۔ مساجد جہاں عوامی ادارات کی حیثیت رکھتی تھیں وہاں انہیں سرکاری سرپرستی بھی حاصل ہوتی تھی۔ مدینہ سے جن حضرات کو کسی علاقہ یا بستی میں سیول افسر بنا کر بھیجا گیا۔ وہی وہاں کی مسجد کے امام صلوٰۃ بھی ہوتے تھے۔ جو قبائل مدینہ کے

لیڈ منسٹریشن سے باہر ہوتے ان کی مسلم آبادی یا تو امام کے تقرر کے لئے حضورؐ سے مشورہ لیتی اور یا پھر حضورؐ کے بتائے ہوئے معیار پر خود کسی آدمی کا انتخاب کر لیتی۔ بہت سی مسجدیں ان تمام تاریخی مقامات پر تعمیر ہوئی تھیں جہاں حضورؐ نے کسی غزوہ یا سفر میں قیام کیا یا نماز ادا فرمائی یا کوئی اہم واقعہ رونما ہوا۔

معاہدانہ روابط

عوام میں دعوت و تعلیم کا جو وسیع کام مذکورہ بالا براہ راست طریق پر ہوا۔ اس کے ساتھ جو دوسرے بڑے بڑے اقدامات موثر حد تک مدد ہوئے۔ ان میں سے ایک مدینہ کے سیاسی اثرات کی توسیع کا کام تھا۔ جو بیشتر معاہدات اور حلیفانہ تعلقات کے ذریعہ عمل میں آیا۔ معاہدانہ رابطے کے ذریعہ حضورؐ کی حکومت کا دائرہ اثر کو وسیع کرنا اور اس معاملے میں غیر معمولی حد تک توجہ دینا یہ ظاہر کرتا ہے کہ آپؐ جنگ و جدل سے انتہائی

ممکن حد تک بچ کے نکلنا چاہتے تھے اور امن و آشتی کی فضاء چاروں طرف قائم کرنا چاہتے تھے تا کہ ایسی پرسکون فضاء میں دعوت حق کا ٹھنڈا کام بخوبی ہو سکے اور جنگی جذبات بیچ میں حائل نہ ہوں۔ جنگی کارروائیاں جہاں کہیں بقائے ریاست، بقائے امن یا بقائے اسلام کے لئے ناگزیر ضرورت بن گئیں وہاں تو آپؐ نے کسی درجے کی ہچکچاہٹ سے کام نہیں لیا لیکن اگر جنگ سے بچ کے نکلا جا سکتا ہو اور ریاست کا سیاسی تحفظ و استحکام اور دعوت کے لئے کھلا میدان امن و آشتی سے حاصل کرنا ممکن ہو تو پھر آپ نے لازماً صلح و آشتی کا راستہ اختیار کیا۔ خود ریاست کا وجود تلوار کے زور سے نہیں بلکہ دستوری معاہدے کے بل پر قائم ہوا اور پھر اس کے تحفظ کے لئے اور اس کے اثرات کی توسیع کے لئے آپ نے حلیفانہ روابط کو اتنے بڑے پیمانے پر ذریعہ بنایا کہ جنگی کارروائیاں ان کے مقابلے میں بالکل ہلکا تناسب رکھتی تھیں۔

معاہدات استوار کرنا اور حلیفانہ تعلقات قائم کرنا کوئی آسان کام نہیں ہوتا۔ خصوصاً جبکہ مذہبی اختلافات موجود ہوں۔ سیاسی تعصبات پیدا ہوجائیں۔ درمیان میں کھلی کھلی مخالف طاقتیں مداخلت کررہی ہوں اور معاملہ بالعموم ایسے قبائل اور عناصر سے ہو جو سابق تعلقات نہ رکھنے کی وجہ سے بالکل اجنبی ہوں۔ اس کام کے لئے بڑی سیاسی مہارت کی ضرورت ہوتی ہے۔ مخاطب کے حالات اور رجحانات کو دیکھنا، قوت کو پہنچاننا، توازن قوت کو سمجھنا جو کسی خاص لمحے مختلف اجزائے معاشرہ کے درمیان کارفرما ہو۔ مخالف طاقتوں کے اثرات کا مطالعہ کرنا۔ شرائط کی وہ خاص درمیان لکیر تلاش کرلینا۔ جہاں تک کسی قبیلے یا عنصر کو لایا جاسکتا ہو، اور پھر نفسیاتی لحاظ سے گفت وشنید میں اثر پیدا کرنا..... ایسے بیشمار لوازم پورے کرنے پڑتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دائرہ کار میں جس درجے کی سیاسی بصیرت اور قائدانہ مہارت اور

ڈپلومیٹک قابلیت کا نمونہ پیش کیا ہے۔ اس کی مثال کہیں نہیں مل سکتی اور اس وجہ سے نہیں مل سکتی کہ حضورؐ نے اتنے وسیع تعلقات مختلف حالات میں پیدا کرتے ہوئے کسی بھی موقع پر نظریہ حق، اپنے اخلاقی اصولوں اور اپنے سیاسی مرتبے کو ذرا سا بھی نقصان نہیں پہنچنے دیا۔ ورنہ ڈپلومیٹک دائرے میں جس بری طرح سے اصول اخلاق کا قتل عام ہوتا ہے۔ اس کی وجہ سے لفظ ''ڈپلومیسی'' بدنام ہو کر رہ گیا۔ خود سیاست آج ایک مکروہ مشغلہ اسی لئے بن کر رہ گئی ہے کہ سیاست کا کوئی اخلاق نہیں ہوتا اور یہ ایک ایسا ٹینک ہے کہ جدھر کو حرکت کرتا ہے۔ انسانیت کی قیمتی قدروں کو روندتا چلا جاتا ہے مگر حضورؐ نے ڈپلومیسی اور سیاست کا بالکل مفہوم بدل کے رکھ دیا۔ اور ان کاموں کو نہ صرف آلائشوں سے پاک کر دیا۔ بلکہ نیکی اور عبادت کی روح سے سجا دیا۔ اسلامی اصولوں کے ساتھ سیاسی ڈپلومیٹک سرگرمیوں کو جاری رکھنا اور پھر ان میں غیر معمولی درجے کی کامیابی حاصل کرنا اور

اس کے ذریعہ بے شمار بکھرے ہوئے قبائل کو اپنے گرد مجتمع کر لیا
آج کتابوں کے اوراق میں پڑھتے ہوئے آسان معمول ہوتا
ہے مگر ریگستان عرب میں جب عملاً یہ سب کام ہو رہا ہوگا تو
کرنے والا ہی جان سکتا ہے کہ کیسی کٹھن مہم ہوگی۔

معاہدانہ روابط کا یہ سلسلہ نہ صرف اس لحاظ سے دعوت
کی توسیع میں ممد تھا کہ حلیف قبائل میں مسلم داعیوں کی آمد و
رفت اور عوام سے گھلنے ملنے کے کھلے مواقع حاصل ہو جاتے
تھے۔ اور خود ان قبائل کے افراد کا رابطہ بھی مدینہ سے بڑھ جاتا
تھا۔ بلکہ یہ اس لحاظ سے بھی تحریک کے اثرات کی توسیع کا
موجب تھا کہ اس کی وجہ سے مسلم طاقت اپنی سیاسی بصیرت کی
وجہ سے عوام کی معتمد علیہ بنتی چلتی گئی۔ لوگ محدود مذہبی اور
صوفیانہ تصورات کے بنائے ہوئے نیک آدمیوں پر کتنے بھی
فریفتہ ہوں اور ان کے تقدس سے مرعوب رہیں لیکن وہ زندگی کی
قیادت کی باگ ڈور انہیں کبھی نہیں سونپا کرتے۔ زندگی کی

قیادت دنیا میں ہمیشہ ان عناصر کو دی جاتی ہے جن کے بارے میں اندازہ ہو کہ یہ کار پردازی کے لئے ضروری بصیرت رکھتے ہیں۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ لوگ کسی گروہ کے بارے میں بڑی ستائش سے کام لے کر کہا کرتے ہیں کہ وہ تو بڑے اچھے لوگ ہیں۔ بڑے نیک کام کرتے ہیں۔ بڑی خدمت خلق میں مصروف ہیں لیکن اس ستائش میں یہ تاثر بھی مضمر ہوتا ہے کہ کار دنیا کے لئے یہ سخت ناموزوں بھی ہیں۔ ایسے گروہ لوگوں کی یہ باتیں سن کر بارہا مغالطوں میں بھی پڑ جاتے ہیں کہ رائے عام ہمارے حق میں اچھی ہے۔ مسلم طاقت اگر ایسا انسانی کردار بنا کے سامنے لائی ہوتی جو مذہبی رنگ میں نیکی کا پیکر اور روحانی لحاظ سے تقویٰ کا مجسمہ تو ہوتا لیکن معاملات دنیا اور مسائل تمدن و سیاست میں کوئی اہلیت نہ دکھا سکتا۔ تو تاثر یہ تو ہوتا کہ کچھ بھلے لوگ ہیں اللہ والے ہیں۔ اچھی باتیں کہتے ہیں اور لوگوں سے نیک سلوک کرتے ہیں لیکن ایسا قطعاً ممکن نہ تھا کہ عوام الناس

ان سے کسی نام نو کی اقامت کی امیدیں باندھ سکتے اور ان کو سلطنت چلانے اور سماج کی قیادت کرنے کا اہل مان سکتے۔ اسلامی تحریک ایسے ''اللہ والے لوگ'' بنانے نہیں آئی تھی جو بحیثیت فرد بہت ہی اللہ والے، بھلے مانس اور مسکین تسلیم کیے جائیں۔ لیکن اجتماعی دائرے میں کارفرما اور کارپرداز بننے کے لئے سیاسی بصیرت کا ضروری سرمایہ نہ رکھتے ہوں۔ لوگ ان کو ایک متبادل مگر صالح تر قیادت کی حیثیت سے قبول نہ کریں اور ان کے ہاتھوں کسی روشن مستقبل کی تعمیر کی توقع نہ رکھیں۔ مسلم کردار جتنا زیادہ خدا پرست اور متقی تھا اتنا ہی زیادہ سیاسی بصیرت سے آراستہ تھا۔ اس معاملے میں اس نے اپنا سکہ اپنی عملی کارگذاری سے موالیا۔ جوں جوں لوگ محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے جلو میں اقدام کرنے والی مسلم طاقت کی قائدانہ صلاحیتوں سے متاثر ہوتے گئے۔ مدینہ ان کی امیدوں کا مرکز بنتا گیا اور اس کا نتیجہ یہی ہوسکتا تھا کہ ان کے دل بھی

اسی تدریج سے اسلام کے لئے کھلتے چلے گئے ۔ گویا دین کی دعوت اور سیاسی اثرات کی توسیع دونوں کام ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم تھے اور ایک دوسرے کے لئے مدّ!

یہ حقیقت ذہن میں رکھ کر ان معاہدانہ تعلقات کا جائزہ لیجئے ۔ جو حضورؐ نے بڑے وسیع پیمانے پر قائم کر دکھائے اور اس کام میں آپ کی رفتار کار حیرت انگیز حد تک تیز رہی ..... باوجودیکہ ذرائع رسل و رسائل کے لحاظ سے حالات سخت ناموافق تھے۔

ا۔ بیعت عقبہ

معاہدانہ روابط میں سرفہرست بیعت عقبہ آتی ہے جو بیک دم ایک پہلو سے مذہبی میثاق ہے اور دوسرے پہلو سے سیاسی معاہدہ۔ پہلی بار کی مجلس میں محسن انسانیتؐ کے ہاتھ پر انصاری نوجوانوں نے قبول رسالت کی بیعت کی اور دوسری بار

آپ کی سیاسی قیادت کا عہد بھی شامل کیا۔ مکہ سے منا کو جاتے ہوئے راستے کے دونوں طرف پہاڑوں کی متوازی دیواریں آتی ہیں۔ منیٰ سے کوئی ایک فرلانگ پھر پہلے بائیں ہاتھ کی پہاڑی میں نصف دائرے کا ایک خم ہے اور اس خم کے دامن کے طور پر ایک میدانی قطع دکھائی دیتا ہے۔ یہی وہ محفوظ جگہ ہے۔ جہاں راتوں کے پردہ سکوت میں بیعت ہائے عقبہ واقع ہوئیں۔ مدینہ میں یہود کی موجودگی کی وجہ سے انصار الہامی دین کا ذوق رکھتے تھے اور سلسلہ نبوت سے انہیں تعارف حاصل تھا۔ نیز آخری نبی موعود کی پیشین گوئیاں ان کے سامنے تھیں اور یہود کا یہ چیلنج بھی کہ جب وہ نبی آجائے گا تو ہم اس کے ساتھ ہو کر تم لوگوں کو مغلوب کریں گے۔ اس طرح انصار میں جہاں الہامی ہدایت کی طلب پیدا ہو چکی تھی وہاں غیر شعوری طور پر یہ جذبہ بھی اثر انداز تھا کہ وہ نبی آجائے تو ہم پہلے لبیک کہیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ اوس و خزرج کے درمیان باہمی آویزش کا جو سلسلہ

چلا آرہا تھا اس سے تھک کر وہ ایک دور امن کے خواہاں تھے مگر رکاوٹ یہ تھی کہ دونوں میں سے کوئی قبیلہ بھی سابق حریفانہ فضاء کی وجہ سے دوسرے قبیلہ کی قیادت قبول کرنے کے لئے آمادہ نہ تھا۔ ان کو کسی تیسری طاقت کی احتیاج تھی۔ یہ سارے وجوہ تھے جن کے زیر اثر مدینہ کے دہین اور شریف لوگوں کو جونہی سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے براہ راست تعارف ہوا اور حضورؐ کی دعوت سننے کا موقع ملا تو قبولیت کے لئے ان کے دل کھل گئے۔ نبوت کے چرچے تو ان تک پہلے ہی پہنچ چکے تھے لیکن بالمشافہ گفتگو نے انہیں قطعی فیصلہ تک پہنچادیا۔ آنحضورؐ کی وجاہت اور شخصیت کا اثر جب کلمات دعوت میں شامل ہوا ہوگا تو اس ذہنی انقلاب کی تکمیل ہوگئی ہوگی جس کے لئے انصار کی فطرت میں پہلے سے آمادگی موجود تھی۔ وہ لمحہ ایک عجیب نازک تاریخی لمحہ تھا۔ یعنی انصار (پہلی بیعت کے موقع پر) مدینہ سے یہ ارادہ لے کے چلے تھے کہ قریش سے حلیفانہ رابطہ استوار کریں

اور اگر ایسا ہوجاتا تو تحریک اسلامی کی تاریخ کا رخ کچھ دوسرا ہوتا۔ مگر عین وقت پر جماعت انصار کا ارادہ بدلتا ہے اور وہ قریش کا خیال چھوڑ کر اس نئی قوت سے رابطہ جوڑ لیتے ہیں جو تاریخ کے افق سے اپنی ابتدائی کرنوں کے ساتھ آغاز طلوع کر رہی تھی۔

پہلی مرتبہ کی بیعت میں حضورؐ نے چند اعتقادی و اخلاقی امور کا عہد لیا۔ یعنی معاہدہ باندھنے والے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ گردانیں گے۔ چوری نہیں کریں گے۔ زنا نہیں کریں گے۔ اولادوں کو قتل نہیں کریں گے۔ کسی کے خلاف کوئی بہتان نہیں گھڑیں گے اور معروف کے دائرے میں رسول خدا کی نافرمانی نہیں کریں گے۔

دوسری بیعت میں انصار نے ان امور کا اضافہ کیا کہ ''ہم رسول اللہؐ کے سامنے ہر حال میں سمع وطاعت سے کام لیں

گے۔ چاہے مشکلات درپیش ہوں یا آسانیاں ہوں۔ ہمارے دلوں کو کوئی حکم پسند ہو یا ناپسند اور خواہ کوئی بات ہماری رایوں کے خلاف ہو رہی ہو اور یہ کہ ہم اہل قیادت سے کشمکش نہیں کریں گے اور یہ کہ ہم کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔

ان مختصر الفاظ میں گویا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور انصار کے درمیان سیاسی رابطہ استوار ہو گیا اور اس جماعت نے واضح طور پر ایک سیاسی جماعت کی حیثیت اختیار کر لی۔ حضورؐ کی قیادت کو انہوں نے سمع وطاقت کے ساتھ پوری طرح قبول کیا۔ یہ اقرار بھی باندھا کہ ارباب قیادت کے خلاف کوئی کشمکش نہ کی جائے گی اور جاہ ومنصب کو چھیننے جھپٹنے کے لئے کوئی اقدام نہ ہوگا۔ مشاورت کا اصول طے پا گیا کہ ہر موقع پر حق بات پیش کی جائے گی اور اقامت دین کی جد وجہد کے بارے میں پیمان بندھ گیا کہ جو کچھ فرائض اور مطالبات اور ذمہ داریاں ہم پر عائد ہوں

گی انہیں دنیا بھر کے طعن و ملامت سے بے نیاز ہوکر سر انجام دیں گے۔ یہ ایسی بیعت تھی کہ اس کے بعد جونہی کوئی قطعہ ارضی (Territory) اس جماعت کے زیر اثر آجائے جس میں اس کے اوپر کوئی اور سیاسی اقتدار کا رفرمانہ ہو بلکہ قیادت اس کے اپنے ہاتھوں میں ہو تو یہ جماعت معاً ایک ریاست میں بدل جائے۔

ان امور کے ساتھ مزید یہ بھی طے پا گیا کہ حضورؐ کے مدینہ منتقل ہوجانے پر معاہدہ باندھنے والے انصار حضورؐ کی ایسی ہی حفاظت کریں گے۔ جیسی کہ وہ اپنی ازواج و اولاد کی کرتے ہیں۔ گویا مدینہ کی اسلامی جماعت اور حضورؐ کے درمیان دفاعی وحدت کا تعلق بھی قائم ہوگیا اور اس لحاظ سے بیعت عقبہ کی سیاسی قدر و قیمت اور زیادہ بڑھ کر "انقلابی" ہوجاتی ہے۔

پھر حضورؐ کے ارشاد سے انصار مدینہ کی اسلامی جماعت

کی طرف سے بارہ نمائندہ نقیب نامزد کئے جاتے ہیں جو حضورؐ کے سامنے جوابدہ ہیں۔ ان نقیبوں کے سر دعوت اسلامی کو پھیلانے کے علاوہ سیاسی ذمہ داری بھی ڈالی گئی۔ بقول عبداللہ بن ابی بکر حضورؐ نے ان نقیبوں سے فرمایا کہ ''تم لوگ اپنی اپنی قوم کے اسی طرح ذمہ دار ہو جیسے حضرت عیسیٰ کے سامنے ان کے حواری ذمہ دار تھے اور میں اپنے گروہ ..... یعنی مکی جماعت ..... کا ذمہ دار ہوں۔ (سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۳۶ تا ۷۵، عہدی نبوی کے میدان ہائے جنگ، ڈاکٹر حمید اللہ صدیقی، ص ۷ تا ۱۰)

نقیبوں کے تصور کے ساتھ مدینہ کے لئے جو تنظیمی ہیئت تشکیل دی گئی۔ وہ فقط مذہبی نہ تھی۔ بلکہ سیاسی و انقلابی تھی۔ ایسی ہیئت کی فطرت تقاضا کرتی ہے کہ وہ جلد از جلد ..... پہلا موقع ملتے ہی ..... ریاست کی شکل اختیار کرے۔ عالم واقعہ میں ہوا بھی یہی کہ حضورؐ کے جانے کے چند ماہ بعد اسلامی ریاست کی نیو

ڈال دی گئی۔

گویا اسلامی تحریک ابتدائی دعوت کا دور پورا کر کے سیاسی تعمیر کے دور میں داخل ہوئی تو معاہدہ کے ذریعہ داخل ہوئی نہ کہ جنگی قوت کا استعمال کرے۔

۲۔دستوری معاہدہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قیادت میں چلنے والی تحریک اسلامی کی تاریخ میں دوسرا عظیم ترین معاہدہ وہ ہے جس پر مدینہ کی اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی گئی تھی۔شاید دنیا بھر کی تاریخ میں مجرد کسی ایک ریاست کا قیام بھی بغیر تھوڑی بہت قوت استعمال کئے نہیں ہوا ہوگا۔کجا کہ معاملہ ایک نظریاتی ریاست کا ہو۔جس کے اساسی نظریئے نے ماحول میں ہلچل مچادی ہو۔پھر اس کا قیام ایک اجنبی ماحول میں اور کونا کوں عناصر کے تعاون سے عمل میں آئے۔یہ دستوری معاہدہ محسن انسانیت صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کی سیاسی بصیرت اور قائدانہ مہارت کی ایک ایسی مثال پیش کرتا ہے جس کا کہیں جواب نہیں۔ اس معاہدہ کے فریقوں کو دیکھئے تو ان میں مہاجرین شامل ہیں۔ انصار کے دو بڑے قبائل اوس وخزرج کے مسلم افراد شامل ہیں۔ ان کے مشترکہ اور یہودی افراد شامل ہیں۔ یہود کے متعدد قبائل شامل ہیں۔ درآنحالیکہ ان میں باہمی چپقلش موجود تھی۔

درحقیقت حضورؐ پاک ننہالی تعلقات کی وجہ سے مدینہ کو بچپن سے جانتے تھے کیونکہ وہاں رہ چکے تھے۔ پھر بحیثیت داعی حق آپؐ نے مکہ ہی کے آخری دو تین برس میں مدینہ سے رابطہ قائم ہو جانے کے بعد وہاں کے مخصوص حالات پر سیاسی نقطہ نظر سے اچھی طرح کاوش کی تھی۔ اور ہجرت کے بعد مدینہ آ کر تو براہ راست وہاں کے جملہ عناصر کے باہمی معاملات کا فہم حاصل کر لیا تھا۔ مدینہ کی کل آبادی اس وقت اندازاً پانچ ہزار ہوگی اور اس تعداد میں تقریباً نصف یہودی تھے۔ اس ساری آبادی

میں مہاجرین اور انصار کو ملا کر مسلم گروہ کی تعداد زیادہ سے زیادہ پانچ سو ہوگی۔ اسی نعال، بیدار اور منظم اقلیت کے بل پر حضورؐ نے ۵ ہزار کی آبادی کو اپنی قیادت کے حلقہ میں لے لیا۔ انصار کے دونوں قبیلے جو ۱۲ ضمنی قبائل میں بٹے ہوئے تھے۔ ایک تاریخ آویزش رکھتے تھے اور عام آبادی بھی تصادم در تصادم کے چکر سے تھکی ہوئی تھی۔ کیونکہ ہمیشہ کچھ عرب اور کچھ یہودی ایک طرف اور کچھ یہودی اور عرب دوسری طرف ہو کر جنگ وجدل میں پڑے رہتے تھے۔ اب امن کی پیاس موجود تھی اور اس مقصد سے ایک تعمیری قیادت کی طلب کارفرما تھی۔ کچھ ہی مدت پہلے قیادت کا خلا پر کرنے کے لئے عبداللہ بن ابی کی تاجپوشی کی تیاریاں شروع بھی ہو چکی تھیں۔ لیکن یکا یک حضورؐ اور آپؐ کی دعوت سے تعارف حاصل ہو جانے پر انصار ادھر متوجہ ہو گئے۔ خود یہودیوں کا حال بھی یہ تھا کہ ان کے دو بڑے گروہ جو داخلی طور پر ۱۰ قبیلوں میں منقسم تھے باہم دگر حریف تھے اور ایک غیر نسل

اور غیر علاقے میں انہیں اندیشہ تھا کہ کہیں مٹ مٹا نہ جائیں۔ پھر جب یکا یک حضورؐ نے انصار کو اپنے ساتھ وابستہ کر لیا اور ان کے ساتھ حلیفانہ روابط یہودیوں سے ٹوٹنے لگے تو اس وقت یہودیوں نے اپنے پیروں تلے سے زمین سرکتی محسوس کی۔ اس صورت حالات میں نبی اکرمؐ نے یہود کے حق میں وحی الٰہی کے تحت تالیف قلوب کرنے اور ان کے بہترین جذبات کو اپیل کرنے کی سعی بلیغ کی تو سیاسی وحدت قائم کرنے کے لئے میدان ہموار ہوگیا۔ مدینہ کی آبادی کے جملہ عناصر کو سمجھنا، ان کے مفاد اور مسائل کا شعور حاصل کرنا اور ان کی نفسیات کو مناسب رخ پر ڈھالنا اور پھر اس عظیم سیاسی کارنامہ کو بہت ہی کم مدت میں سرانجام دے لینا محسن انسانیت کی سیاسی عظمت سے ہمیں مرعوب کر دیتا ہے۔

مسلم جماعت جو اعتقاداً اور اخلاقاً محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قیادت کے تحت انتہائی مضبوط تنظیم رکھتی تھی اور پھر بیعت

عقبہ نے اسے ایک سیاسی انقلابی پارٹی کی حیثیت بھی دے دی تھی۔ نیز یہ اپنی اصولی دعوت کے زور سے نشوونما پانے کی صلاحیت بھی رکھتی تھی۔ اس نے مدینہ میں سیاسی لحاظ سے مرکزی اہمیت حاصل کرلی۔ انصار کے قبائل میں نہ کوئی جوابی نظریہ یا ردعمل موجود تھا اور نہ کوئی مقابل کی مثبت یا منفی ذہن کی قیادت ..... کیونکہ ان کے سرداروں کی بیشتر تعداد پہلے ہی اسلامی تحریک کی طرف کھنچ آئی تھی۔ ان کے اندر کے مشرک اور یہودی افراد اچھی خاصی بڑی تعداد رکھنے کے باوجود کوئی مخالفانہ حرکت نہیں رکھتے تھے بلکہ پرسکون تھے اور سیاسی حیثیت سے سرکردہ مسلم عناصر کے پیچھے چلنے والے تھے۔ یوں بھی کوئی اکا دکا عرب یا یہودی قبیلہ مسلم جماعت کے مقابلے میں کچھ بھی وزن نہیں رکھتا تھا۔ مدینہ کی آبادی کے عناصر کی یہ ترتیب حضورؐ کے نقشہ کار کے لئے بالکل سازگار تھی۔ اور آپؐ نے ابتدائی مسائل سے فارغ ہوتے ہی چند ماہ کے اندر اندر ریاست سیاسیہ کی تشکیل

Source: www.prophetmuhammadforall.org

کرلی۔ مذکورہ بالا معاہدہ جو یورپین مستشرقین کے تجزیہ کے مطابق ۵۳ دفعات پر مشتمل ہے۔ تاریخی ریکارڈ کی بناء پر اس معاہدے کے متعلق ایک اختلاف یہ ہوا ہے کہ بعض لوگوں نے پوری دستاویز کا ۱ھ ہجری میں لکھا جانا بیان کیا ہے اور دوسرا حصہ اس میں غزوہ بدر کے بعد شامل کیا گیا ہے۔ یعنی مغربی تقسیم کے مطابق دفعات ۱ تا ۲۳ اور ۲۴ تا ۴۷ دو الگ الگ حصے ہیں۔ ہم اگر اس دوسری رائے کو قبول کرلیں تو اس صورت میں بھی رسول خداؐ کی سیاسی حکمت کارفرما نظر آتی ہے۔ حضورؐ نے پہلے مہاجرین اور جملہ انصار (مسلم اور غیر مسلم) پر مشتمل ہیئت سیاسیہ کی تشکیل کردی۔ اس کے وجود میں آجانے کے بعد یہودی قبائل نے اپنے آپ کو الگ رکھتے ہوئے کمزور اور معرض خطر میں محسوس کیا ہوگا کیونکہ سیاسی لحاظ سے وہ بالکل ہوا میں معلق رہ گئے تھے۔ پھر جب انہوں نے مسلم طاقت کو میدان بدر سے اپنی توقعات کے خلاف فاتح بن کر نکلتے دیکھا ہوگا تو انہیں

فکر ہوئی ہوگی کہ ہم کو بروقت مدینہ کی ہیئت سیاسیہ میں اپنی جگہ بنالینی چاہئے۔

یہ دستوری دستاویز جس کی نظیر بقول ڈاکٹر حمید اللہ پہلے کی تاریخ میں قطعاً نہیں مل سکی۔ اعلیٰ درجہ کے سیاسی سلیقے سے لکھی گئی ہے۔ نہایت ہی محتاط دستاویزی زبان میں ہے اور اس میں حضورؐ نے اپنی مطلوبہ نظریاتی وسیاسی اقدار کو مختلف عناصر سے تسلیم کرایا ہے۔ یہ مناسب موقع ہے کہ ہم اس دستاویز کے اہم ترین مندرجات پر نگاہ ڈالیں تاکہ اس کی سیاسی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ کیا جاسکے۔

اس دستاویز کا آغاز بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے ہوا اور اس کا سرعنوان ہے "ھذا کتاب من محمد النبی صلی اللہ علیہ وسلم" ..... یعنی یہ نوشتہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے جو نبی ہیں۔ گویا پیرایہ آغاز ہی میں نظریہ اساسی

کی بنیاد رکھ دی گئی۔

اس دستاویز پر مبنی ہیئت اجتماعیہ کا مرکزی عنصر بہ ہر حال مسلم جماعت کو قرار دیا گیا ہے مثلاً پیرایہ آغاز میں دستوری نوشتہ کا دائرہ یوں نامزد کیا گیا ہے۔ ''بین المؤمنین والمسلمین من قریش ویثرب'' اور اس سے اضافہ ہے ''ومن تبعھم فلحق بھم وجاھد معھم''۔ (دفعہ ۱) گویا ریاست کا مرکزی عنصر مکہ اور مدینہ کے اہل ایمان ہیں اور بقیہ ان کے تابع لاحق اور حامی ہونے کی صورت میں شہریت سے بہرہ مند ہیں۔ چنانچہ یہود کے قبائل کو شریک معاہدہ کر کے ''مومنین کے ساتھ'' کے الفاظ سے سیاسی امت واحدہ میں شمار کیا گیا۔ (دفعات ۲۵ تا ۳۵) پھر مندرج ہے کہ ''اہل ایمان دوسرے انسانوں کے بالمقابل آپس میں ایک دوسرے سے بھائی چارہ رکھتے ہیں''۔ (دفعہ ۱۵) پھر صلح و جنگ میں تمام مسلمانوں کو مشترک قرار دیا گیا ہے۔ (دفعہ ۱۷) پھر ایمان والوں پر لازم ٹھہرایا گیا ہے کہ وہ

قصاص کے لئے مل کر انھیں اور قاتلوں کو پناہ نہ دیں۔نیز اگر ان پر زیادتی کر کے خون بہایا جائے تو اس کا انتقام لیں (دفعہ ۱۹۔۲۱۔۲۲) پھر لازم کیا گیا کہ کوئی ایمان والا کسی کافر کے بدلے میں کسی ایمان والے کی جان نہ لے گا اور نہ کسی ایمان والے کے خلاف کسی کافر کی مدد کرے گا۔(دفعہ ۱۴) مسلمانوں کا ادنیٰ ترین فرد بھی کسی کو پناہ دے سکتا ہے اور اسے اللہ کے ذمہ کی حیثیت سے سب کو نبھانا ہوگا (دفعہ ۱۵) جب کوئی اختلاف واقع ہو تو خدا اور محمدؐ کی طرف رجوع کیا جائے گا (دفعہ ۲۳) متقی ایمان والوں پر واجب کیا گیا کہ وہ ہر جرم، گناہ اور تعدی کی صورت میں اس کے انسداد میں متحدہ ہوں۔(دفعہ ۱۳) ابتدائی حصہ میں دستور کی نظریاتی روح کو نمایاں کرنے کے لئے بار بار یہ جملہ آتا ہے کہ فلاں فلاں (مسلم) قبیلہ فدیہ وغیرہ کے معاملات میں ''معروف'' اور ''قسط'' پر کاربند ہوگا..... اور وہ بھی اس مفہوم کے ساتھ جو ''بین المومنین'' مسلمہ ہیں (دفعہ ۳ تا ۱۲) نہایت ہی

اہم اسلامی اصطلاح ''فی سبیل اللہ'' بھی شامل دستور کی گئی (دفعہ ۱۹) اسی طرح ''ظلم'' اور ''بر'' اور ''اثم'' کی اصطلاحات بھی متن میں داخل ہوئیں (دفعہ ۳۶) اس سے بھی بڑھ کر یہ تک شامل دستاویز ہے کہ متقی ایمان والے سب سے اچھے اور سب سے سیدھے راستے پر ہیں۔ (دفعہ ۴۰) پھر ''وان النصر للمظلوم'' کے الفاظ سے ایک خالص اسلامی کلیہ جو بین الانسانی بھی ہے تسلیم کرالیا گیا اور یہ بھی کہ خدا اس کے ساتھ ہے جو اس صحیفہ کے مندرجات کی تعمیل زیادہ سے زیادہ اخلاص و وفاشعاری سے کرے''۔ (دفعات ۴۲۔۴۶۔۴۷)

اس دستاویز میں سیاسی امور کو جس خوبی سے طے کیا گیا ہے اس کا بھی جائزہ لیجئے۔ دستاویز میں شرکاء کے سکنی علاقے یعنی جوف مدینہ کو جس کا رقبہ تقریباً ایک صد مربع میل تھا (مدینہ کا جغرافیائی ماحول ہم بیان کر چکے ہیں اور وضاحت کے لئے نقشہ بھی دیا گیا ہے) نہ صرف یہ کہ اسلامی ریاست کی ابتدائی

سرزمین (Territory) قرار دیا گیا ہے۔ بلکہ اسے حرم مقدس بھی قرار دیا گیا (دفعہ ۳۹) اس معاہدہ کے جملہ شرکاء کو ایک سیاسی وحدت (أنهم لمة واحدة من دون الناس) قرار دیا گیا (دفعہ ۱) یہ دفعہ سیاسی حکمت کی مظہر ہے کہ پہلے سے طئے کر دیا گیا۔ یہود میں جو بھی ہماری اتباع کرے اسے مدد اور مساوات بہ حقوق شہریت حاصل ہوگی۔ یہ گویا پیش بندی بھی تھی اور ترغیب بھی (دفعہ ۱۶) کمال سیاست کا شاہکار یہ ہے کہ اختلاف ہونے پر اللہ اور اس کے رسول محمدؐ کی طرف رجوع کیا جائے گا (دفعہ ۲۳) کوئی جھگڑا یا قتل واقع ہو تو خدا اور خدا کے رسول محمدؐ کی طرف رجوع کیا جائے گا (دفعہ ۴۲) کسی زخم یا مار کا بدلہ لینے میں رکاوٹ نہیں ڈالی جائے گی (دفعہ ۳۶) ظالم کے ظلم یا قاتل کے جرم کا وبال صرف اس کی ذات یا اس کے گھرانے (خوں بہا میں خاندان شریک ہوتا تھا) پر ہوگا۔ کسی دوسرے پر نہیں (دفعہ ۲۵، ۲۶) سیاسی ہیئت کے ابتدائی واحدے قبیلوں کو قرار دیا گیا

اوران کوتسلیم کر کے ان پر مرکزی اقتدار قائم کیا گیا۔

دفاعی سیاست کے لحاظ سے یہ باتیں طے پائیں کہ: اگر یثرب پر حملہ ہوتو شرکاء کے لئے باہمی امداد کرنا ضروری ہوگا۔ (دفعہ ۴۴) اگر معاہدے کے کسی فریق سے کوئی جنگ کرے تو اس کے خلاف سارے شرکاء سچے جذبے سے امداد کریں گے (دفعہ ۴۷) اس دستاویز نے ایک دفعہ کے ذریعہ دفاعی بالادستی بھی حضورؐ کے ہاتھ میں دیدی کہ کوئی بھی مذہبی لڑائی کے بارے میں شرکاء کی کوئی ذمہ داری نہ ہوگی (دفعہ ۴۵) اگر شرکاء کو کسی صلح کے لئے مدعو کیا جائے تو سب کے ساتھ وہ بھی صلح کریں گے (ایضاً) قریش کے لئے حلیفانہ تعلقات کا قطعی خاتمہ کرنے کے لئے یہ بھی منوالیا گیا کہ کوئی مشرک (غیر مسلم شہری) قریش کے جان و مال کو کوئی پناہ نہ دے گا اور نہ اس کو جو انہیں مدد دے (دفعہ ۴۳) جنگی مصارف کے متعلق یہ حقیقت پیش نظر رکھتے ہوئے کہ یہودی اپنا حصہ ادا کرنے میں کنجوسی

دکھائیں گے اور اگر اجتماعی فنڈ ان کے ہاتھ میں گیا تو وہ خیانت سے کام لیں گے ..... حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کمال بصیرت سے معاملہ یوں طے کیا کہ ہر فریق اپنے اپنے جنگی مصارف خود برداشت کرے گا۔ (دفعہ ۴۴۔۴۷)

اقتصادی لحاظ سے ایک طرف خوں بہا اور قیدیوں کے فدیہ کا بار عرب کے معروف طریقے پر شخص متعلق کے قبیلے پر پھیلا دیا گیا، غیر مستطیع مقروض کے قرض کی ذمہ داری بھی اجتماعی کر دی گئی۔

مذہبی آزادی کے لئے وضاحت کر دی گئی کہ مسلمانوں کے لئے ان کا دین اور یہود کے لئے ان کا مذہب (دفعہ ۲۵) درحقیقت مسلم جماعت تو سیاست اور دین دونوں کے لحاظ سے ایک وحدت تھی اور اس پر دوہری ذمہ داریاں عائد تھیں مگر خالص سیاسی رابطے کے دائرے میں جملہ شرکاء کو اپنے اپنے

مذہب پر چلنے کی آزادی دی گئی۔ (سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۱۲۳۔۱۱۹۔ عہد نبوی میں نظام حکمرانی۔ ڈاکٹر حمید اللہ صدیقی، ص ۱۱۱ تا ۱۷۶)

اب ان نکات کو دستاویز کے خلاصہ کی حیثیت سے زیر نظر لائیے اور پھر ایک ایک جز پر غور کیجئے کہ حضورؐ نے کس حکمت سے اپنی آئیڈیالوجی کو دستور کی اساس اور روح بنایا۔ مسلم جماعت کو مرکزی حیثیت دلائی۔ اپنی قیادت اور اتھارٹی ..... سیاسی، دفاعی، عدالتی ..... ہر لحاظ سے منوائی۔ قریش کا مقابلہ کرنے کے لئے سب کو مشترک نکات پر جمع کرلیا اور بے شمار خطرات کے رخنے پہلے سے بند کرالئے۔ واضح رہے کہ اس "معاہدہ" کی نوعیت ایک دستوری دستاویز کی ہے جس کے کسی ایک فریق کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ جب چاہے علیحدگی اختیار کرلے یا معاہدہ توڑ دے۔ ایسا کرنا سرے سے اس حق شہریت کو ختم کردیتا ہے۔ جسے اسلامی ریاست کے حدود میں یہی

معاہدہ خلق کر رہا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جن یہودی قبائل نے بعد میں اس معاہدہ کو پوری طرح پامال کر دیا۔ ان کے خلاف وہ کارروائی کی گئی جو غداروں اور باغیوں کے خلاف کی جاتی ہے۔

یہاں ضمناً فرضیت ہجرت کے اہم نکتہ کو اس دستاویز کی روشنی میں سمجھ لینے کا موقع ہے۔ مدینہ کی ریاست کی اساس جس مسلم جماعت پر رکھی گئی تھی۔ فرضیت ہجرت کا ایک مقصود یہ تھا کہ یہ جماعت زیادہ سے زیادہ مضبوط ہو۔ اس میں شک نہیں کہ عرب کے قبائلی نظام میں متفرق اکا دکا مسلمان کا پڑے رہنا اس امر کا موجب ہو سکتا تھا کہ وہ تھوڑی بہت کشمکش کر کے بالآخر جاہلی معاشرے میں تحلیل ہو جائیں یا جبر و تشدد کا شکار ہو جائیں۔ اس وجہ سے بھی ایک ایک ذرے کو سمیٹ لینا ضروری تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ مدینہ کی اسلامی ریاست کا استحکام بھی پوری اہمیت سے اس کا متقاضی تھا۔ بعد میں جب یہ دونوں ضرورتیں باقی نہ رہیں تو "لا هجرة بعد الفتح" کا

اعلان کردیا گیا۔یعنی جب سارا عرب دارالاسلام بن گیا اور مدینہ کی قیادت کے زیر نگیں آگیا اور اسلام لانے والوں کے لئے کسی علاقے میں بھی مزاحم فضا باقی نہ رہی تو مدینہ ہجرت کر کے آنے کی پابندی اٹھالی گئی۔

اس معاہدے کے مطابق مدینہ کی اسلامی ریاست وجود میں آئی۔محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قیادت قائم ہوئی۔یک صد مربعد میل علاقے میں جو پانچ ہزار کی آبادی رکھتا تھا۔مسلمانوں کو دعوت حق کے لئے بالکل کھلا دائرہ پہلی بار حاصل ہوا۔جہاں اسلام کا سیاسی اقتدار بھی دعوت کے کام میں ازحود ممد تھا پھر اس علاقے کے آس پاس جا کر کام کرنے کے لئے بھی اسلامی حکومت کا وجود کارکنوں کے لئے پشتی بان بن گیا۔

۳۔متفرق قبائل سے معاہدات

مدینہ کو ایک سیاسی واحدہ بنالے اور اسلامی حکومت کی

نیو ڈالنے کی کوششوں کے ساتھ ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آس پاس کے قبائل کو ساتھ ملانے کی فکر کی۔ دو تین بار صحابہ کی جماعتوں کو مہمات پر بھیجا۔ ہجرت کے بارہویں مہینے یعنی صفر میں فرمانروائے مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ نفس نفیس ودان (مدینہ سے بجانب مکہ ایک قصبہ ہے) کا رخ کیا۔ یہاں پہنچ کر آپؐ نے قبیلہ بنی حمزہ (یا بنی ضمرہ) بن بکر بن عبد مناف سے معاہدہ استوار کیا۔ قبیلہ کی جانب سے عمرو بن مخشی الضمری نے دستخط کئے۔ (ابن ہشام، ج ۲، ص ۲۲۳-۲۲۴، زاد المعارج ۱، ص ۳۲۴، رحمۃ للعالمین، ج ۱، ص ۱۳۸)

اس سے قبل مہاجرین کا ایک وفد اسی جانب حیص کے مقام تک گیا اور حلیفانہ تعلقات کے لئے اچھی فضاء پیدا ہوگئی۔ (رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی۔ ڈاکٹر حمید اللہ صدیقی، ص ۳۵۹)

پھر ربیع الاول ۲ھ (ہجرت کے تیرھویں ماہ) حضورؐ دوبارہ بواط (نیبوع کے علاقے میں جہینہ کے پہاڑوں میں سے ایک)

کی جانب تشریف لے گئے۔ یہاں کی آبادی سے بھی گفت و شنید کامیاب رہی اور حلیفانہ تعلقات قائم ہوگئے۔ (رحمۃ للعالمین، ج ۱، ص ۱۳۹۔ زاد المعاد حوالہ ماسبق)۔

پھر جمادی الاخری میں بمقام ذو العشیرہ (علاقہ ینبوع) تشریف لے گئے۔ وہاں بنو مدلج اور ان کے حلیف قبیلہ بنو ضمرہ سے معاہدانہ روابط کے لئے گفت وشنید بہت دنوں جاری رہی۔ ان سے بھی معاہدہ ہوگیا۔ (ابن ہشام ج ۲، ص ۲۳۶)

ہمارے پیش روؤں کی ایک رائے یہ ہے کہ ان معاہدات سے یہ قبیلے اور علاقے درحقیقت مدینہ کے سیاسن واحدہ کا جز بن گئے تھے اور متعلقہ علاقہ مدینہ کی سلطنت کا ایک حصہ ہوگیا تھا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ معاہدات کے بعض اہم اجزاء اور بعض اصطلاحات دستوری معاہدہ سے ملتی جلتی ہیں

Source: www.prophetmuhammadforall.org

لیکن اگر بالکل ابتدائی دور کے متعلق ایسا نہ بھی تسلیم کیا جائے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ بعد میں جہینہ سے حلیفانہ تعلقات کا ارتقاء اس نہج پر جاری رہا کہ یہ لوگ دوسرے عرب قبائل سے بہت پہلے اسلام میں داخل ہوئے اور ایک ہزار کی جمعیت نے مدینہ آکر حضورؐ کی خدمت میں تعاون پیش کیا اور عملاً غزوات میں حصے لیتے رہے۔ اس قبیلہ کی مختلف شاخوں سے اسلامی ریاست کے معاملات کا جو ریکارڈ موجود ہے۔ وہ اسی کی توثیق کرتا ہے۔ مثلاً بنی ابحرمز (جہینہ کی ذیلی شاخ) کو حضورؐ نے امن وسلامتی کا تحریری پروانہ عطا کیا۔ بنی شیخ یا شیخ (جہینہ کی ذیلی شاخ) کو ان کو پورا علاقہ بطور جاگیر مستقل طور پر تفویض کر دیا۔ اسی طرح عوسجہ بن حرملہ جہنی کو اس کے مسکن ذوالمرہ (بہ جانب ساحل) کے قریب جاگیر کا پروانہ عطا کیا گیا۔ ابوبصیر اور ان کے ساتھیوں کے لئے جب معاہدہ حدیبیہ کی وجہ سے مدینہ جانے کا موقع نہ رہا تو وہ مکہ سے ہجرت کر کے اسی ساحلی علاقے

میں آگے تھے۔ عین ممکن ہے کہ عوسجہ جیسے سرداروں کی حمایت بھی انہیں حاصل رہی ہو اور وہ مقامی لوگوں کے تعاون ہی سے قریشی قافلوں کی مزاحمت کرتے ہوں۔ (رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی۔ ڈاکٹر حمید اللہ صدیقی مضمون عام قبائلی عرب سے تعلقات)۔

تعلقات اور آگے بڑھے۔ میل جول کی وجہ سے دعوت کا کام جاری رہا تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قبائل بہ حیثیت مجموعی اسلامی تحریک کے علمبردار بن گئے۔ عقبہ جہنی کی بیعت اسلام کا حال ہمارے سامنے ہے۔ حضورؐ کے دور آخر میں ایک پروانہ، امن بنی جرمز، بنی الحرقہ اور عمرو بن معبد جہنی کے نام جاری ہوا جس میں وہ شرائط ہیں جو مسلم قبائل پر عائد ہوتی تھیں۔ یعنی نماز وزکوٰۃ کی پابندی۔ خمس کی ادائیگی، مخالفین اسلام سے انقطاع، قرضوں کے سود کا ترک ان کے لئے لازم کیا گیا تھا۔ (ایضاً) مدینہ میں قبیلہ جہینہ کے نام کی مسجد بھی دور نبوت میں بن گئی تھی۔

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خاصی تعداد میں جہنی لوگ اسلامی جماعت میں شامل ہوکر مدینہ آئے ہوں گے۔

بنو غفار ان چند قبائل میں سے ہیں جنہوں نے بڑی تعداد میں بہت پہلے اسلام قبول کیا۔ یہ قبیلہ اپنے مثالی نوجوان حضرت ابوذر کی دعوت سے متاثر ہوا۔ جنگ بدر کے قریبی زمانے میں اس قبیلہ کے لوگوں نے حضورؐ سے معاہدہ کیا۔ جس کی اساس اس جملے پر ہے کہ "انهم من المسلمين وعليهم ماعلىٰ المسلمين"۔ ہماری رائے میں اگرچہ اس کے ایک جز ہیں اس قبیلہ کے غیر مسلم عناصر کا لحاظ رکھا گیا ہے لیکن فی الحقیقت یہ قبیلہ گویا مدینہ کی ہیئت اجتماعیہ کا جز بن گیا اور کوئی وجہ نہیں کہ اس کے علاقہ کو مدینہ کے زیر نگیں نہ سمجھا جائے۔

بنو صعصہ جس کی بہت سی شاخوں میں سے ایک بنو غفار کی شاخ تھی۔ اسی کا ایک ذیلی قبیلہ بنو عبد بن عدی بھی تھا جس کا

قیام حدود حرم میں تھا۔ اس شاخ نے قریش سے مجبورانہ تعلق مصالحت کے باوجود مسلم حکومت سے دوستانہ تعلقات استوار کئے۔ صرف قریش کے خلاف جنگ میں شامل ہونے سے استثنیٰ حاصل کر کے بقیہ ہر لحاظ سے حضورؐ کے ساتھ حلیفانہ رابطہ جوڑ لیا ہے۔ (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی۔ از ڈاکٹر حمید اللہ صدیقی۔ مضمون ''عام قبائل عرب سے تعلقات'')

قبیلہ مزینہ مدینہ سے صرف ۴۰ میل کی دوری پر فرع کی سمت میں بجانب شمال مغرب (بقول) ابو یوسف) آباد تھا۔ ۵ ھ میں یہ قبیلہ حلقہ اسلام میں شامل ہوا لیکن ان سے حلیفانہ تعلقات لازماً ان کے ہمسایہ قبائل کے ساتھ ہی ساتھ ہی ساتھ آغاز پا چکے تھے۔ اس قبیلہ کے ایک سردار بلال بن حارث کو قبیلہ (یا قبیل) کی سونے کی کانیں حضورؐ نے بطور جاگیر عطا کیں۔ چنانچہ ایک حالیہ کھدائی میں یہاں کے قبرستان سے جاگیر کے فرمان کا کتبہ ملا ہے۔ فتح مکہ کے بعد سردار مذکور کو بہت

سی زرعی زمین بھی بطور جاگیر دی گئی۔ ان باتوں سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ فرمانروائے مدینہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے کتنی زیادہ توجہ ساحلی علاقہ کے قبائل پر صرف کی۔ کیونکہ سیاسی جغرافیہ کے لحاظ سے یہ خاص کلیدی مقامات پر قابض تھے۔ اسی کے ساتھ ساتھ جاگیروں کے فرامین یہ ظاہر کرتے ہیں کہ یہ علاقہ شروع ہی میں (ان قبائل کے قبول اسلام سے قبل) حکومت مدینہ کی سرزمین سے سیاسی طور پر ملحق ہو چکے تھے۔ (رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی۔ از ڈاکٹر حمید اللہ صدیقی۔ مضمون: عام قبائل عرب سے تعلقات)۔

قبیلہ غطفان کی ایک شاخ بنو اشجع تھے۔ یہ بھی تجارتی شاہ راہ کے متصل آباد تھے۔ شاہ راہ کی ناکہ بندی سے جب قریشی سلسلہ تجارت رک گیا تو ان کی معاش پر اس کا اثر پڑا کیونکہ یہ کاروانوں کی خدمت کر کے کمائی کر لیتے تھے۔ معاشی بحران سے مجبور ہو کر ان کا وفد مدینہ پہنچا اور معرکہ خندق سے قبل

ہی انہوں نے اسلام قبول کر کے معاہدہ استوار کیا۔ ان کی طرف سے معاہدہ پر دستخط نعیم بن مسعود نے کئے۔ نعیم بن مسعود تو چند ساتھیوں سمیت عین غزوہ خندق کے دوران میں اسلامی تحریک کے دائرے میں آئے۔ اس لئے بوقت معاہدہ سارا قبیلہ داخل اسلام نہ ہوا تھا۔ تاہم معاہدہ کی اساس اس فقرے سے واضح ہوتا ہے کہ "حالفه، على النصر والنصيحة" یعنی حمایت و نصرت اور خیر اندیشی و خیر سگالی کے وسیع تعلقات استوار ہوئے۔ اسی قبیلہ کی ایک شاخ بنو عامر بن عکرمہ نے قافلوں کے پڑاؤ کا کاروبار چلانے کے لئے استحقاق خصوصی کا پروانہ حضورؐ سے حاصل کیا۔ اس شاخ کے ایک سردار کو بھی غزوہ خندق سے قبل جاگیر دی گئی۔ (ایضاً)

اب ہم ان چند حلیفانہ رابطوں کا ذکر کرتے ہیں جو غزوہ خندق کے مابعد قائم ہوئے۔ قبیلہ خماعہ یمن کی قحطانی نسل سے تعلق رکھتا تھا اور بہت سی شاخوں پر مشتمل تھا۔ یہ لوگ مکہ کے

اردگرد پھیلے ہوئے تھے۔ بنی مصطلق کے علاوہ اس قبیلہ کی اکثر شاخیں مسلمانوں سے اچھے روابط رکھتی تھیں اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ جناب عبدالمطلب نے ان کے ساتھ مستقل حلیفی رکھی تھی۔ اس قبیلہ نے معاہدہ حدیبیہ کی گنجائش سے فائدہ اٹھا کر علی الاعلان قریش کو چھوڑ کر مدینہ کی اسلامی حکومت سے حلیفی قائم کرلی۔ اسی واسطے کی بناء پر ایک طرف تو اس قبیلے نے جنگ احزاب کے لئے قریش کی تیاریوں کی اطلاع حضورؐ کو پہنچائی اور دوسری طرف حضورؐ نے بھی فتح مکہ سے قبل ان کو ایک مکتوب میں اطمینان دلایا تھا کہ ان کو کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔ نیز اطلاع دی تھی کہ بنو کلاب اور بنو ہوازن نے اسلام قبول کرلیا ہے لیکن وقت آنے سے قبل یہ بنو بکر کے ظلم وستم کا نشانہ بنے اور ان کی مظلومی ہی فتح مکہ کی محرک بنی۔ (رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی۔ از ڈاکٹر حمید اللہ صدیقی۔ مضمون: عام قبائل عرب سے تعلقات)

خزاعہ کی ایک شاخ بنو اسلم تھے۔ ان کے نام حضورؐ کا جو

Source: www.prophetmuhammadforall.org

پروانہ ملتا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لوگ نسبتاً پہلے ہی سے اسلام میں داخل اور اسلامی ریاست کے زیر نگیں ہو گئے تھے ان میں سے کچھ تو مدینہ میں ہجرت کر کے آ بسے تھے۔ اس خاندان کے سردار الحصین بن اوس کو حضورؐ نے جاگیر بھی عطا کی تھی۔ جو حلیفانہ تعلقات کی محکمی کی دلیل بھی ہے اور اس سے متعلقہ علاقہ کا الحاق مدینہ سے ہونا بھی متبادر ہوتا ہے۔ (ایضاً)

تبوک کے شمالی علاقہ میں جذام، قضاعہ اور عذرہ کے قبائل آباد تھے جنہوں نے اپنے مخالفانہ رویہ سے خاصی مشکلات اسلامی حکومت کے لئے پیدا کی تھیں۔ ان لوگوں نے مدینہ کے سفیر کو لوٹ لیا تھا پھر تادیبی مہم ان کے خلاف بھیجی گئی۔ اس مہم کی زد میں غلطی سے بعض بے قصور لوگ بھی آئے۔ بس یہ لوگ مدینہ میں فریاد لے کے آئے اور تلافی کی گئی۔ اس طرح تعلقات کی راہیں بھی کھلیں۔ حضورؐ کی دستاویزات میں ایک مکتوب رفاعہ بن زید جذامی کے نام ملتا ہے جس میں بڑا بھاری

الٰہی پیغام ہے۔اس سردار کو مخاطب کر کے اس کی ساری قوم کو متنبہ کیا گیا ہے کہ یا تو وہ اسلامی دعوت کو قبول کر کے اللہ اور رسولؐ کی جماعت میں شریک ہو جائے ورنہ روگردانی کرنے کی صورت میں دو ماہ کی امان ہے۔ حالات کا اس نہج سے ارتقاء بالآخر جس صورت پر منتج ہوتا ہے۔ وہ یہ بھی کہ حضورؐ کی تبوک سے واپسی پر ۹ھ میں مالک بن احمر جذامی نے مدینہ میں آ کر حضورؐ سے ملاقات کی اور پروانہ حاصل کیا۔ اس پروانہ میں وہ شرائط درج ہیں جو معمولاً صرف مسلم قبائل کے لئے ہوتی تھیں۔ یعنی ان لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اسی طرح قصاعہ کا ایک سردار بریدہ بن الخصیب کسی مہم کے دوران میں حضورؐ سے مدینہ کے باہر ہی ملا۔ اور اس نے اپنی قوم کی طرف سے قبول اسلام کا قول دے کر پروانہ حاصل کیا۔ (ایضاً)

۶ھ میں قبیلہ کلب کی طرف حضورؐ نے عبدالرحمٰن بن عوف کو ایک دعوتی مہم پر بھیجا۔ نتیجہ حسب منشا نکلا۔ اور سردار نے

اظہار وفاداری اور استحکام رابطہ کے لئے اپنی بیٹی کا نکاح عبدالرحمٰن بن عوف سے کردیا۔ اسی طرح بارگار نبوی سے ایک پروانہ کلبیوں کے نومسلم سردار حارثہ بن قطن کے نام جاری ہوا۔ جو دومۃ الجندل کے قرب وجوار کے کلبیوں سے متعلق ہے۔ خود اکیدر (والی دومتہ الجندل) سے معاہدہ ہوا۔ اختلاف روایات ہے کہ آیا وہ اسلام لایا یا بغیر اسلام لائے جزیہ دینے کی شرط پر سرداری پر بحال رکھا گیا۔ بہر حال بعد میں اس نے اپنے اسلام یا معاہدہ، اطاعت سے انحراف کیا اور حضرت خالد کے ہاتھوں قتل ہوا۔ بعد میں اس کے قلعے اور افتادہ زمینوں کو اسی کلبی سردار حارثہ بن قطن کی تحویل میں دے دیا گیا۔ (رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی۔ از ڈاکٹر حمید اللہ صدیقی۔ مضمون: عام عرب قبائل سے تعلقات)

اہل طائف کے عمومی قبول اسلام سے قبل صرد بن عبداللہ یمنی اسلام تحریک کے علمبرداروں میں آملے۔ حضورؐ نے

ان کو اس علاقہ میں فوجی کارروائیوں کے لئے کمانڈ تفویض کی۔ حضورؐ کے اذن سے انہوں نے جرش کے قلعے کا محاصرہ کیا۔ جو معاہدہ صلح پر منتج ہوا۔ مصالحت کے بعد یہاں کی گورنری ابو سفیان کو سونپی گئی۔ (ایضاً)

بنو ازد جو عمان شہر میں آباد تھے اور عبید اور جعفر نامی دو اشخاص ان کے رئیس تھے۔ ان کی طرف عمرو بن العاص حضورؐ کا نامہ دعوت لے کے ۸ھ میں گئے۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ (سیرت النبیؐ۔ شبلی نعمانی، ج ۲، ص ۳۳)

ہم نے ان قبائل کا تذکرہ آئندہ اوراق کے لئے موخر کر دیا۔ جنہوں نے عام الوفود میں بطور خود مدینہ میں وفود بھیج کر اسلام قبول کیا یا کم سے کم حکومت مدینہ کی سیاسی اطاعت اختیار کی۔

علاوہ ازیں فوجی کارروائی کے نتیجے میں جہاں کہیں کسی

گروہ نے اطاعت قبول کرنے یا مصالحت کرنے کی خواہش کی وہاں فوراً اس کے لئے راستہ دیا گیا۔ مدینہ کی مستقل اصولی پالیسی یہ تھی کہ جو محارب بھی صلح کا خواہاں ہو اس کی خواہش امن کا احترام کیا جائے۔ چنانچہ متعدد قبائل نے میدان جنگ میں اترنے کے بعد یا تو سیاسی اطاعت اختیار کی یا اسلام قبول کیا۔ اس سلسلے کی ایک نمایاں مثال خیبر اور ملحقہ علاقہ کے یہودیوں کی ہے کہ مفتوح ہونے پر جب انہوں نے وہیں رہنے کی درخواست کی تو شرائط طے کر کے ان کو رکھ لیا گیا۔

ان سارے واقعات کو سامنے رکھئے تو ماننا پڑتا ہے کہ تصادم سے بچ کر حلیفانہ تعلقات پیدا کرنا حکومت مدینہ کی سرگرمیوں کا اہم ترین شعبہ تھا۔ اور حضورؐ اور آپؐ کے رفقاء نے بہت ساری مہمات اسی شعبہ کار کے لئے اٹھائیں اور متعدد سفر کئے۔ یہ سرگرمیاں اسلامی ریاست کے امن پسندانہ نقطہ نظر کا بڑا بین ثبوت ہیں۔ پھر اس معاملے میں حضورؐ نے ایک اصولی و

نظریاتی ریاست کے تقاضے سامنے ہونے کے باوجود پالیسی میں یہاں تک وسعت رکھی کہ اسلام نہ لانے والے قبائل کی طرف سے محض سیاسی حلیفی کو بھی قبول کرلیا۔ اور متعدد صورتوں میں غیر مسلم سرداروں اور حاکموں کو اپنی طرف سے مامور یا بحال فرمایا۔ مدعا یہی تھا کہ تصادم کے مواقع کم سے کم رہ جائیں۔ بعد کا یہ فیصلہ تو بہت سارے تلخ تجربات کی روشنی میں کیا گیا کہ کم سے کم جو سرزمین اسلامی تحریک کے گھر کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے ماحول کو پاک اور پر امن رکھنے کے لئے اسے مخالف عنصر سے خالی کرالیا جائے۔ ورنہ ان کی غدارانہ حرکات سارے کام کا ستیاناس کردیں گی۔ اوپر کے روابط کا تجزیہ کرکے دیکھیں تو یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ جہاں کہیں اسلام پہنچا وہاں سے مدینہ کو سیاسی اطاعت از خود حاصل ہوتی اور اسی طرح جہاں کہیں سیاسی حلیفی کا تعلق قائم ہوگیا۔ وہاں بھی کچھ ہی مدت میں اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ قبائل کا جب

مدینہ سے میل جول بڑھتا ہوگا تو وہ اسلامی نظریہ حیات کا اعجازات کو سر کی آنکھوں سے دیکھ کر متاثر ہوتے ہوں گے۔ نیز ان کے اندر تحریک کے کارکنوں کو دعوتی کام کرنے کے لئے پر امن فضاء حاصل ہوجاتی ہوگی۔ دین وسیاست کی یہی وحدت تھی کہ جس نے دس بارہ لاکھ مربع میل علاقے کو چند برس میں اسلام کے رنگ میں رنگ دیا۔

۳۔ معاہدہ حدیبیہ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اسلامی تحریک کی تاریخ میں معاہدہ حدیبیہ ایک ایسا واقعہ ہے جس کے نتیجے میں حالات کے دھارے نے ایک اہم ترین موڑ مڑا اور تحریک حق ایک عی جست لگا کر اپنی توسیع کے عوامی دور میں داخل ہوگئی۔ محسن انسانیت کی سیاسی بصیرت کی انتہائی معراج کمال اس واقعہ سے ظاہر ہوتی ہے کہ درجہ اول کی معاند اور برسر جنگ طاقت کو حضورؐ

نے کس آسانی سے مصالحت پر تیار کر لیا اور اس کے ہاتھ کئی برس کے لئے باندھ دیئے۔ (اس عنوان کا مواد جمع کرنے میں حسب ذیل کتب سے استفادہ کیا گیا۔ (۱) سیرت ابن ہشام، ج ۳، ص ۲۲۵ تا ۳۷۵، اصح السیر ص ۳۱۰ تا ۳۲۷۔ سیرت النبی شبلی نعمانی ج ۔۱، ص ۱۲۵ تا ۱۳۲۔ تفسیر ابن کثیر (سورۃ فتح وسورہ ممتحنہ)

غداری و بغاوت کے جرم میں جلا وطن شدہ یہود نے جب خیبر، تیما اور وادی القریٰ میں جا اڈا جمایا تو مدینہ بیک دم دو محاذوں کے درمیان گھر گیا۔ قریش اور یہود کے اتحاد نے لشکر کے لشکر جمع کر کے مدینہ کے سامنے لا کھڑے کئے تھے۔ جنگ احزاب سے بخیریت عہدہ برآ ہوتے ہوئے حضورؐ کے سامنے یہ پیچیدہ مسئلہ آ گیا کہ کیسے اس دہرے محاذ کو توڑا جائے۔ موجودہ حالت میں مکہ کی طرف اقدام کریں تو خیبر کے یہودی اور بنو غطفان مدینہ پر چڑھائی کر سکتے تھے اور اگر خیبر کی طرف متوجہ

ہوں تو قریش دھاوا بول سکتے تھے۔ یہ بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ دوررس کا کتنا صحیح اندازہ تھا کہ ان دونوں میں سے خیبر کا محاذ ایسا محاذ تھا جسے ایک ہلہ میں توڑا جا سکتا تھا۔ اور اسی کے ساتھ ساتھ دونوں میں سے قریش مکہ ہی کو بآسانی صلح پر آمادہ کیا جا سکتا تھا۔ درحقیقت قریش کی قوت اندر سے کھوکھلی ہو چکی تھی اور اگرچہ وہ ظاہر اً برابر شورا شوری دکھا رہے تھے لیکن اب تاب مقاومت کچھ زیادہ تھی نہیں۔ پھر مکہ اور اس کے آس پاس حضورؐ کے حامی عناصر موجود تھے۔ جن کو آپؐ کے بعض اقدامات نے مضبوط تر کر دیا۔ حضورؐ نے قحط کے دنوں میں مکہ کو غلہ اور نقدی سے مدد دے کر وہاں کے غرباء اور عوام کے دلوں میں گھر کر لیا تھا۔ چنانچہ ابوسفیان نے کہا بھی تھا کہ اب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے لوگوں کو ان طریقوں سے ورغلانا چاہتے ہیں۔ پھر حضورؐ نے ایک اقدام یہ بھی فرمایا کہ مکہ کے سردار اعلیٰ ابوسفیان کی صاحبزادی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ازدواجی

رشتہ جوڑا۔ یہ شادی بڑا اہم سیاسی نتیجہ رکھتی تھی۔ بہرحال اب کسی طریقے سے ایک نئے اقدام کی ضرورت تھی جس پر حضورؐ برابر کاوش کرتے رہے۔

ادھر ایک بڑا مسئلہ یہ بھی تھا کہ مسلمانوں کو مکہ سے بچھڑے ہوئے چھ برس ہونے کو آئے تھے۔ معاملہ محض حب وطن ہی کا نہ تھا بلکہ کعبہ دعوت ابراہیمی کا مرکز تھا اور اسی دعوت ابراہیمی کی تجدید اب مسلم جماعت نے کی تھی۔ اس جماعت کے لئے ممکن نہ تھا کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنے آپ کو اپنے اعتقادی مرکز سے منقطع رکھ سکے۔ قریش اب تک راستہ نہیں دے رہے تھے اور بظاہر کشمکش کا آخری فیصلہ ہونے کے لئے طبی مدت درکار تھی۔ اس پہلو سے جذبات آہستہ آہستہ مضطرب ہو رہے تھے ضرورت تھی کہ جماعت اسلام کی طرف سے حرم پر اپنے حق کا اظہار ہو۔

اسی اثناء میں حضورؐ کو ایک رویائے صادقہ میں حج کرنے کا اشارہ ہوا۔ بس وہ اشارہ پاتے ہی آپؐ کے بے مثل بصیرت نے بہترین لائحہ عمل بہترین وقت میں اختیار کیا اور اسے بہترین شکل میں جامہ عمل پہنایا۔ آپؐ نے ایک بڑی جماعت کو ساتھ لے کر حج کے حرام مہینوں میں عمرہ کرنے کا ارادہ کیا۔ ۱۴ سو افراد جو اپنی خوشی سے تیار ہوئے صرف ان کو ساتھ لیا۔ نمیلہ ابن عبداللہ لیثی کو مدینہ میں نیابت سونپ کر مسلمانوں کی کافی تعداد بغرض حفاظت وہیں رہنے دی۔ قربانی کے ستر اونٹ ساتھ لئے۔ جنگی ہتھیار نہیں لگائے گئے۔ روانگی بڑی خاموشی سے ہوئی۔ مقام ذوالحلیفہ میں پہنچ کر قربانیوں کو نشان زد کیا گیا۔

یہ سفر ایک طرف مذہبی بھی تھا اور دوسری طرف اس میں بڑا زبردست سیاسی پہلو بھی از خود شامل تھا۔ دین و سیاست کا یہ ایکا تو ہمیں حضورؐ کے سارے کارنامہ حیات میں ملتا ہے۔ پھر حج

کے سفر میں دنیوی کاروبار یا سیاسی اقدامات کا شامل کرنا شرعاً بالکل روا ہے۔ سو یہ سفر قریش کے لئے ایک بھاری چیلنج بن گیا۔ اگر وہ ان زائرین حرم کی مزاحمت نہ کریں تو گویا مکہ ہمیشہ کے لئے مسلمانوں کے لئے گیا۔ پھر حضورؐ اور ان کے رفقاء کے حرم میں آنے سے بہت ہی گہرے اثرات شہر والوں پر پڑ سکتے تھے۔ کیونکہ اسلامی انقلاب کے ان داعیوں کی آمد سے پچھلی تاریخ دعوت کے ان سارے نقوش میں جان پڑ جاتی جو ذرے ذرے پر ثبت تھے پھر عوام میں یہ چہ چا بھی پھیل جاتا کہ بس اب قریش نائیں نائیں فش ہو گئے۔ چنانچہ سہیل بن عمرو (گفتگوئے مصالحت میں مکہ کا نمائندہ) نے کہ بھی دیا تھا کہ اگر ہم آپ لوگوں کو حرم کعبہ میں داخل ہونے دیں تو سارا عرب یہ کہے گا کہ ہم نے آپ کی قوت سے ڈر کر راستہ کھول دیا۔

حضورؐ کو راستہ ہی میں صورت حالات کا علم ہو گیا تھا۔ ایک خزاعی خبر رساں بشیر بن سفیان نے مقام عسفان پر آ کر

اطلاع دی کہ قریش مزاحمت کی تیاری میں ہیں اور ان کا فیصلہ یہ ہے کہ ''محمد مکہ میں کبھی داخل نہیں ہو سکتے''۔ آپ کو روکنے کے لئے خالد سواروں کا دستہ لے کر مقام کراع الغمیم تک آچکا ہے۔ حضورؐ نے اس پر فرمایا۔ ''یہ قریش کی بدبختی ہے! جنگوں نے ان کا کچومر نکال دیا ہے۔ ان کا کیا حرج ہے کہ وہ بیچ میں سے ہٹ جائیں اور مجھے پورے عرب کو نمٹ لینے دیں۔ اگر وہ مجھے ختم کر دیں تو ان کی مراد پوری ہوئی۔ اگر مجھے غلبہ حاصل ہو جائے تو وہ چاہیں تو اپنی تعداد کثیر کے ساتھ اسلام میں داخل ہو جائیں۔ ورنہ وہ قوت رکھتے ہیں اور اس وقت لڑ لیں۔ ایسا نہ ہو تو پھر خدا کی قسم میں اس حق کو لے کر جس کے ساتھ مجھے خدا نے اٹھایا ہے آخر دم تک لڑوں گا..... یہاں تک کہ یا تو اس حق کو خدا غالب کر دے یا میری یہ گردن کٹ جائے''۔ گویا آپؐ نے مصالحت کی راہ کی طرف اشارہ بھی کر دیا۔ الٹی میٹم بھی دے دیا اور قریش کی پتلی حالت پر بھی توجہ دلا دی۔

لیکن دوسری طرف زائرین کے قافلے کو روکنے میں بھی قریش کی پوزیشن سخت خراب ہوتی تھی۔ رائے عام میں رویہ چلتی کہ ان لوگوں نے ایک مذہبی حق میں رکاوٹ ڈالی۔ لڑنے میں پہل کرتے ہیں تو یا الزام سر آتا ہے کہ حرام مہینوں کی حرمت توڑ دی۔ حضورؐ کی طرف سے پہلے ہی سے حرم کی حرمت کا احترام کرنے اور فقط عمرہ کے لئے غیر جنگی سفر کرنے کا خوب اچھی طرح چرچا ہو چکا تھا۔ پھر جنگی اسلحہ ساتھ نہ تھے اور قربانی کے نشان زد جانوروں کا گلہ نوعیت سفر کی شہادت دے رہا تھا گویا قریش سخت پیچیدگی میں گھر گئے تھے اور اس نازک وقت میں ان کا قائد اعلیٰ ابوسفیان سفر میں تھا۔ یہ حضورؐ ہی کی نگاہ جانتی تھی کہ ساری اکڑفوں کے باوجود اس وقت قریش کے لئے مصالحت کے ماسوا کوئی چارہ کار نہیں ہے..... اور یہی اندازوں کی صحت ہی حالات کا رخ بدلتی ہے اور اسی سے کسی کارپرداز کی بصیرت کا معیار سامنے آتا ہے۔

قریش نے پرانی ضدم ضدا کے نشے میں جلد جلد حلیف قبائل خصوصاً احابیش کی فوجیں بلدح کے مقام پر جمع کرلیں۔ فوراً ہی سفارتی سرگرمیوں کا آغاز ہوگیا۔ سب سے پہلے قبیلہ خزاعہ کے سردار بدیل بن ورقاء (جو اسلام کے لئے حامیانہ جذبات رکھتے تھے) چند اہم ساتھیوں سمیت حضورؐ سے آکر ملے .....حضورؐ نے بتایا کہ ہم صرف زیارت حرم کے لئے آئے ہیں اور اس کی تعظیم ہمارے مدنظر ہے، جنگ مقصود نہیں۔ قریش جنگ کے بڑے شائق ہیں حالانکہ اس میں سراسر ان کا گھاٹا ہے۔ کیوں نہ ایسا ہو کر قریش چند سال کے لئے مصالحت کرلیں۔ اس طرح آپؐ نے اصل مدعا کا بیج شروع ہی میں ڈال دیا۔ انہوں نے قریش سے جا کر بات چیت کی کہ دیکھو جلد بازی نہ کرو۔ محمدؐ جنگ کے لئے نہیں، زیارت کے لئے آئے ہیں۔ مگر سر پھرے نوجوان تو پروں پر پانی نہیں پڑنے دیتے تھے۔ البتہ معمر لوگوں نے ساری بات سنی۔ پھر مکہ سے حلیس بن

علقمہ سردار احابیش کو بھیجا گیا۔ اس نے جب قربانی کے جانوروں کا گلہ وادی میں متحرک دیکھا تو متاثر ہوا۔ اس نے قریش کے سامنے جا کر صاف صاف کہا کہ ان زائرین حرم کو روکنا صحیح نہیں اور ہم اس غرض کے لئے نہیں آئے۔ اس سردار کی استمالت یہ کہہ کر کی گئی کہ ذرا ہمیں اپنی شرطیں تو منوا لینے دو۔ پھر قریش نے عروہ بن مسعود ثقفی کو نمائندہ بنا کر بھیجا، عروہ نے کہا۔ کہ ''اے محمدؐ! اگر آپؐ نے اپنی ہی قوم کو تباہ کر دیا تو یہ کونسا اچھا کارنامہ ہوگا۔ یہ جو اوباش سے لوگ آپؐ نے اکٹھے کر لئے ہیں۔ یہ چند روز میں چھٹ چھٹا جائیں تو آپؐ تنہا رہ جائیں گے''۔ یہ بات سن کر حضرت صدیق اکبرؓ غضب ناک ہو گئے اور ذرا سخت لفظوں میں عروہ کو ڈانٹا۔ عروہ عربوں کے بے تکلفانہ طریق پر بات کرتے ہوئے اپنا ہاتھ حضورؐ کی داڑھی کی طرف بڑھاتا تو ہر بار حضرت مغیرہ بن شعبہ تلوار کی نوک سے اس کا ہاتھ ہٹا دیتے۔ حضورؐ نے عروہ کے سامنے بھی اپنا موقف رکھ دیا۔ اس

شخص نے جو سماں دیکھا اس سے دل میں بے حد متاثر ہو کر واپس ہوا اور جا کر بیان کیا کہ محبت و اطاعت کا جو منظر وہاں میری نگاہوں سے گذرا ہے وہ تو بڑے سے بڑے بادشاہوں کے درباروں میں بھی نہیں پایا جاتا۔ محمدؐ کے ساتھی تو اس پر دل و جان چھڑکتے ہیں اور ایک ایک اشارے پر کٹ مرنے کو تیار ہیں۔ اس کے سامنے کوئی شخص اونچی آواز میں بولنے تک کی جرأت نہیں کرتا۔ عروہ کے اس تاثر سے یہ بات سمجھی جا سکتی ہے کہ اسلامی تحریک کی قوت کا ایک راز یہ ہے کہ جماعت اپنی قیادت سے کس درجہ گہری محبت رکھتی ہے اور کس والہانہ طریق سے اطاعت کرتی ہے۔ محبت و اطاعت کے جمع ہو جانے سے ناقابل فتح قوت پیدا ہوتی ہے اور جماعت میں ایسی فضاء موجود ہو تو مخالفین کو مرعوب اور کمزور کر دیتی ہے۔ یہاں محض کسی جمہوری اسوسی ایشن کا سا معاملہ نہیں ہوتا کہ ایک دوسرے کی کاٹ میں لگے ہیں۔ نہ صدر کو ارکان سے کوئی قلبی تعلق۔ نہ

ارکان کو صدر سے کوئی روحانی علاقہ..... بس دستور اور قاعدے کی ظاہری اطاعت کردی گئی۔ کیا گندی فضاء ہوتی ہے ان جماعتوں کی جو اپنی قیادت پر زہریلی تنقیدیں کرتی ہیں۔ غیبت اور نجوی کے محاذ کھولے رہتی ہیں اور طرح طرح کی سازشیں گانٹھتی رہتی ہیں۔ اسلامی نظام جماعت کی فضاء خیر خواہی، وفاداری اخلاص ومحبت اور والہانہ طاعت سے بنتی ہے۔ اس میں ہر رکن کی شخصیت کی اہمیت ہوتی ہے اور قائد کی شخصیت تو سب کے لئے مرکز محبت ہوتی ہے۔ اس کے بغیر نہ رحماء بینھم کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور نہ علمبرداران حق بنیان مرصوص بن سکتے ہیں۔ مسلم جماعت کی یہی فضاء اپنی شان کمال کے ساتھ حدیبیہ کے میدان میں جلوہ گر تھی۔ جس نے عروہ کے دل کو مرعوب کردیا اور اس نے جا کر اسی تاثر کا پرتو مکہ کے خواص پر ڈالا۔

گفت وشنید کے اسی سلسلہ کو آگے بڑھانے کے لئے

حضورؐ نے خراش بن امیہ کو قریش کی طرف بھیجا۔ مکہ میں لا مرکزیت اور انتشار تو تھا ہی۔ کچھ لوگوں نے حضورؐ کے اس اونٹ کو مار ڈالا۔ جس پر سوار ہو کر خراش شہر میں گئے تھے۔ خود ان کی جان بھی مشکل سے بچی اور وہ لوٹ آئے۔ پھر حضرت عثمان کو بھیجا گیا۔ ادھر سر پھرے عناصر کا ایک دستہ دیکھ بھال کے لئے نکلا تھا۔ ان لوگوں نے مسلمانوں سے چھیڑ خانی کی اور تیر اور پتھر پھینکے۔ ان لوگوں کو گرفتار کر لیا گیا مگر حضورؐ نے مصلحت کے پیش نظر ان کو رہا کر دیا۔ یعنی قریش کا جنگ پسند عنصر برابر اس کوشش میں تھا کہ کس طرح سے جنگی جذبات کی بارود بھڑک اٹھے۔ مگر خدا نے بہ لطف خاص کف ایدیھم عنکہ و کف ایدیکم عنھم کی فضاء کو غالب کر دیا۔ حضرت عثمانؓ کو قریش نے روک لیا اور واپسی میں دیر ہو گئی۔ نا خوشگوار واقعات کی وجہ سے فضاء ایسی تھی کہ جس میں یہ افواہ پھیل گئی کہ حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے۔ حضورؐ نے فوراً جماعت کو اکٹھا کیا اور لڑنے

مرنے کی بیعت لی۔ فرمایا کہ ''ہم ان لوگوں سے لڑے بغیر نہ پلٹیں گے''۔ حضرت عثمان کی جان اس لمحے بے حد قیمتی ہوگئی تھی۔ کیونکہ بارشاد حضورؐ امر واقعہ یہ تھا کہ ''عثمان اللہ اور اس کے رسولؐ کی تفویض کردہ خدمت پر گئے تھے''۔ اپنے ایک ہاتھ کو عثمان کا ہاتھ قرار دیا اور اس پر دوسرا ہاتھ اپنی طرف سے رکھ کر کہا کہ قرار باندھو! آپؐ کے رفقاء پہلے ہی جذبات سے بھرپور تھے۔ اخلاص سے لپک لپک کر بیعت کرنے لگے۔ یہ اتفاقی لمحہ ازدیا و ایمان اور تعمیر کردار کا لمحہ تھا اور اس وقت جماعت نے اپنے آپ کو اتنا ارتقاء دے لیا کہ حضورؐ نے فرمایا ''آج کے دن تم لوگ تمام زمین والوں سے افضل ہو''۔ اس لمحے کے طفیل ان کو رضائے الٰہی حاصل ہوئی۔ صرف ایک منافق (جد بن قیس) تھا جو اس لمحہ کی سعادتوں سے محروم رہا۔ حق کے علمبرداروں کی راہ میں ایسے بے شمار لمحات آتے ہیں اور اخلاص مند روحیں ان لمحات سے آبیاری حاصل کرتی ہیں۔ خون کا ایک قطرہ بہائے

بغیر چودہ سو مسلمانوں کو لڑنے مرنے کی جزا مل گئی۔ قریش کو جب اس صورت حالات کا علم ہوا تو انہوں نے فوراً حضرت عثمان کو واپس روانہ کر دیا۔ کیونکہ فی الحقیقت لڑنے سے یہ بھی کترانا چاہتے تھے۔

پھر مکہ سے مکرز بن حفص آیا۔ رسول اللہ کی مردم شناسی ملاحظہ ہو کہ دور ہی سے نظر پڑی تو پکار اٹھے۔ ''یہ ایک مکار آدمی ہے''۔ مراد یہ تھی کہ اس کے ذریعہ معاملات کبھی بخیر و خوبی طے نہیں ہو سکتے۔

بالآخر قریش نے سہیل بن عمرو کو بھیجا۔ نظام حق کے داعی کی نگاہ حقیقت رس نے دیکھتے ہی اندازہ کر لیا کہ قریش نے اس آدمی کو بھیجا ہے تو پھر وہ صلح پر تیار ہو گئے ہیں۔ شرائط پر ضروری بات چیت ہوئی اور معاہدہ لکھنے کے لئے حضرت علیؓ کاتب تھے۔

معاہدہ ایسے نازک حالات میں لکھا جا رہا تھا کہ بات بات پر کھچاؤ پیدا ہونے لگتا۔ حضورؐ نے بیرایہ آغاز کے طور پر "بسم اللہ الرحمن الرحیم" لکھنے کا حکم دیا۔ سہیل نے کہا کہ ہم نہیں جانتے کہ یہ رحمٰن و رحیم کیا ہوتا ہے۔ ہمارے معمول کے مطابق "باسمک اللھم" لکھا جائے۔ حضورؐ نے یہ مطالبہ بھی قبول کر لیا۔ پھر فرمایا۔ لکھو۔ ذیل کا معاہدہ محمد رسول اللہ اور سہیل بن عمرو کے درمیان طے پایا۔ سہیل نے کہا کہ اگر میں یہ مانتا کہ آپ خدا کے رسولؐ ہیں تو آپ کے خلاف لڑتا ہی کیوں؟ پس اپنا اور اپنے والد کا نام لکھوایئے۔ حضرت علیؓ "محمد رسول اللہ" کے الفاظ لکھ چکے تھے اور فرط ادب میں اپنے ہاتھ سے "رسول اللہ" کے الفاظ مٹانا اور ان کو گوارا نہ ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تحریر لے کر خود یہ لفظ کاٹ دیئے اور ان کی جگہ "محمد بن عبداللہ" لکھا گیا۔

سہیل کی ان زیادتیوں کو نبی پاکؐ کے رفقاء دیکھ دیکھ کر

Source: www.prophetmuhammadforall.org

پیچ و تاب کھا رہے تھے مگر احترام رسالت کی وجہ سے دم بخود تھے۔ اب ذیل کی شرائط لکھی جانے لگیں۔

.....فریقین دس سال کے لئے جنگ بندی اور صلح رکھیں گے۔

.....مسلمان اس سال واپس چلے جائیں اور اگلے سال زیارت کعبہ کے لئے آئیں اور صرف نیام کردہ تلواروں کے ساتھ تین روز حرم میں گذاریں۔

.....قبائل عرب کو آزادی ہوگی کہ وہ فریقین معاہدہ میں سے جس کے ساتھ چاہیں حلیفانہ تعلق قائم کریں۔

.....قریش کے تجارتی قافلے حدود مدینہ سے گذریں تو ان کو امان حاصل ہوگی۔

.....قریش کا کوئی آدمی اگر بلا اجازت مدینہ چلا جائے تو وہ واپس کر دیا جائے گا اور اگر کوئی مسلمان مکہ میں آجائے تو وہ

Source: www.prophetmuhammadforall.org

واپس نہیں کیا جائے گا۔

اس آخری شرط نے جذبات میں سخت ہلچل پیدا کردی۔ پورا ذہنی ماحول سامنے لایئے تو اندازہ ہوسکتا ہے کہ جماعت میں ایسے جذبات کا پیدا ہوجانا فطری تھا۔ اول تو سرے سے یہی صورت واقعہ کچھ کم نادر نہ تھی کہ وہ قریش جنہوں نے لوگوں کو گھروں سے نکالا۔ جنہوں نے اسلام کے علمبرداروں پر جنگ مسلط کردی۔ جو آج بھی ان کو حرم سے روک رہے تھے اور قربانیوں کو لوٹا رہے تھے۔ ایسے ظالم اور برسر جنگ مشرکین کے ساتھ یکا یک مصالحت کی راہ نکالنا جماعت کے لئے بڑا کاوش طلب واقعہ تھا۔ ان کے سامنے تو ایک ہی کلیہ بدا بیننا و بینکم العداوۃ والبغضاء ابدا حتی تو منوا باللہ وحدہ وہ تو ایک ہی موٹے اصول کو جانتے تھے کہ وقاتلوھم حتی لاتکون فتنۃ ویکون الدین کلہ للہ ! ان کے سامنے سیدھا سادا رسولا یہی تھا کہ کلمۃ اللہ کو برتر رہنا چاہئے اور

کافروں کے کلمہ کا سر نیچا ہونا چاہئے۔ کفر و باطل کے درمیان سمجھوتہ کی گنجائش ان کے ذہنوں میں نہ تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ اصولوں کو اگر محض نظریاتی اور فلسفیانہ طور پر لیا جائے تو بات دوسری ہوتی ہے لیکن جب ان کو واقعات کے عملی میدان میں لے کر معرکہ آرا ہوا جائے تو پھر وقت اور مصالح اور حریف اور حامی قوتوں کے حالات کو سامنے رکھ کر مختلف اقدامات کرنے پڑتے ہیں۔ یہ ممکن نہیں ہوتا کہ آپ بس آنکھیں بند کر کے سیدھے ہی سیدھے ایک ہی رفتار سے بڑھتے جائیں۔ کہیں رکنا پڑتا ہے۔ کہیں دو قدم کا گھماؤ اختیار کرنا پڑتا ہے اور کہیں نیا راستہ نکالنے کے لئے دو قدم پیچھے ہٹنا پڑتا ہے۔ مختلف دشمنوں کو شکست دینے ہی کے مقصد سے بسا اوقات ان میں سے کسی ایک سے عارضی مصالحت ناگزیر ہو جاتی ہے۔ تاریخ کے یہ وسیع عملی حقائق حضور گونگا ہوں کے سامنے تو تھے ہی، لیکن جماعت کی نگاہ آپ کی نگاہ جتنی رسائی نہ رکھتی تھی۔ پھر جب اس جماعت

کے سامنے "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" اور رسول اللہ" کے الفاظ قلم زد کیے گئے تو جذبات میں خاصا مدوجزر پیدا ہوگیا۔ اس سے بھی بڑھ چڑھ کر جب وہ غیر مساویانہ اور غیر دعادلانہ شرط سامنے آئی تو صبر وضبط بحال رکھنا مشکل ہوگیا۔ حضورؐ اس معاہدے کے ذریعہ جن بڑے بڑے مسائل کو حل کرنے کی راہ نکال رہے تھے ان پر جہاں قریش کی نظر نہ تھی وہاں مسلم جماعت بھی پوری طرح ان کو سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ کبھی کبھار بڑی بڑی تحریکوں کے دوران کار میں ایسے نازک لمحے بھی آجاتے ہیں جبکہ قائد اور جماعت کے درمیان مستقبل کے معاملات کی سوجھ بوجھ کے لحاظ سے ذہنی فاصلہ بڑھ جاتا ہے۔ قیادت کی نگاہ زیادہ فاصلے تک دیکھتی ہے اور جماعت نسبتاً نزدیکی حقیقتوں تک سوچتی ہے۔ یہی مواقع بحران کے مواقع بن جاتے ہیں اور انہی شاذ مواقع پر ضابطے کی حد سے بڑھی ہوئی جمہوریت خطرناک ہوجاتی ہے۔ ایسے مواقع پر صرف وہی قیادت اپنا فرض ادا کرسکتی ہے جو رائے

عام کا اعتماد و تعاون اس حد تک رکھتی ہو کہ اس کا کوئی بدل نہ پیدا کیا جا سکے۔ ایسی مخلص اور مستحکم قیادت جماعت کو اہم مصالح کی راہ پر مجرد اپنی اخلاقی قوت سے کھینچ کر لے جاتی ہے اور عقلی اطمینان جماعت کو بعد کے حالات و واقعات کو دیکھ لینے کے بعد ہی حاصل ہوتا ہے۔

غضب یہ ہوا کہ عین اسی حالت میں نمائندہ قریش سہیل کے صاحبزادے ابو جندل بیڑیاں پہنے ہوئے موقع پر آ پہنچے۔ ان کو مار اپیٹا گیا تھا اور وہ مظلومی کا ایک مجسمہ تھے۔ انہوں نے اپنے آپ کو سرور عالمؐ اور مسلمانوں کے سامنے پیش کر دیا۔ سہیل بن عمرو نے کہا کہ مجوزہ شرط کے مطابق یہی پہلا شخص ہے جسے آپؐ کو واپس کرنا ہوگا۔ حضورؐ نے معاملہ سمجھانے کے لئے فرمایا کہ ابھی معاہدہ لکھا نہیں جا چکا۔ سو ابو جندل کو مستثنیٰ رہنے دو۔ سہیل نے کہا تو پھر کوئی مصالحت نہیں ہو سکتی۔ پھر آپؐ نے نرمی سے یہ بھی فرمایا کہ اچھا اسے میری خاطر میرے ساتھ آنے دو۔

نہیں مانا۔ مجبوراً حضورؐ نے اس ظالمانہ مطالبہ کو بڑے مصالح کی خاطر قبول کرلیا۔ اب جندل نے جماعت کو مخاطب کر کے فرمادکی۔ کہ مسلمانو! تم مجھے مشرکوں کے حوالے کر رہے ہو جو مجھے ایمان سے ہٹانے کے لئے مجھ پر تشدد کریں گے۔ یہ اپیل اپنے ماحول میں بڑی اشتعال انگیز تھی مگر حضورؐ اس وقت ٹھنڈے مزاج کا ایک بے مثل نمونہ تھے۔ ابو جندل کو نرمی سے سمجھایا کہ ہم نے معاہدہ میں ایک بات تسلیم کرلی ہے تو اب ہم عہد شکنی نہیں کرسکتے۔ تمہارے لئے اور دوسرے مظلوموں کے لئے اللہ تعالیٰ کوئی راہ نجات نکالے گا، ذرا صبر سے کام لو۔

جماعت کا اضطراب اس وقت آخری حد کو چھو رہا تھا اور قریش کے خلاف ساری جماعت کے جذبات مجتمع ہو کر جس شخص کے اندر کھول رہے تھے وہ حضرت عمرؓ تھے۔ ان کا کوئی ذاتی اور نفسانی معاملہ نہیں تھا۔ ان کے اندر حمیت حق ہی کام کر رہی تھی۔ پیچ و تاب کے عالم میں انہوں نے پہلے حضرت

ابوبکرؓ سے اور پھر رسول اکرمؐ سے یوں مکالمت کی:

حضرت عمرؓ: اے اللہ کے رسولؐ! کیا آپؐ کے رسول نہیں ہیں؟

رسولؐ خدا: کیوں نہیں؟

حضرت عمرؓ: پھر کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟

رسولؐ خدا: کیوں نہیں!

حضرت عمرؓ: اور کیا وہ لوگ مشرک نہیں ہیں؟

رسولؐ خدا: کیوں نہیں!

حضرت عمرؓ: پھر ہم دین کے معاملے میں دب کر کیوں معاملہ کریں؟

رسولؐ خدا: میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسولؐ ہوں۔ میں اس کے کسی حکم کو توڑ نہیں رہا اور وہ مجھے اپنی مدد سے محروم رکھے

گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ چپ تو ہو گئے لیکن جذبات میں دیر تک ٹھہراؤ نہیں آسکا۔ معاہدہ لکھا گیا اور اس پر حضرت عمرؓ نے بطور گواہ دستخط ثبت کر کے اطاعت کی یہ زریں مثال بھی پیش کر دی کہ شرائط پر دل مطمئن نہیں مگر حضورؐ نے فیصلہ کر دیا تو پھر سرکشی بھی نہیں۔

معاہدہ ہو چکا تو حضورؐ نے جماعت کو نحر (اونٹ ذبح کرنے) اور حلق (سر مونڈانے) کا حکم دیا مگر اضطراب اور غم و اندوہ کی وجہ سے جماعت میں کوئی حرکت پیدا نہیں ہوئی۔ دوبارہ حکم دیا تو بھی کوئی نتیجہ نہیں۔ سہ بارہ فرمایا تو بھی وہی حالت طاری رہی۔ اندازہ کیجئے کہ خود حضورؐ اکرم کی تربیت یافتہ جماعت میں اس وقت کیسا ذہنی بحران طاری تھا..... اور سبق لیجئے کہ انسانی سرگرمیوں میں کیسے کیسے عالم پیش آتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ رنگ دیکھ کر صدمہ ہوا۔ قیام گاہ پر آئے اور حضرت ام سلمہؓ سے شکایت کی کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ میں نے حکم دیا اور تعمیل نہیں ہوئی۔ حضرت ام سلمہؓ نے تسلی دلائی کہ معاہدہ کی شرائط سے وہ اندوہ گیں ہیں۔ آپ باہر نکل کر خود سحر وحلق کیجئے۔ سرور عالمؐ اٹھے اور باہر آ کر قربانی کی اور بال اتروائے۔ اس عملی اقدام نے جماعت کو جادۂ اطاعت پر بحال کر دیا لیکن پھر بھی عالم یہ تھا کہ جیسے یہ لوگ ایک دوسرے ہی کو کچا چبا جائیں گے۔ تاہم یہ رو وقتی رو تھی اور گذر گئی۔

اندازہ کیجئے کہ جنگ سے ہٹ کر مصالحت کی فضاء حاصل کرنے کے لئے حضورؐ نے کتنی کٹھن صورت حالات سے گذرنا گوارا کیا۔ بلکہ اپنی محبوب جماعت کے نہایت ہی گہرے اور پاکیزہ اور مخلصانہ جذبات تک کی قربانی اس مقصد کے لئے دی۔

آپؐ نے اس معاہدہ کے ذریعہ عظیم مقاصد حاصل فرمائے۔ ایک یہ کہ مسلم جماعت اور مشرکین مکہ اور عرب کے درمیان ہر طرح کے میل جول کے راستے کھل گئے۔ لوگوں کی آمد و رفت ہوئی۔ برسوں کے بچھڑے ہوئے عزیز و اقارب اکٹھے ہو کر بیٹھے۔ مکہ میں جو غلط فہمیاں حضورؐ اور مسلم جماعت کے بارے میں ہوں گی وہ مشرکین کی طرف سے سامنے آنے لگیں اور مسلمان ان کو صاف کرتے۔ لوگوں کے سوالات کے جوابات دیتے۔ انہیں اپنی روحانی، ذہنی، علمی اور اخلاقی و مادی ترقیوں کا حال بتاتے۔ دعوت حق اور نظریہ اسلامی گھر گھر زیر بحث آنے لگا اور امن کے حالات میں اسلام اس تیزی سے پھیلا کہ صلح حدیبیہ کے بعد دو برس میں اتنی تعداد خوشی خوشی حق کے محاذ پر آ کھڑی ہوئی۔ جتنی اس سے قبل کے اٹھارہ انیس برسوں میں مجموعی طور پر حاصل ہوئی تھی۔ حتیٰ کہ خالد اور عمرو بن العاص جیسے کام کے نوجوان بھی اسی مصالحت کے بعد حلقہ

اسلامی میں آداخل ہوئے۔

دوسرا مقصود یہ حاصل ہوا کہ جنگ وجدال سے نجات پاکر جماعت کی ذہنی و اخلاقی اصلاح اور خود ریاست کے نظم و نسق کی تعمیر کا کام انجام دینے کے لئے یکسوئی حاصل ہوگئی۔ علاوہ ازیں غیر ملکی حکومتوں کو دعوت دینے کا موقع نکل آیا۔

تیسرا فائدہ یہ پہنچا کہ حکومت مدینہ خیبر کے معاندانہ محاذ کا قلع قمع کرنے کے لئے قریش کی طرف سے بالکل بے فکر ہوگئی چنانچہ صلح حدیبیہ کے بعد فوراً ہی اسلامی حکومت اس قضیے سے فارغ ہوگئی۔

چوتھا مفاد یہ حاصل ہوا کہ عرب کے قبائل کو آزادی حاصل ہوگئی کہ ان میں سے جو بھی چاہے حکومت مدینہ کا ساتھ دے۔ یہ ایسا دروازہ کھلا کہ جس میں سے گذر کر نئے نئے عناصر مسلم جماعت کو تعاون بہم پہنچا سکتے تھے اور قریش کوئی روک

ٹوک نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ بنوخزاعہ نے تو عین موقع ہی پر اسلامی حکومت سے تعلق جوڑ لیا۔

اور چوتھا نتیجہ یہ بھی نکلنا ہی تھا کہ ایک ہی سال بعد بڑے ٹھاٹھ سے یہی جماعت زیارت حرم کے لئے مکہ میں داخل ہوئی اور اس وقت قرآن کی پیشگوئی کے مطابق "لاتخافون" کی فضا میسر نہ تھی۔

سو کہنا چاہئے کہ قریش جیسے کڑے دشمنوں کو مصالحت پر لے آنا حضور اکرمؐ کی سیاست کاری کا ایک نمایاں معجزہ تھا اور ایک شرط میں بظاہر ذرا سا دب کو حضورؐ نے وہ فوائد اور نتائج حاصل کر لئے جن کا تصور بھی قریش اس وقت نہ کر سکے ہوں گے۔ انہیں کب یہ خیال آسکا ہوگا کہ اب ایک طرف ان کے حامی یہودیوں کا جنگی اڈا کھڑا جانے والا ہے اور وہ اکیلے رہ جائیں گے اور دوسری طرف اسلام لوگوں کو اتنی بڑی تعداد میں

کھینچ لے جائے گا بلکہ خود ان کے شہر میں اتنے اثرات پھیلا دے گا کہ ان کی طاقت موجودہ معیار سے بھی گر جائے گی۔ درحقیقت اس معاہدہ نے وہ راستہ بنادیا جس پر چل کر اسلامی انقلاب کی طاقت قندیل کے اندر اندر اسی مکہ میں فاتحانہ شان سے داخل ہونے والی تھی۔

واپسی پر راستے میں ہی سورۂ فتح کی آیات نازل ہوئیں جن میں پچھلے واقعات پر تبصرہ تھا اور مستقبل کے مصالح کی جھلک دکھا کر مسلم جماعت کو اللہ تعالیٰ نے بشارتیں دیں۔ ان کو بتایا کہ تم عنقریب ایک ایسے معرکے (یعنی خیبر) میں فتح حاصل کروگے۔ جس میں تم کو بہت سا مال غنیمت ملے گا اور اس کے بعد وہ کچھ حاصل ہوگا جو اس وقت تمہاری طاقت سے باہر ہے اور جس کو اللہ ہی نے گرفت میں لے کر محفوظ کر رکھا ہے۔ پھر بتایا کہ اگرچہ مشرکین مکہ کو تم آج بھی شکست دے سکتے تھے اور وہ یقیناً پیٹھ دکھا کر بھاگ کھڑے ہوتے لیکن ان کے درمیان ایسے

مرد وزن گھرے ہوئے ہیں جو مخفی طور پر دین حق کو مان چکے ہیں اور جن کے دل تمہارے ساتھ ہیں۔ اب اگر جنگ ہو جاتی تو وہ مجبوراً تمہارے مقابلے پر آتے اور تم انہیں نہ جاننے کی وجہ سے نشانہ بناتے۔ پس اللہ تعالیٰ کی یہ خاص مہربانی ہوئی کہ اس نے دونوں گروہوں کو ٹکراؤ سے روکا۔ خصوصاً وہ لمحہ یاد دلایا جبکہ کفر کی جانب سے حمیت جاہلیہ کا بڑا کڑا مظاہرہ کیا گیا تھا اور "الرحمن الرحیم" اور "رسول اللہ" کے الفاظ تک کی کتابت کو ارانہ کی گئی۔ نیز ابو جندل کے معاملے میں انتہائی ضد سے کام لیا گیا۔ ایک فریق جب اس طرح کا ٹیڑھا رویہ اختیار کر لیتا ہے تو پھر دوسری طرف بھی نرم اور ٹھنڈے جذبات برسر کار نہیں آسکتے۔ لیکن یہ بھی اللہ تعالیٰ کا کرم تھا کہ رسولؐ اور تم مسلمانوں کے اوپر اس نے سکینت اتاری۔ تمہیں جذبوں پر قابو دیا اور تمہیں تقویٰ اور احتیاط کے اصول پر کاربند رکھا..... اور تم لوگ مشرکین کے مقابلے میں اسی شان کے مستحق اور اہل تھے۔ ورنہ

اگر ادھر سے بھی اشتعال سے کام لیا جاتا تو تصادم ہو جاتا اور وہ سارے مصالح ختم ہو جاتے جو نہایت آسانی سے حاصل ہو رہے تھے۔

سورۃ فتح کا آغاز اس کلمے سے ہوتا ہے۔ "انا فتحنا لک فتحا مبینا" حضرت عمرؓ نے حیرت سے پوچھا کہ کیا واقعی یہ فتح مبین ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ ہاں یہ فتح مبین ہے۔ گویا واقعات کی روشنی میں عقلی اطمینان خاصی دیر بعد پیدا ہوا۔ اس موقع پر حضرت عمرؓ نے حمیت حق کے مخلصانہ جذبے میں جو جذباتی مظاہرہ کیا تھا اس کی تلافی کے لئے وہ مدتوں نفل عبادات انجام دے دے کر شان خدا سے عفو طلبی کرتے رہے۔ اخلاص کی شان یہی ہے۔ دوسری طرف حضرت ابوبکر صدیق کی شان یہ تھی کہ اس عمومی لمحہ اضطراب میں ان کو پورا پورا اطمینان رہا اور انسانی جماعتوں کو مزاجوں کی یہی رنگا رنگی ایک خاص ترکیب دیتی ہے۔ اس کا ایک سرا اگر صدیقی رجحان سے بنتا ہے، تو

دوسرا سرا فاروقی انداز سے!

اب سنئے کہ کیسے معاہدہ کی وعی دفعہ قریش کے لئے وبال جان بن گئی جسے تسلیم کرا کے وہ اپنا پلڑا جھکتا محسوس کر رہے تھے۔ اول تو اس کی وجہ سے مکہ میں خفیہ طور پر اسلام قبول کرنے والوں کا حلقہ اندر ہی اندر بڑھتا گیا اور ان کی وجہ سے قریش کی اجتماعیت کھوکھلی ہوتی گئی۔ دوسری طرف ایک بہت ہی سنگین واقعہ پیش آیا۔ ابو بصیر عتبہ بن اسید کسی نہ کسی طرح مکہ سے نکلے اور مدینہ جا پہنچے ان کو لینے کے لئے قریش نے دو آدمیوں کا وفد بھیجا۔ حضورؐ پابندی عہد کے اٹل اصول سے مجبور تھے سو ابو بصیر کو لوٹا دیا گیا۔ آپؐ نے ابو بصیر کو بھی وعی تاکید کی کہ تم لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کوئی راستہ نکالے گا۔ چار و ناچار ابو بصیر لوٹ گئے۔ راستہ میں موقع پا کر انہوں نے دو میں سے ایک نگراں کو اسی کی تلوار سے قتل کر دیا اور خود بھاگ کر پھر مدینہ آ گئے۔ دوسرا نگراں پھر شکایت لے کر آ موجود ہوا۔ ابو بصیر نے حضورؐ کے

سامنے وضاحت کردی کہ آپؐ نے اپنا عہد نبھادیا اور مجھے دشمنوں کے سپرد کردیا لیکن میں اپنے آپ کو مشرکوں کے سپرد کرکے ایمان کو خطرے میں نہیں ڈال سکتا تھا۔ سو میں نے اپنی ذمہ داری پر یہ اقدام کیا ہے۔ آپؐ پر کوئی ذمہ داری ہے ہی نہیں۔ خدا نے مجھے بچالیا۔ حضورؐ نے بڑے پر معنی طریق سے فرمایا۔ ''اسے کچھ آدمی مل جائیں تو یہ تو جنگ بھڑکا دے گا''۔ ابوبصیر کو اندیشہ ہوا کہ شاید مجھے پھر مکہ روانہ کردیا جائے۔ اس لئے وہ چپکے سے مدینہ سے نکل کر ساحل سمندر کی طرف مقام عیص (قریب بہ ذوالمروہ) جا پہنچے اور وہاں ڈیرہ ڈال دیا۔ بعد میں ابو جندل بھی وہیں آ گئے۔ پھر مکہ سے اور لوگ بھی نکلتے اور سیدھے ساحل کا رخ کرتے۔ ہوتے ہوتے ستر جوانوں کا دستہ یہاں جمع ہوگیا۔ مکہ والوں سے ان کی اصولی کشمکش بھی تھی اور ذاتی مظلومی کا جذبہ انتقام بھی تھا اور یہ حکومت مدینہ کے شہری بھی نہ تھے کہ ان پر معاہدہ کی ذمہ داری ہوتی۔ یہ گویا ایک

"آزاد اسلامی محاذ" تھا۔ ان لوگوں نے قریش کے قافلوں کی مزاحمت شروع کی۔ یہاں تک کہ قریش عاجز آئے۔ سو انہوں نے خود ہی درخواست کر کے معاہدہ سے اپنی مجبوب شرط نکلوائی۔ بعد ازیں ان نوجوانوں کو حضورؐ نے مدینہ بلالیا اور نو مسلموں کے لئے مکہ سے ہجرت کرنے کا راستہ بالکل کھل گیا۔

ایک اہم مسئلہ اس وقت پیدا ہوا جب ام کلثوم جو مکی سردار عقبہ ابن ابی معیط کی صاحبزادی تھیں۔ ہجرت کر کے مدینہ آپہنچیں۔ ان کو واپس لے جانے کے لئے ان کے دو بھائی عمارہ اور ولید بھی ساتھ آگئے۔ معاملہ حضورؐ کے سامنے آیا تو بحکم الٰہی آپؐ نے ام کلثوم کو واپس کرنے سے انکار کر دیا۔ ظاہر بات ہے کہ ایک اصولی مسلک کی خواتین کو دشمن یا مخالف کے سپرد کرنے کا معاملہ دوسروں سے بالکل مختلف نوعیت رکھتا ہے۔ اس انکار میں ایک ایسا اخلاقی وزن موجود تھا اور معاہدہ کے الفاظ بھی ایسے عمومی سے تھے کہ عورتوں کے مسئلہ میں تعبیری اختلاف

Source: www.prophetmuhammadforall.org

کی گنجائش نکلتی تھی۔ اس لئے جب دونوں بھائی واپس پہنچے تو قریش نے اس صورت کو قبول کرلیا۔ حضورؐ نے سورہ ممتحنہ کے احکام کے تحت اسی انکار کے ساتھ چونکہ چند اور فیصلے کئے تھے کہ ایک تو مسلمان اپنی ان سابق کافرہ بیویوں کو طلاق دے دیں جو مکہ میں تھیں اور دونوں طرف سے مہر ادا کئے جائیں اس لئے بحیثیت مجموعی یہ معاملہ قریش کو بھی اچھا معلوم ہوا۔

یہ تھا وہ تاریخی معاہدہ جو اپنے نتائج کے اعتبار سے بجائے خود فتح عظیم کی حیثیت رکھتا تھا اور جس تک قریش کو لانے اور اس سلسلے کے جملہ پر پیچ مراحل کو طے کرنے میں حضورؐ نے ایسی سیاسی حکمت اور قائدانہ بصیرت کا مظاہرہ کیا جس سے بعد والوں کو تا قیامت رہنمائی ملتی رہے گی یہ مصالحت حضورؐ کی سیاست کاری کا ایک بے مثل شاہکار ہے۔

عمرۃ القضا

معاہدہ میں طے تھے کہ اس سال مسلمان واپس چلے جائیں اور اگلے سال آ کر زیارت کر لیں۔ چنانچہ دوسرے سال ۷ھ میں حضورؐ نے رفقاء سمیت مکہ کا رخ کیا۔ یہ سفر بھی اگر مرتبہ اول میں دینی تھا تو مرتبہ دوم میں سیاسی۔ اس سے گہرے اثرات فضا میں مترتب ہوئے اور اس کی وجہ سے اسلام کا نفوذ نہ صرف مکہ میں بڑھ گیا بلکہ سارے عرب میں بھی مسلمانوں کا حرم میں آزادانہ داخلہ نہایت اچھے ذہنی اثرات کا موجب ہوا۔

دو ہزار افراد سو گھوڑوں اور قربانی کے ساتھ (یا اسی) اونٹوں کے ساتھ روانہ ہوئے۔ اسلحہ کا ذخیرہ بند حالت میں ساتھ لیا گیا۔ مگر آگے جا کر مقام یاجج میں رکھ دیا گیا۔ بروئے معاہدہ قریش کو تین دن کے لئے مسلمانوں کے لئے حرم بالکل کھول دینا پڑا۔ بعض کٹر مخالفین تو شہر چھوڑ کے دور جبل تعیقعان وغیرہ کی طرف چلے گئے تا کہ اس منظر کو دیکھنے نہ پائیں لیکن عام

Source: www.prophetmuhammadforall.org

باشندے، عورتیں اور بچے دارالندوہ کے پاس صف باندھے کھڑے تھے اور اس انقلابی طاقت کا نظارہ کر رہے تھے جس نے مکہ ہی کی فضاؤں میں ابتدائی نشوونما پائی تھی۔

داخلہ اس شان سے ہوا کہ عبداللہ بن رواحہ حضورؐ کی سواری کی باگ تھامے ہوئے آگے آگے ایک رجز یہ گیت الاپ رہے تھے چند بول یہ تھے۔

باسمک الذی الادین الادینہ باسم الذی محمد رسولہ

اس ہستی کا نام لے کر ہم داخل ہوتے ہیں جس کے دین کے علاوہ کوئی دین نہیں۔ اس ہستی کا نام لے کر ہم داخل ہوتے ہیں محمد جس کے رسول ہیں۔

خلو بنی الکفار عن سبیلہ قد نزل الرحمن فی تنزیلہ

Source: www.prophetmuhammadforall.org

اے کفار کی اولاد، اس کے راستے سے ہٹ جاؤ۔ الرحمٰن نے اپنی نازل کردہ کتاب میں یہ تعلیم دی ہے۔

یـــارب انـــی بان خیر القتل فی سبیلہ

مومن بقیلہ

کہ بہترین جنگ وہ ہے جو خود اسی کی راہ میں لڑی جائے۔ اے میرے پروردگار! میں تیرے نبیؐ کے قول پر ایمان رکھتا ہوں۔

گیت ہی گیت میں پوری دعوت حق بیان ہو رہی تھی۔ جس کی گونج سے مکہ کی فضاء میں برسوں سے خالی ہو چکی تھیں۔ اس میں جہاد تک کا رجز شامل تھا۔ اس میں رحمٰن کے اسی پیارے نام کی پکار ہو رہی تھی جس سے قریش کو چڑ تھی۔ اس میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا اعلان ہو رہا تھا۔ اسلام دشمن طاقت کو پر معنی انداز سے کہا جا رہا تھا کہ اس رسول کے راستے سے ہٹ جاؤ۔ مزاحمت چھوڑ دو۔ آج کوئی نہ تھا جو مکہ میں رکاوٹ ڈال سکے۔ معاہدے نے ہاتھوں اور زبانوں کو

باندھ رکھا تھا۔

حضورؐ نے داخلہ کے وقت جماعت کو حکم دیا کہ خوب مونڈھے کھول کر اور سینہ تان کو چلو اور چھیل چھیل کر طواف کرو۔ ان تاکہ اس پروپیگنڈہ کی تردید ہو جائے کہ مہاجرین کی حالت بھوک اور بخار نے پتلی کر رکھی ہے۔ اس وقت دشمنوں کو مرعوب کرنا ضروری تھا۔ حضورؐ نے کیا خوب فرمایا: ''خدا کی رحمت ہو اس شخص پر جو آج کفار کے سامنے قوت کا اظہار کرے''۔ اسی مصلحت سے آپ استلام رکن یمانی سے استلام رکن اسود تک نرم چال (مشی) چلتے اور اس حصے میں دیکھنے والا مجمع اوجھل ہو جاتا۔ پھر بعد کے دور میں ہلکی دوڑ (ہرول) لگاتے اور یہی حصہ مجمع کے سامنے تھا۔ معلوم ہوا کہ مخالف حلقوں میں علمبرداران اسلام کی کمزوری (خواہ وہ جسمانی ہو) کے چرچوں کو روکنا اور ان پر قوت و شوکت کے مظاہرہ سے رعب ڈالنا اسلامی سیاست کی ایک اہم حکمت ہے۔ یہ اتنی اہم حکمت ہے

کہ عین حرم میں اور عین دوران طواف میں بھی اس کو ملحوظ رکھا گیا۔ یہ مظاہرہ قوت کبر و غرور کی تعریف میں نہیں لایا جا سکتا۔ بلکہ یہ عین کار ثواب ہے۔ ایسے موقع پر اگر فروتنی اور انکسار دکھایا جائے تو وہ بالکل ان پڑے۔ ان چھوٹے چھوٹے امور سے شہادت ملتی ہے کہ حضورؐ وقت وقت کے سیاست ذاتی جاہ کے لئے نہ تھی۔ خدائی نظام عدل کی سربلندی کے لئے تھی۔ اس لئے سر امر دین تھی اور اس کا ہر اقدام ایک عبادت تھا۔

غور کیجئے کہ نظام حق کے داعیوں کی اس جماعت کو جب مکہ کا مجمع دیکھ رہا ہوگا تو مردوں اور عورتوں اور بچوں پر کیسے کیسے اثرات پڑ رہے ہوں گے۔ خیال آتے ہوں گے کہ یہ اسی دین کی فصل ہے جس نے مکہ سے آغاز کیا تھا..... اور پھر غار حراء خانہ ارقم، شعب ابی طالب، دار الندوہ اور غار ثور کے تاریخی مقامات ان کے سامنے سر اٹھا اٹھا کر کہتے ہوں گے کہ دیکھو نیکی کی یہ طاقت کتنی عظیم ہے اور تم اس کے مقابلے میں کتنے فروتر

ہو کے رہ گئے ہو۔ مکہ کی گلیوں کے ذرے تڑپ کے اٹھے ہوں گے اور ان لوگوں سے کہتے ہوں گے کہ یہ وہ صبر کیش لوگ ہیں جن کو تم نے بغیر کسی جرم کے کئی سال تک دکھ دیئے تھے۔ دیکھو وہ آج کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔ کتنے ہی کانٹوں نے سر اٹھا کر کہا ہوگا کہ تم نے ہماری نوکوں سے ان جسموں کو اذیت دی تھی۔ پھر کہیں سے حضرت ابوذرؓ کی کلمہ کی وہ پہلی پکار کعبہ سے گونجنے لگی ہوگی۔ جس پر ہنگامہ مچ گیا تھا۔ کہیں سے حضرت بلالؓ کی احد احد کی صدائیں بلند ہونے لگی ہوں گی جو تپتی ریت کے بستر پر پڑ کر دل سے اٹھتی تھیں۔ دارالندوہ چیخنے لگا ہوگا کہ تم لوگوں نے جس کے قتل کی سازشیں کی تھیں اس کا پیغام کوئے کوئے میں تبدیلی لا رہا ہے۔ تیرہ برس کی تاریخ ہر چہار جانب سے لڈ پڑی ہوگی اور پھر بدر اور احد میں کام آنے والوں کی یادیں خونی پیراہن سجائے نمودار ہوئی ہوں گی ..... اور ان کی روحوں سے صدا اٹھی ہوگی کہ تم بھی جاگو۔ تم بھی بدلو۔ تم بھی آگے بڑھو اور

اس سیل رواں میں شامل ہو جاؤ۔

ایک طرف اس جماعت کے طرز عبادت کا مظاہرہ ہوا ہوگا اور دوسری طرف یہ اخلاقی مثال قائم ہوئی ہوگی کہ اتنی بڑی تعداد شہر مکہ میں تین دن تک موجود رہی لیکن باوجود سخت عناد کے کسی کے مان و مال کو کوئی نقصان نہ پہنچا۔ گھر جس طرح مقفل کر کے مشرکین باہر نکل گئے تھے، اسی طرح صحیح سلامت رہے۔

اسلام کے حامی عناصر جو مکہ میں ایمان چھپائے بیٹھے تھے، ان کی آنکھیں اس نظارے سے کیسی ٹھنڈی ہوئی ہوں گی۔ ان کے جذبوں کو ایک نئی طاقت ملی ہوگی۔ ان کے اندر تازہ امیدیں ابھر آئی ہوں گی۔ مخالفین اپنے آپ کو کتنا پستا ہوا محسوس کر رہے ہوں گے اور ان کی آنکھوں کے سامنے کتنا تاریک مستقبل ہوگا۔

تین دن تک شہر کی فضاؤں میں یہ گھٹا موتی برساتی

رہی۔ چوتھے روز سہیل بن عمرو اور حویطب بن عبدالعزیٰ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے جبکہ آپؐ انصار کے درمیان بیٹھے بات چیت کر رہے تھے۔ سہیل نے کہا کہ تین دن پورے ہو چکے۔ اب میری زمین سے نکل جاؤ۔ سعد بن عبادہ اس طرز خطاب پر ضبط نہ کر سکے۔ انہوں نے کہا۔ ”زمین نہ تیری ہے نہ تیرے باپ کی ہم ہرگز نہ نکلیں گے“۔ حضورؐ نے فوراً ہی فضاء کو ٹھنڈا کرنے کے لئے ذرا لطیف انداز گفتگو اختیار کیا۔ حضورؐ نے حضرت میمونہ سے اسی موقع پر نکاح فرمایا تھا۔ فرمایا کہ دیکھو ہم نے یہاں سے نکاح کیا ہے۔ کیا حرج ہے ذرا کھانا ولانا پک جائے۔ ہم بھی کھائیں اور آپ لوگ بھی شریک ہوں۔ اس فقرے میں کئی پہلو تھے۔ مگر ان کی کثافت مزاج میں فرق نہ آیا۔ کہا گیا کہ ہمیں کھانے والے کی ضرورت نہیں۔ بس آپ چلے جایئے۔ وہ بچارے بھی کیا کرتے دیکھ رہے تھے کہ ساری فضاء متاثر ہو رہی ہے۔ ان کے اصرار کی وجہ سے حضورؐ نے

جماعت کو کوچ کا حکم دیا۔ چلتے وقت حضرت حمزہ بن عبد المطلب کی چھوٹی سی بچی "یا عم! یا عم" پکارتی دوڑی دوڑی آئی اور آپ سے لپٹ گئی۔ کیا ہی رقت انگیز سماں ہوگا۔ حضورؐ نے اس بچی کو ساتھ لے لیا اور کسی قدر نزاع کے بعد اپنی خالہ کے سپرد کی گئی جو زید بن حارثہ کی اہلیہ تھیں۔

اب یاد کیجئے اس واقعہ کو کہ حدیبیہ سے واپسی میں حضورؐ پر اعتراض ہوا تھا کہ آپؐ نے تو فرمایا تھا کہ ہم حرم میں داخل ہوں گے اور طواف کریں گے۔ (سوال کا مدعا یہ تھا کہ ایسا ہوا تو نہیں!) حضورؐ نے جواب دیا۔ "میں نے یہ کب کہا تھا کہ اسی سال!"..... اور اگر واقعی ۶ھ میں یہ بات پوری بھی ہوتی تو اس شان سے نہ ہوتی بلکہ خون خرابے کے ساتھ ہوتی۔ ایک سال کا فاصلہ تحریکوں کی تاریخ میں ایک لمحہ کی سی نوعیت رکھتا ہے۔ ذرا سے وقفے کے بعد بے خونی کی حالت میں اور پوری آن بان سے حرم میں داخلہ اور عمرہ کا ہونا بے حد برکات رکھتا

تھا۔

پھر جب اس واقعہ کا قبائل عرب میں چرچا ہوا ہوگا تو رائے عام اس تبدیلی احوال سے بہر حال متاثر ہوئی ہوگی۔ لوگ محسوس کرتے ہوں گے کہ جس مکہ سے مسلمانوں کو نکالا گیا تھا اس میں وہ سینہ تانے اور مونڈے کھولے داخل ہوئے۔ جو قریش مسلم جماعت کو مٹا دینے کے درپے تھے انہوں نے اسی سے مصالحت کر کے اپنے آپ کو بے بس کرلیا۔ اس سے یہ اندازے لازماً باندھے گئے ہوں گے کہ مستقبل مدینہ کا ہے! ظاہر بات ہے کہ دلوں کے دروازے اسلام کے لئے اور زیادہ کھل گئے ہوں گے۔

جہاد کا اثر رائے عام پر

جیسا کہ ہم اوپر پورے زور سے یہ بات واضح کر چکے ہیں کہ تحریک اسلامی اور جاہلیت کے درمیان اصل معرکہ رائے

عام کے وسیع میدان میں ہوا۔ مسلسل اٹھارہ بیس برس جاری رہا اور اسی وسیع میدان میں آخری فیصلہ بھی ہوا لیکن اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ مسلم جماعت کے معرکہ ہائے جہاد کا سرے سے اس فیصلے کے ہونے میں کوئی دخل ہی نہ تھا۔

اصلاح وتعمیر کے کام میں قوت بجائے خود ایک اہم ضرورت ہے لیکن اجتماعی دائرے میں کوئی انقلاب آج تک بجز اس صورت کے نہیں آیا کہ اس کے علمبردار اپنے آپ کو مضبوط اور غالب وبرتر ثابت کردیں اور راستہ کی رکاوٹوں کو ہٹانے اور شرپسندانہ مزاحمتوں کو ختم کرنے کے لئے بوقت ضرورت قوت کا استعمال کامیابی سے کر دکھائیں۔ مجرد مذہب جسے انسانی زندگی کے صرف ایک چھوٹے سے خانے سے واسطہ ہوتا ہے اسے لے کے چلئے تو وعظ اور فیضان نظر سے بڑھ کر کسی سرگرمی کی ضرورت نہیں پڑتی اوپر کوئی سا نظام سایہ پھیلائے ہوئے ہو اور معیشت ومعاشرت کے معاملات کسی بھی نہج پر چل رہے ہوں۔ لوگوں

کے ذہنوں میں کچھ بھلے سے عقائد کی جگہ بھی نکالی جاسکتی ہے۔ ان کو کچھ جاپ اور منتر اور ..... وظیفے سکھائے جاسکتے ہیں۔ اور ان کو مسکینی وتواضع وار رحمدلی و ہمدردی جیسی خوبیوں سے بھی کسی نہ کسی حد تک آراستہ کیا جاسکتا ہے ایک فاسد اور ظالمانہ نظام میں اپنی خدمات کھپاتے ہوئے اور اس کے بنائے ہوئے نہایت ہی انسانیت کش راستوں سے رزق اور مفادات حاصل کرتے ہوئے ضمیر میں جو گھاؤ پڑتے رہتے ہیں صوفیانہ طرم کے انفرادی مذاہب اور ان کے بنائے ہوئے پیری مریدی کے ادارے ان کو ساتھ کے ساتھ ٹھنڈے پانی کے چھینٹے دیتے رہتے ہیں اور ان پر مرہم لگے پھاہے رکھتے ہیں۔ بدترین تمدن کے اندر چھوٹا سا کوشہ عافیت نکال لینے والے مذاہب بھی درحقیقت انسان کے ذوق فراریت کی تخلیق ہیں اور اجتماعیت کے دائرے میں بڑے بڑے جرائم کرنے اور خوفناک مظالم میں حصہ لینے کے بعد انفرادیت کی کٹیا میں بیٹھ کر اپنے خدا کو راضی کرنا اور اپنے

روٹھے ہوئے ضمیر کو منانا ہے۔ لیکن جو دین غیر الٰہی نظام زندگی کے گاڑھے میں یا دھدا کے مخمل کا ذرا سا پیوند لگا کر مطمئن نہ ہوتا ہو بلکہ جسے پوری زندگی کو اپنے ہی رنگ میں رنگنا ہو اس کا کام نرے لجاجت آمیز وعظوں، خلوت پسندانہ ریاضتوں اور خدمت خلق کے محدود جذبوں سے نہیں چل سکتا۔ اسے باطل کے قفس کو توڑنے، ظلم کے دست و پا کو باندھ دینے اور امن و انصاف کے دور تمدن کی طرف ڈالنے کے لئے قوت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اجتماعی تبدیلیاں بغیر مزاحمتوں کے نہیں واقع ہو جاتیں اور مزاحمتیں توڑنے کے لئے نرے وعظ کافی نہیں ہوتے۔ جن کے جمے جمائے سلسلہ ہائے مفادات کو اکھیڑا جاتا ہے اور جن کے ڈھب پر کام کرنے والی ترتیب معاشرہ کو بدلا جاتا ہے۔ وہ اپنا سارا زور تخریبی اقدامات میں کھپا دیتے ہیں۔ کوئی تحریک ان کو جب تک زور بازو سے کام لے کر راستہ سے نہ ہٹائے۔ اجتماعی اصلاح کے خوش آئند خوابوں کی تعبیر کبھی بر آمد نہیں ہو سکتی۔

اسلام جب اٹھا اور اس نے عین اس اساسی تصور حیات پر ضرب لگائی جس پر عرب کا جاہلی معاشرہ چل رہا تھا۔ اور نیم مشرکانہ نیم مادہ پرستانہ ذہنیت کو لا الہ الا اللہ کی زد پر لیا تو بالکل ابتداء ہی میں جاہلی نظام کے علمبردار سمجھ گئے کہ یہ تو ایک شاہ ضرب ہے جو پوری عمارت کو توڑ کر نئی تعمیر کے لئے لگائی گئی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ اس کی بھرپور مخالفت و مزاحمت کی گئی۔ اسی انقلاب اور ہمہ گیر تبدیلی کی ایسی دعوت جب بھی کبھی رونما ہوتی ہے تو معاشرہ بالعموم تین بڑے بڑے عناصر میں منقسم ہو جاتا ہے۔ وقت سے آگے ہو کر چلنے والے اور دور تک کے مستقبل کو دیکھنے والے ذہین ترین اور فعال ترین لوگ جن کی تعداد ہمیشہ کم ہوتی ہے، انقلابی دعوت پر آہستہ آہستہ لبیک کہتے ہیں۔ ان کے بالمقابل پرانے نظام میں رہنمائی کرنے والے اور بڑے بڑے مفادر کھنے والے عناصر متحرک ہو جاتے ہیں۔ اور وہ اپنے زیر اثر طبقوں میں سے بہت بڑی تعداد اپنے حامیوں کی نکال لیتے

ہیں۔ ان دونوں قوتوں کے درمیان جن میں سے اول الذکر نشوونما پاتی ہوئی اقلیت ہوتی ہے اور موخر الذکر سکڑتی اور پارہ پارہ ہوتی ہوئی اکثریت ہوتی ہے لمبی کشمکش ہوتی ہے۔ یہ دونوں نعال قوتیں تو فکری اور سیاسی اکھاڑے میں آجاتی ہیں اور عوام کا انبوہ کثیر باہر تماشائی بن کر یہ دیکھتا رہتا ہے کہ کب پلڑا کدھر جھکتا ہے اور اس کھیل کا انجام کیا ہوتا ہے۔ اس تیسرے عنصر میں جتنے بھی ذہین اور متحرک کردار موجود ہیں وہ بھی آہستہ آہستہ میدان کارزار میں اترتے جاتے ہیں لیکن بہت بھاری اکثریت آخری نتیجہ کا انتظار کرتی ہے۔ ان میں بہت سے لوگ وہ ہوتے ہیں جو پرانے نظام کے اندھے پرستار ہوتے ہیں اور یہ تصور ہی نہیں کرسکتے کہ وہ کبھی ٹوٹ سکتا ہے اور جب تک وہ انہیں ٹوٹتا دکھائی نہ دے ان کے اندر ذہنی تبدیلی آ ہی نہیں سکتی۔ ان میں سے بہت سے لوگ وہ ہوتے ہیں جو آہستہ آہستہ نئی قوت کے دلائل سے بھی اور اس کے اخلاقی اوصاف سے بھی متاثر ہوتے

جاتے ہیں اور بعض تمنا کرنے لگتے ہیں کہ کاش یہ قوت غالب ہو جائے۔ مگر وہ پرانی طاقت سے سخت مرعوب ہوتے ہیں۔ بعض دعوت انقلاب سے متاثر ہو کر قدم آگے بڑھانا بھی چاہتے ہیں لیکن سابق قیادت نے ان کو اس بری طرح اپنے پنجے میں جکڑ رکھا ہوتا ہے کہ وہ ہلنے جلنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ بڑی تعداد ایسے لوگوں کی بھی ہوتی ہے جو کسی نہ کسی حد تک حق و باطل کا معیار عی اس چیز کو بنا لیتے ہیں کہ دو نظریوں میں غالب و برتر کونسا رہتا ہے خصوصیت سے جب دعوت اسلام ہو تو یہ طرز فکر عوام میں زیادہ بڑے پیمانے پر پھیلتا ہے۔ عوام کی یہ وہ ذہنی و نفسیاتی کیفیات ہوتی ہیں جو کسی تعمیری و اصلاحی پیغام کی قبولیت میں رکاوٹ بنتی ہیں اور کشمکش کے مد و جزر سے ان کیفیات میں جیسی جیسی تبدیلیاں آتی رہتی ہیں، دعوت کو انہی کے مطابق اپنے فروغ میں سہولت یا دقت پیش آتی ہے۔ پس کسی بھی نئی دعوت کے علمبرداروں کے لئے راستہ جبھی کھل سکتا ہے جبکہ وہ

کشمکش میں اتنی ثابت قدمی دکھائیں اور مزاحم قوت پر اتنے کاری وار کریں کہ عوام ایک طرف یہ محسوس کرنے لگیں کہ پرانی قیادت کو بدلنا اور پرانے نظام کو توڑنا کوئی ناممکن عمل نہیں ہے اور دوسری طرف وہ نئی قوت سے امیدیں وابستہ کرلیں کہ اس کے بازوؤں میں اتنا بل ہوتا ہے کہ یہ ظلم اور جاہلیت کے علمبرداروں کو اچھی طرح جھنجھوڑ سکے۔ پس جب بھی رائے عام کی فضاء میں ایسا تاثر چھا جاتا ہے تو ایک اصلاحی وتعمیری دعوت کے لئے دلوں کے دروازے پوری طرح کھل جاتے ہیں۔

مدینہ کی اسلامی حکومت نے قریش اور یہود کے جنگی چیلنج کا جواب جس جرأت اور شجاعت سے دیا اور بھرپور طریق سے دیا۔ اس کا مقصود یہ نہیں تھا کہ تلوار کے زور سے کچھ لوگوں کو میدان جنگ میں اسلام کا قائل کرلیا جائے بلکہ جنگ جو یا نہ مزاحمتوں سے اپنا بچاؤ کرنے کے ساتھ ساتھ مطلوب یہ تھا کہ عامۃ الناس کے حوصلے بڑھیں۔ ان کی امیدیں مدینہ کی انقلابی

قوت سے وابستہ ہوں۔ وہ نظریہ اسلامی سے ایک روشن مستقبل کے ظہور کی توقع کریں، اور جاہلی نظام کے ٹوٹ جانے کا امکان کم سے کم ان پر واضح ہو جائے۔

چنانچہ بدر کا اولین معرکہ ہوا تو ہر چہار جانب سے نگاہیں زمین کے اس چھوٹے سے ٹکڑے پر لگی تھیں کہ دیکھیں پہلے تصادم میں کون کس کو پچھاڑتا ہے۔ اب جب یہ منظر عوام کے سامنے آیا ہوگا کہ مٹھی بھر مسلم سپاہی جن کے پاس ضرورت کا سامان کم سے کم حد تک بھی مکمل نہ تھا۔ انہوں نے اپنے سے تین گناہ تعداد کے لشکر جرار کو بری طرح زک دے دی ہے۔ اور مکہ کے نامی گرامی سرداروں کا مع ابوجہل کے صفایا کر دیا ہے تو کیا سارے عرب میں اس محیر العقول واقعہ کی دھوم نہ مچ گئی ہوگی۔ اس کے چرچے اور تذکرے گھر گھر نہ ہوئے ہوں گے اور اس نے رائے عام پر گہرا اثر نہ ڈالا ہوگا۔ اس واقعہ سے پہلی بار عرب میں یہ امید پیدا ہوئی ہوگی کہ مدینہ کی اسلامی طاقت محض کچھ

ایسے اللہ والوں پر مشتمل نہیں ہے جو ساری عمر مار کھا کھا کر خدا کی رضا اور روح کی شانتی حاصل کرنے کے لئے بھگت بن گئے ہوں۔ بلکہ اس طاقت کے ہاتھوں ایک نہ ایک دن کایا پلٹ جانے والی ہے۔

پھر احد میں معاملہ برابر برابر کا رہا۔ تو اثرات بھی بین بین قسم کے رہے ہوں گے۔ اس کے بعد خندق کا معرکہ پیش آیا۔ تو عرب نے دیکھا کہ چاروں طرف سے لشکر کے لشکر ایک تباہ کن طوفان کی مانند لڈ کر آئے اور پھر مہینہ بھر مدینہ کا محاصرہ کرنے کے بعد چھنٹ چھنٹا گئے جیسے مٹھی بھر بھوسے کو کوئی پھونک مار کر اڑا دے۔ اس واقعہ سے یہ اثر بہر حال پھیلا ہوگا کہ مسلم طاقت کی جڑیں اب اتنی مضبوط ہیں کہ مخالفین کی متحدہ قوت بھی ان کو نہیں ہلا سکی۔

ان بڑے معرکوں کے ساتھ ساتھ چھوٹی چھوٹی قبائلی

قیادتوں کی طرف سے مدینہ نے پوری توجہ رکھی۔ یہ مقامی قیادتیں چونکہ ملک گیر جاہلی نظام قیادت کی لمبی زنجیر ہی کی کڑیاں تھیں اور ایک ایک کر کے ان کو توڑے بغیر اس لمبی زنجیر سے عوام کو رہائی دلانا ممکن نہ تھا۔ اس لئے اس کی کچھ کڑیاں تو دعوت کے اثر سے از خود ٹوٹ گئیں۔ کچھ کو معاہدانہ اور حلیفانہ روابط کے ذریعہ زنجیر جاہلیت سے کاٹ لیا گیا۔ اور بقیہ نے جدھر سے بھی مزاحمت کے لئے سر اٹھایا، اسلامی حکومت نے فوراً ادھر توجہ کی اور وقت کے وقت سرکوبی کر دی۔ باغیوں، چوروں، ڈاکوؤں، جنگجوؤں، شورش پسندوں کی ایسی متواتر اور بروقت خبر لی گئی جیسی کہ ملاء اعلیٰ کی طرف شیاطین کے رخ کرنے پر شہابوں سے ان کی تواضع کی جاتی ہے۔ مدینہ کے آس پاس لاء اینڈ آرڈر پوری طرح جما دیا گیا۔ اور پر امن ماحول پیدا کر دیا گیا۔ ورنہ اگر چو طرفہ بکھرے ہوئے اعرابی قبائل کو ذرا بھی ڈھیل ملتی تو مدینہ کی پہلی منظم حکومت کا تجربہ ابتداء ہی میں ناکام

ہوگیا ہوتا۔ تاریخی ریکارڈ دیکھئے تو ہجرت کے پہلے سال سے لے کر فتح مکہ تک کا دورنت نئی بغاوتوں، شورشوں اور اجتماعی فسادات سے بھرا پڑا ہے۔ کل ادھر جنگی اجتماع ہورہا تھا۔ آج ادھر ڈاکوؤں کی ٹولیاں اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ایک دن اس جانب کسی جتھے نے غارت ڈالی۔ دوسرے دن اس جانب کسی دستے نے مدینہ کے شہریوں کو گھائل کردیا۔ کوئی جنگی سازش ادھر ہورہی ہے۔ کوئی باغیانہ منصوبہ ادھر بن رہا ہے۔ مگر مدینہ چوکس تھا۔ کہیں طلایہ گردی کو ٹولیاں نکل رہی ہیں۔ کہیں فوجی مہم کی ترسیل کی جارہی ہے اور کہیں پولیس کارروائی کے لئے کوئی ٹیم روانہ ہورہی ہے۔

ان سارے حالات نے عرب پر بہر حال یہ اثر ڈالا ہوگا کہ مسلم طاقت ''چشم بندو گوش بندو لب بہ بند'' قسم کی طاقت نہیں ہے۔ وہ ایک زندہ، بیدار اور فعال حکومت ہے جو چومکھی لڑکر مخالف قبائل کے بے شمار محاذوں سے نمٹ رہی ہے۔ ایک

نہ ایک دن یہ بازی لے جائے گی۔

پھر جب مدینہ میں یہودی اثر کا خاتمہ کر دیا گیا ہوگا اور اس کے بعد موزوں وقت آتے ہی خیبر کا مخالف محاذ توڑ دیا گیا ہوگا تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ رائے عام کی فضاء قبول دعوت کے لئے ان واقعات سے کس طرح سازگار ہوتی گئی ہوگی۔

اور فتح مکہ کے زلزلہ انگیز واقعہ نے عرب کو اس سرے سے اس سرے تک جھنجھوڑ کر جاہلیت کی نیند سے جگا دیا ہوگا اور تحریک اسلامی نے نئے دور کی اذان پکار کر پیغام دیا ہوگا کہ اٹھو! اجالا ہو گیا اب ہر اندھے نے بھی دیکھ لیا ہوگا کہ جاہلیت مٹنے والی تھی اور مٹ گئی۔ اب انتہائی قدامت پسند اور مقلد اور مرعوب ذہن کے نچلے طبقوں کو بھی یقین آ گیا ہوگا کہ قریش کی فرسودہ قیادت کا دور ختم ہو گیا اور ہر پلید ترین بدو نے بھی سمجھ لیا ہوگا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام، علم، کردار، زندگی، حرکت،

ترقی، تعمیر، نظم، امن، انصاف اور قوت سے آراستہ کرنے والا پیغام ہے اور عوامی ذہن نے اپنے کواڑوں کی کنڈیاں کھول دی ہوں گی اور اپنے روزنوں سے پردے ہٹا دیئے ہوں گے۔ تاکہ اسلامی تحریک کی شعاعیں اندر آسکیں۔

پھر ان جنگی کارروائیوں کے اندر خود اسلام کی دعوت کام کررہی ہوتی تھی۔ یہ لڑائیاں محض تلواروں اور تیروں کی لڑائیاں نہ تھیں یہ عقیدوں، نظریوں اور کرداروں کی لڑائیاں بھی تھیں ان لڑائیوں میں مسلم طاقت تکبیر کا نعرہ لے کر آئی تھی۔ وہ میدان جنگ میں بھی ذوق رکوع وسجود اپنے ساتھ لائی تھی۔ وہ دشمن کے خلاف اگر پورے جوش قوت سے حملہ آور ہوتی تھی تو دوسری طرف دشمن کے سامنے وہ اپنے خدا کے حضور عاجزی سے سر رکھتی تھی۔ پھر اس کا نئی طرز کا ڈسپلن تھا۔ اور اس کے قواعد تھے اور اس کے مخصوص اطوار تھے۔ پھر وہ شہادت اور جنت اور رضائے الٰہی اور حیات ابدی کے تصورات لے کے آئی تھی جن

کی مستی میں اس کے سپاہی موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر آگے بڑھتے تھے اور ہنستے مسکراتے اپنی متاع حیات اپنے نصب العین کے قدموں میں نچھاور کر دیتے تھے پھر ان کا ایک درخشاں جنگی اخلاق تھا دوسرے لوگ موسیقی کی تانوں پر حرکت کرتے تھے اور اسلامی تحریک کے جاں باز فقط نغمہ توحید کی تانوں سے تحریک لیتے تھے۔ دوسرے لوگ شرابیں پی پی کر شجاعت کا مظاہرہ کرتے اور اسلامی کے سپاہی فقط احساس فرض کی مقدس صہبا سے سرشار ہوتے تھے۔ دوسرے لوگ مال غنیمت کی ہوس لے کر جوہر دکھاتے تھے اور محسنؐ انسانیت کی عصبیت میں بہک کر حملہ آور ہوتے تھے۔ مگر اللہ کے مجاہد صرف دین اور حق اور سچائی کی حمایت میں معرکہ آرا ہوتے تھے۔ دوسرے لوگ قتال کے دوران میں نہایت درجہ کی وحشیانہ کارروائیاں کرتے تھے مثلاً مخالفین کو جلانا یا باندھ کر مارنا۔ ان کے مقتولوں کے لاشوں کی بے حرمتی کرنا۔ ان کی کھوپڑیوں میں

شرابیں پیا، کلیجہ چبانا، عورتوں اور بچوں کو ذبح کرنا، حاملہ عورتوں کے پیٹ پھاڑ دینا لیکن مسلم طاقت ایسی انوکھی فوج تیار کر کے میدان میں لائی، جو قتال میں بھی انسانیت کی اخلاقی حدوں کا احترام کرنے والی تھی جس نے نہ کسی کو کبھی وحشیانہ طریق سے قتل کیا۔ نہ لاشوں کی بے حرمتی کی۔ نہ عورتوں اور بچوں پر اپنی تیغ شجاعت کو آزمایا۔ بلکہ اس پہلو سے اخلاق باختہ مخالفین کی چیرہ دستیوں پر صبر کر کے اپنی طرف سے بہترین نمونہ پیش کیا۔ دوسرے قیدیوں کے ساتھ جانوروں کا سا سلوک کرتے تھے مگر مسلم طاقت نے نازک ترین مواقع پر نقصان اٹھا کر بھی اپنے عہد کو نبھایا اور اگر ذمہ اٹھایا تو اس کا حق ادا کیا۔ دوسرے مفتوح شہروں میں گھس کر سول آبادی کو ظلم کا نشانہ بناتے تھے مگر مسلم طاقت نے اپنے سپاہ کو ہمیشہ کے لئے اس بات سے روک دیا کہ گھروں میں گھس کر کسی شہری کو نہ مارا جائے اور نہ کسی کے ذاتی سامان کو قبضہ میں لیا جائے بلکہ دشمن کی سول آبادی سے جبراً رسد

تک حاصل کرنا حرام کردیا گیا اور دوسروں کے لئے لڑائی ایک دنیوی کارروائی تھی لیکن مسلم جماعت نے اسے انتہائی بلند عبادت قرار دیا۔

پھر محسنؐ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے عین میدان جنگ میں بھی دشمن کے سامنے دعوت اسلام پیش کی جاتی تھی۔ تین راستے مخالف کے لئے کھلے ہوتے۔ اولاً اسلام لاؤ اور بھائی بھائی بن جاؤ۔ ثانیاً سیاسی اطاعت قبول کرلو۔ ثالثاً میدان جنگ میں مقابلہ کرلو۔ حالانکہ دوسروں کے ہاں ایسی کوئی اصولی دعوت نہ ہوتی۔ ان کی طرف سے دو ہی راستے کھلے ہوتے کہ اپنے آپ کو ہمارے حوالے کردو۔ یا میدان جنگ میں آؤ۔

دو قوتوں کا یہ عظیم الشان فرق میدان جنگ کے اسکرین پر کتنا نمایاں ہوجاتا ہوگا اور اس فرق سے آگاہ ہوکر سارا عالم

عرب متاثر ہوتا ہوگا یعنی مدینہ کی اسلامی قوت کا ایک طرف تیزی سے نشوونما پانا اور دوسری طرف اپنے کردار سے اپنے نظریئے کی صداقت اور بالاتری کو ثابت کرنا یہ دو گونہ اثرات تھے جو جنگی کارروائیوں کے ذریعہ عرب کی رائے عام پر برابر پڑتے رہے۔ ان اثرات نے جوں جوں دعوت حق کے لئے راستہ صاف کیا۔لوگ اسلام سے وابستہ ہوتے گئے۔ یہ اثرات صلح حدیبیہ کے بعد خاصے نمایاں ہو گئے تھے، اس لئے اس دور میں اسلام کی طرف عوام تیزی سے بڑھے پھر فتح مکہ کے بعد یہ اثرات ان دونوں ادوار میں عوام نے جس تیزی سے اپنے آپ کو اسلام کے حوالے کیا ہے اسے دیکھ کر یہ حقیقت سمجھ میں آتی ہے کہ قریش کی قیادت عوام کے راستے میں کتنی بڑی رکاوٹ تھی اور اس رکاوٹ کے ہٹتے ہی ذہنی انقلاب رونما ہوگیا۔ جہاں کہیں بھی کوئی غالب طبقہ اس طرح سے رکاوٹ بنا موجود رہتا ہے وہاں عوام میں وعظ ونصیحت کا اثر کسی بڑے پیمانے پر کبھی

رونما نہیں ہوسکتا۔ اجتماعی فضاء کو بدلنے کے لئے نہایت ضرورت ہے کہ ایسی رکاوٹ کو ہٹایا جائے اور اس کے لئے پوری سیاسی جدوجہد کی جائے اسلامی دعوت کی تکمیل سیاسی جدوجہد کی تکمیل ہی پر منحصر ہوتی ہے۔

حکومت خود معلم انقلاب تھی

پھر جو علاقے متعلقہ قبائل کے اسلام لائے معاہدانہ تعلقات قائم کرنے سے مدینہ کی اسلامی حکومت کے زیر نگیں آئے تھے ان کو یوں ہی چھوڑ نہیں دیا جاتا کہ وہ جس حال میں پڑے رہے اور جو بھی خیالات و کردار ان میں رائج ہوں ہوتے رہیں بلکہ ان تک دعوت پہنچانے اور ان کی تعلیم و تربیت کرنے کے لئے موثر انتظامات کئے جاتے معاملہ صرف اتنا نہ تھا کہ قوت کی لاٹھی گھما کر کسی علاقے کو زیر نگیں کیا اور پھر انسانوں کو اندر سے تبدیل کئے بغیر بھیڑ بکریوں کے ریوڑوں کی طرح

ہانکتے پھرے۔ اگر ہر چیز تلوار کی نوک سے منوائی جاتی اور ہر تبدیلی ڈنڈے کے زور سے کی جاتی تو یہ جباری چار دن چل سکتی تھی لیکن دل بغاوت پر آمادہ ہو جاتے اور پھر عوام کی بیزاری کا لاوا اٹھتا تو سارا کیا کرایا ہوا ہو جاتا۔ قوت کے استعمال کا جز تحریک اسلامی کے کام میں دوسرے ہر نظام کے مقابلے میں انتہائی قلیل تھا۔ اور دعوت اور تعلیم و تربیت کا عنصر بہت ہی غالب تھا۔

اصولی نظریوں پر قائم ہونے والی حکومتیں اپنے اندر تبلیغی روح رکھتی ہیں اور ان کی ساری سرگرمیوں میں مقدم ترین مقصود یہ ہوتا ہے کہ عوام کے دل اس اصول اور اعتقاد کو سمجھیں اور اخلاص سے قبول کریں جس پر نظام حیات کی اساس قائم ہے ان کے تمام کے تمام محکموں کو اپنے مخصوص کامیاب کے ساتھ ساتھ اس مرکزی فرض کو بھی انجام دینا ہوتا ہے ایسی حکومتیں ہر اس مفید ترین چیز کو مسترد کریں گی جو ان کے اساسی

نظریے کو نقصان پہنچائے اور ہر اس نقصان دہ صورت کو بھی اختیار کرلیں گی جو لوگوں کے ذہنوں میں بنیادی اصول کو راسخ کرے ان کے سامنے تمام مصلحتوں میں سے اہم ترین مصلحت یہی ہوتی ہے کہ شہری نئے نظام کی روح کے ساتھ ہم آہنگ ہو جائیں اور ہم آہنگ رہیں اور اس کے دست و بازو بن کر اپنے اندرونی جذبے سے کرنے کے کام کریں اور مٹانے کی چیزوں کو مٹائیں۔

چنانچہ مدینہ کی اسلامی حکومت نے ایک طرف تو یہ اہتمام کیا کہ سخت ترین جنگی حالات میں بھی ملحقہ علاقوں میں دعوتی اور تبلیغی وفود روانہ کئے کم از کم چار مواقع ایسے ہیں کہ جن میں مدینہ جانے والے داعیان حق کو شر پسند عناصر نے شہید کر دیا۔ دعوت کی راہ میں انتہائی مظلومی کے ساتھ شہید ہونے والوں کی تعداد کچھ کم نہ تھی۔ جنگ بدر، جنگ احد، اور جنگ خندق کے جملہ مسلم شہدا سے زیادہ تھی۔ بہر حال یہ انتہائی نازک

اور مشکل حالات (Emergency) میں بھی اس بنیادی فریضہ سے غفلت نہیں برتی گئی بلکہ قربانیاں دے دے کر اسے جاری رکھا گیا۔ پھر بعض اصحاب کو مدینہ میں کچھ تربیت دے کر ان ہی کے قبائل میں داعی کے طور پر مامور کر دیا گیا۔ ایسے چند نام ہمارے سامنے ہیں: (۱) طفیل بن عمر دوسی (قبیلہ ادس) (۲) عروہ بن مسعود (ثقیف) (۳) عامر بن شہر (ہمدان) (۴) ضمام بن ثعلبہ (بنو سعد) (۵) منقذ بن حبان (بحرین) (۶) ثمامہ بن اثال (نجد) علاوہ ازیں بعض قبائل یا افراد کی طرف خصوصی اصحاب دعوت کو مامور کر کے روانہ کیا گیا جیسے حضرت علیؓ کو ہمدان، حزیمہ اور مذحج کی طرف۔ مغیرہ بن شعبہ کو نجران کی طرف، وبر بن نخیس کو انبائے فارس (فارس کے روساء جو یمن میں مقیم ہوئے) کی طرف خیصہ بن مسعود کو فدک کی طرف۔ احنف کو قبیلہ سلیم کی طرف۔ خالد بن ولید کو علاقہ مکہ کی طرف۔ عمرو بن عاص کو عمان کی طرف اور مہاجر بن ابی امیہ کو

حارث بن کلاں شہزادہ یمن کی طرف روانہ کیا گیا۔

لیکن اس سے بہت بڑے پیمانے پر اسلامی حکومت نے اپنے سول حکام سے اسلام کی اشاعت اور تحریک اسلامی کے فروغ کی خدمت لی۔ اسلامی حکومت کے افسر کچھ نوکری پیشہ لوگ نہ تھے۔ اور نہ وہ روٹی کمانے کے خیال سے بھرتی ہوتے تھے، وہاں تو مقصود صرف کلمۃ اللہ کو سربلند کرنا اور انسانوں کو بھلائی کے راستے پر ڈالنا تھا۔ یہ کام تنخواہ کے پجاریوں کے کرنے ہی کا نہ تھا یہ تو صرف اس نورانی انقلاب کے بے لوث خادموں ہی کی دلچسپی کی چیز ہوسکتی تھی اور ان ہی کے ہاتھوں یہ ہو بھی سکتا تھا۔ وہ لوگ نہ تو کسی عہدے کا لالچ رکھتے تھے اور نہ گریڈوں اور ترقیوں کے چکر میں پڑتے تھے ان کو تو عہدے خود پکارتے تھے اور فرائض خود چن چن کر بلاتے تھے اور گزر بسر کے معاوضے پر ان سے انتہائی اونچی خدمات لی جاتی تھیں۔ یہاں ایک ہی مثال کافی ہوگی حضرت عتاب بن

اسید کو مکہ کا گورنر مقرر کیا گیا تو ایک درہم یومیہ تنخواہ مقرر کی اس گورنر نے تقریر میں خود کہا کہ ''خدا اس شخص کو بھوکا رکھے جو ایک درہم روز آنہ پا کر بھی بھوکا رہا'' (ابن ہشام) یہ لوگ اپنے عقیدے اور اپنے محبوب نظام کے داعی پہلے تھے اور کچھ اور اس کے بعد تھے پس مدینہ کی حکومت جن لوگوں کو بھی کسی جگہ گورنر، جج، تحصیل دار اور مال افسر مقرر کرتی تھی وہ اپنے اپنے حدود عمل میں توحید کے داعی، اسلام کے معلم اور اخلاق عامہ کے معمار بھی ہوتے تھے۔ ان حضرات کو جب ان کے فرائض سے آگاہ کیا جاتا تھا تو اس وقت حضورؐ اس اسی فرض پر بھی ان کو متوجہ فرما دیتے تھے۔ مثلاً حضرت فرمائی کہ ''لوگوں کو قرآن کی تعلیم دو۔ اور انہیں اسلام کے احکام سکھاؤ''۔ پھر انہیں اہل کتاب مخاطبین کو ملحوظ نظر رکھ کر تفصیل سے دعوت کا اسلوب سمجھایا کہ انہیں توحید کی دعوت دینا۔ اسے مانیں تو پھر نماز کے لئے کہنا اور اس کے بعد زکوٰۃ یہی افسر اکثر و بیشتر اپنے ہیڈ کوارٹر میں امام صلوٰۃ بھی ہوتے

تھے۔ البتہ بڑی آبادیوں میں جہاں تقسیم فرائض ناگزیر ہوتی۔ وہاں انتظامی افسروں کے ساتھ مستقل ائمہ صلوٰۃ کا تقرر بھی کیا جاتا۔ جیسے کہ عتاب بن اسید مکہ میں۔ عثمان بن ابی العاص طائف میں اور ابو زید انصاری عمان میں مامور ہوئے۔

سول افسروں کی تعداد چونکہ خاصی زیادہ ہے اس لئے ہم یہاں فہرست نہیں دے رہے۔ لیکن اس تعداد کو دیکھا جائے اور ان کے علاقہ ہائے تقرر کو دیکھا جائے تو سمجھ میں آتا ہے کہ اسلامی حکومت کی سول سرویس نے اسلام کی روشنی کو پھیلانے میں کتنا بڑا کام کیا ہوگا۔ پھر یہ داعیان حق اپنی افسری میں اس عام تصور سے بالکل مختلف تھے جو اس وقت پھیلا ہوا ہوگا۔ نہ وہ خدا سے بیخوفی نہ وہ ٹھاٹھ باٹھ، نہ وہ جور و تعدی، نہ وہ عوام سے دور دور رہنا۔ نہ لوگوں کو ضروریات و حاجات سے غفلت، نہ ہٹو بچو کی صدائیں، نہ دربانوں اور چاؤشوں کا ہنگامہ، نہ محلات و قصور، نہ سلب و نہب، نہ رشوت ستانی، نہ خوشامدیوں کے حلقے،

نہ اندگی دادودہش، نہ شرابوں کے دور، نہ موسیقی کے زیر و بم، نہ رقاصاؤں کے ہجوم..... یہ سول افسر بالکل نئی قسم کے افسر تھے۔ یہ حاکم نئے انداز کے حاکم تھے۔ لوگوں کے لئے ان کی حکومت کا تجربہ بالکل نیا تجربہ تھا۔ کم تنخواہیں لینے والے، سادہ گذر بسر کرنے والے، دیانتداری سے فرائض ادا کرنے والے، رعایا سے رحم وشفقت رکھنے والے، بے لاگ انصاف پر چلنے والے، اور پھر اپنے خدا کے سچے پرستار..... یہ نیا حاکمانہ کردار دلوں کو مسحور کر کے قریب لاتا ہوگا۔ اور پھر جب یہ لوگ سچائی کا پیغام دیتے ہوں گے تو وہ سیدھا سینوں میں جاگزیں ہو جاتا ہوگا۔ چنانچہ یہ امر واقعہ ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری کو علاقہ زبیدہ و عدن کا حاکم مقرر کیا گیا تو ان کی دعوت سے وہاں کے سارے لوگ بہت جلد مسلمان ہو گئے۔ اسی طرح جریر بن عبداللہ بجلی کوئین کے شاہی خاندان سے تعلق رکھنے والے حمیریوں (ذوالکلاع حمیری) پر افسر مقرر کیا گیا تھا۔ انہوں نے اتنا بڑا اثر

ڈالا کہ وہ لوگ اسلامی تحریک شامل ہوئے اور اسی خوشی میں انہوں نے چار ہزار غلام آزاد کئے۔

گویا حکومت کے سول محکمے اس سرگرمی اور یکجہتی سے متواتر کام کر رہے تھے اور اسی وسیع پیمانے کی تعلیمی مہم کا نتیجہ تھا کہ عرب کی بعید ترین آبادیوں میں صرف سیاسی نہیں ذہنی اور قلبی انقلاب رونما ہوتا چلا گیا اور اسی کے ساتھ اخلاقی لحاظ سے کایا پلٹ گئی۔ بالآخر عرب کا اجتماعی انسان بدل کر بالکل نئے روپ میں ابھرا۔

عوام کی معاشی فلاح

عرب کی کثیر التعداد بدوی آبادی تو بالعموم بالکل ہی خستہ حال تھی اور بیشتر صحرائی قبائل خانہ بدوش رہتے اور مویشیوں سے حاصل شدہ قلیل معیشت کے ساتھ مسلح لوٹ مار کا پیشہ اختیار کر لیتے۔ شہروں میں دور اعرابیوں کے مقیم قبائل کی

حالات بھی پتلی تھی۔ ان کے اندر کے شیوخ اور سردار معاشی جدوجہد کے بیشتر ثمرات لے اڑتے۔ شہر تھے ہی کتنے..... مکہ، مدینہ، طائف، ضعاء، حضرموت..... وغیرہ پھر یہ بھی بہت بڑے شہر نہ تھے قلیل آبادیاں تھیں۔ یہ قلیل آبادیاں بہ حیثیت مجموعی خوش حال تھیں۔ مگر خود ان میں بھی بالائی اور زیریں طبقات تھے۔ بالائی طبقے زیریں طبقات سے بھی ان کا حق نچوڑ لے جاتے تھے۔ مدینہ میں یہودی تجارت اور زراعت کے ساتھ ساتھ سود خواری کے جال پھیلائے ہوئے تھے۔ اسی طرح مکہ اور طائف کے بڑے بڑے مالدار لوگ بھی دوسرے ذرائع کے ساتھ ساتھ مہاجنی کاروبار کرتے تھے۔ اوپر کے چند خاندانوں کے اسراف کا یہ عالم تھا کہ شرابیں پی کر چاہیں تو پچاسوں اونٹوں کی گردنیں کاٹ دیں اور پھر فیاضی کا سکہ جمائیں۔ گانا بجانا، معاشقے، بدکاریاں، ان کے کلچر کے نمایاں ابواب تھے۔ لیکن دوسری طرف عوام عرب کا یہ حال تھا کہ پیٹ کی آگ بجھانے

کے لئے گوہ تک کا شکار کرتے۔ بڑی دل آتے تو بڑیاں کھاتے۔ چھپکلیاں تک چٹ کر جاتے۔ مردہ جانوروں کا گوشت اور جما کر خشک کیا ہوا خون اور سوکھا ہوا چمڑہ تک بھون لیتے۔ زندہ جانوروں کے بدن سے ٹکڑے کان کے کھا لیتے۔ سرے سے حلال وحرام اور طیب ومکروہ کی تمیز ہی نہ تھی۔ لباس اور غذا اور اقامت ہی کا مسئلہ حل نہ ہو پاتا تھا۔ تو تعلیم وارصحت اور اس سے اوپر کے مسائل کا کیا ذکر۔ علاج کے لئے وہاں بتوں کے حضور پر ارتھنا ہوتا اور کچھ ٹونے ٹوٹکے چلتے تھے اور کاہنوں اور نجومیوں کی چاندی ہو جاتی تھی۔ تعلیم نہایت محدود پیمانے پر شہروں کے صرف اعلیٰ خاندانوں کے اندر بھی تھوڑے سے افراد کو حاصل ہوتی۔ بقیہ سارا عرب جو کچھ بھی علم حاصل کرتا تھا۔ اپنی روزمرہ کی عملی زندگی کے مدرسے سے حاصل کرتا تھا۔ بہرحال وہاں کا ایک بنیادی اور ٹھوس سوال روٹی تھا۔ جس قوم کی عظیم اکثریت ہر وقت ''کھائیں گے کیا'' کے سوال پر سوچتی

رہے اسے نہ تو اعلیٰ تر حقیقتوں کا ذوق دیا جاسکتا ہے اور نہ وہ بڑے بڑے مقاصد کے لئے کوئی عظیم کارنامہ انجام دے سکتی ہے۔ معاشی محرومی کی پستی میں گرے ہوؤں کو اگر سہارا دے کر کوئی نظریہ اوپر نہ اٹھا سکتا ہو اور ان کی تواضع فقط وعظوں سے کرے تو کبھی بھی بڑے پیمانے پر وہ عوام کو حرکت میں نہیں لا سکتا۔ پھر اگر وہ تلوار کے زور سے اپنی حکومت بھی جما لے۔ لیکن وہ حکومت زندگی کے اولین معاشی مسئلے کا کوئی حل نہ دے سکے تو ایسی صورت میں نرمی اخلاقی مفہوم میں تعمیر و اصلاح کو قبول کرنے پر عوام لوگ کبھی تیار نہیں ہو سکتے بلکہ ایسی تعمیر و اصلاح کو ایک مصیبت و عذاب سمجھ کر اس سے نجات پانے کے لئے بے چین ہو جاتے ہیں۔ انسانیت نظریہ حق سے جبھی مفتوح ہوتی ہے جبکہ وہ عاقبت کے ساتھ دنیا کو بھی سنوارے اور اخلاقی اصلاح کے ساتھ معاش کے قضیے کا حل بھی نکالے۔ لوگ اسی قوت کی زبان سے وعظ سن کر متاثر ہوتے ہیں۔ بلکہ اس کے

عصائے تادیب کی ضربیں بھی ہنسی خوشی برداشت کر لیتے ہیں جس کے ہاتھوں سے اس کے مسئلہ رزق کا قفل کھلے جس طرح نرا مسئلہ معاش لے کے اٹھنا انسانیت کو اخلاقی لحاظ سے ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ اسی طرح اخلاقی اصلاح کے کام کو زندگی کے معاشی تقاضوں سے الگ کر کے لینا سرے سے اخلاقی اصلاح ہی کو ناکام بنا دیتا ہے۔ اسلام دونوں ضرورتوں کا جامع ہے۔ محسن انسانیت نے جو تحریک چلائی وہ جہاں دلوں کو نور ایمان اور روحوں کو اخلاقی اقدار دیتی تھی وہاں وہ پیٹ کی روٹی بہم پہنچانے کے لئے بھی بہترین تدابیر عمل میں لاتی تھی۔ عین آغاز ہی میں اسلام کے مختصر سے اخلاقی ضابطہ میں ''اطعام مساکین'' بڑی اہمیت کے ساتھ شامل تھا اور پھر یتیموں اور بیواؤں اور مسافروں کی خبر گیری کرنا ہر مسلم پر لازم تھا۔

عرب جیسے کم پیداوار والے ملک میں دولت ..... سیم وزر اور اجناس کی شکل میں بھی، زرعی اراضی کی شکل میں بھی اور

مویشیوں کی شکل میں بھی..... نہایت محدود حلقوں میں سمٹی ہوئی تھی۔ دولت کی ان جھیلوں اور نالابوں کے بند کاٹ کر اس کو عوامی طبقوں کی طرف بہاؤ میں لانا بڑا ہی ٹیڑھا مسئلہ تھا اور اس مسئلہ کا حل کئے بغیر زندگی کے بڑے بڑے معاملات کی درستی ممکن نہ تھی۔ اسلام کے معاشی قوانین (جو تدریجاً نازل ہوئے) ایک متوسط حالت میں تو دولت کو گردش میں رکھنے کے لئے بالکل کافی تھے۔ لیکن ان قوانین کے نفاذ سے بھی قبل بڑا مسئلہ دولت کی ان جھیلوں کا تھا جو عرب کے صحرا میں پائی جاتی تھیں۔ یہ ادق مسئلہ سرگرمی جہاد سے ازخود اس خوبی سے حل ہوا کہ کوئی متبادل صورت اتنی کامیاب مشکل ہی سے ہو سکتی۔

دنیا کے ہر دینی اور لادینی قانون میں..... اس دور سے لے کر موجودہ دور تک..... مغلوب دشمن کے اسلحہ اور ساز و سامان کو بطور غنیمت قبضہ میں لینا ایک مسلمہ حق رہا ہے۔ جنگ کو روکنے کے لئے انسانی جانیں لینے سے زیادہ کارگر تدبیر یہ ہے

کہ حلیف کو اسلحہ اور ساز و سامان اور رسد سے محروم کر دیا جائے۔ نیز فی الجملہ اس کی جنگی معیشت کو کمزور کر دیا جائے۔ اسلام نے بھی غنیمت کا حق برقرار رکھا اور اس کے لئے اپنے خاص اخلاقی ضوابط نافذ کر دیئے۔ یہاں ہم کوئی نظری بحث نہیں کر سکتے۔ لیکن عملاً اس حق کے تحت مدینہ کی اسلامی فوج نے جگہ جگہ سے سمٹی ہوئی دولت کو قید سے نکالا اور گردش میں ڈال دیا۔ یہودی سود خواروں کی دولت جو عوام میں سے نچوڑی گئی تھی۔ قانون غنیمت کے تحت بہاؤ میں آئی۔ ثقیف والوں کی دولت ان کے قبضے سے نکلی اور عرب بھر میں پھیل گئی۔ اسی طرح مدینہ کے گرد و نواح کے جن جن شر پسند قبائل نے شورش اٹھائی ان کے شیوخ اور دولت مندوں کے اموال کا ایک بڑا حصہ اسلامی فوج نے ان کے قبضے سے نکالا اور گردش میں ڈال دیا۔

جاہلی ریت مال غنیمت کے متعلق یہ تھی کہ میدان میں جس کے ہاتھ جو کچھ پڑ گیا وہ اڑا لے گیا۔ کسی نے چوری کر لی،

کسی نے فریب دے لیا اور پھر جو جتنا زیادہ بڑا اور زور آور ہوا اس نے اپنی بڑائی کی دھونس سے اتنا ہی زیادہ حصہ چھینا اور جو کچھ بہترین ہوا، وہ ہتھیا لیا اسلامی نظام جنگ بالکل نیا اخلاق ساتھ لایا۔ اس کے تحت سارا مال سوئی سوئی اور پائی پائی یکجا ہونے کے بعد کمانڈر کے حکم سے تقسیم ہوتا۔ پھر اس میں سے بیس فیصدی حصہ اسلامی خزانہ میں جاتا اور بڑی حد تک غرباء اور حاجتمند طبقوں تک پہنچایا جاتا۔ اس طرح ملکی دولت میں ایک عمومی حرکت آگئی اور بعد میں جوں جوں معاشی قانون نافذ ہوتے گئے اس کے بہاؤ کو انضباط میں لے لیا گیا۔

پھر اسلامی ریاست نے تمام ان طبقوں سے جو زمینوں، مویشیوں یا تجارتی سرمایہ کے مالک تھے۔ مسلم ہونے کی صورت میں زکوٰۃ اور غیر مسلم ہونے کی صورت میں خراج اور جزیہ کی آمدنیاں حاصل کیں اور ان آمدنیوں (خصوصاً زکوٰۃ) کا ایک عظیم حصہ غریب طبقوں کے لئے مخصوص کر دیا۔ ہر سال غلے

اور کھجوروں اور مویشیوں کی ایک بھاری مقدار امراء سے غرباء کی طرف منتقل ہونے لگی۔

پھر معاشی مسئلہ کو تنہا قانون ہی کے زور سے نہیں حل کیا گیا۔ بلکہ اخلاقی ذرائع سے بھی اسے سلجھانے کی تدبیر کی گئی۔ مدینہ کی مرکزی سوسائٹی میں سماجی مساوات کے ساتھ اقتصادی اخوت (Economic Brotherhood) کا انتہائی کامیاب تجربہ محسن انسانیت نے دنیا کے سامنے پیش کیا۔ سارا عرب دیکھ رہا تھا کہ گھروں سے اکھڑے ہوئے لوگ، تہی دست علام، فاقہ مست بدو اور اللہ مست قسم کے نوجوان جب اسلام کے سایہ رحمت میں چلے جاتے ہیں تو ایک طرف تو وہ بڑے بڑے خاندانی اشراف کے شانے سے شانہ ملا کر کھڑے ہوتے ہیں اور پھر وہ کس بے خوفی سے متکبر ترین مخالفین کو چیلنج کرتے ہیں اور دوسری طرف ان کی ساری پریشانیوں کا مداوا ہونے لگتا ہے۔ ٹھکانا بھی مل جاتا ہے، روزگار بھی پیدا ہو جاتا

ہے، اسلحہ بھی مہیا ہو جاتا ہے۔ سواری بھی کبھی نہ کبھی ہاتھ آ جاتی ہے۔ اور نکاح کے لئے بھی راستے نکل آتے ہیں۔ پھر اسلامی نظام اخوت کی یہ برکات صرف مدینہ ہی تک محدود نہ تھیں بلکہ چاروں طرف آہستہ آہستہ پھیلنے لگیں اور ایک دن آیا کہ سارا عرب ان سے یکساں فیضیاب تھا۔

اس سماجی مساوات اور اقتصادی اخوت کے نئے نظام کو عرب کے عوام دور سے اس طرح محسوس کرتے ہوں گے جیسے وہ آسمانی دنیا کی کوئی جنت ہو، جس میں عقیدہ توحید کی کنجی سے داخلہ ملتا ہے۔ آخر وہ سماجی اور معاشی کبریائیوں تلے پسنے والے لوگ کیسے ارمان نہ کرتے ہوں گے کہ وہ بھی اس جنت میں جگہ پائیں۔

محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے عام انسان کی مشکلات کو ملحوظ رکھ کر ذاتی طور پر بھی حد درجہ کے جود و

سخا کا مظاہرہ کیا اور بہ حیثیت صدر ریاست بھی بڑی فراخ دلانہ اور کریمانہ پالیسی اختیار کی۔ ذاتی ملک میں کبھی کوئی مال جمع نہ رہنے دیا۔ بلکہ جلد سے جلد اسے مقامی حاجت مندوں اور بیرونی سائلوں میں تقسیم فرما دیتے۔ حکمران کی حیثیت میں بیت المال میں کبھی کوئی رقم پڑی نہ رہنے دی بلکہ جب کوئی حاجت مند سامنے آیا تو جو کچھ ممکن ہوا اسے دلوا دیا۔ حضورؐ کی نگاہ میں اصل اہمیت انسان کی تھی اور..... دولت کو انسان کی خادمہ قرار دیا۔ حد یہ تھی کہ بسا اوقات بیت المال اور ذاتی ملک میں کچھ نہ ہوا تو سائلوں کی امداد کے لئے قرض تک لیا۔ (شمائل ترمذی) دور دور سے مصیبت کے مارے دیہاتی اور صحرائی ان فیاضیوں کا چرچا سن کر مدینہ آتے اور اس دریائے سخاوت سے جام بھر بھر کے رخصت ہوتے۔ مشہور واقعہ ہے کہ ایک بار ایک بدو آیا اور حضورؐ کی چادر کھینچ کر اکھڑپن سے کہنے لگا۔ ''محمدؐ یہ مال خدائی مال ہے۔ تمہیں کچھ اپنے مال یا اپنے باپ کے مال میں سے نہیں

دینا ہے۔ لاؤ ایک بار شتر مجھے لدوا دو"۔ اس مجسمہ رحمت نے قدرے سکوت کے بعد ٹھنڈے انداز میں فرمایا: "بے شک یہ مال خدا کا مال ہے اور میں اس کا غلام ہوں"۔ پھر حکم دیا کہ ایک بار شتر جو اور ایک بار شتر کھجوریں بد وکو دی جائیں۔ وہ خوش خوش رخصت ہوا۔ ایک مرتبہ بحرین سے خراج کی بڑی کثیر دولت آئی کہ اس سے زیادہ مال کبھی مرکز حکومت میں نہ آیا تھا۔ حضورؐ نے صحن مسجد میں اس کا ڈھیر لگوایا اور پھر جو جو آتا گیا، اسے دیتے گئے۔ یہاں تک کہ کپڑے جھاڑ کر اٹھے۔ اور گھر تشریف لے گئے۔ داد و دہش کے ایسے واقعات مدینہ میں نت ہوتے اور مختلف اطراف سے مسافر اور سائل اور حاجب مند آ آ کر مستفید ہوتے۔ یہ لوگ جب علاقوں میں جاتے ہوں گے تو اسلامی حکومت کی غیرب پروری کی مجسم داستانیں بن کے جاتے ہوں گے۔ ہر شخص اندازہ کرسکتا ہے کہ ان داستانوں سے کتنے دلوں نے اثر قبول کیا ہوگا، اور کتنے سینے اسلام کے لئے

کھل گئے ہوں گے۔

اسلامی ریاست کے سربراہ اعلیٰ کی فیاضانہ پالیسی کے ذہنی اثرات کا اندازہ دوسری ایک مثال سے بخوبی ہوسکتا ہے۔ ایک شخص آیا اور اس نے اپنی معاشی بدحالی کا دکھڑا رونے کے بعد سوال کیا۔ حضورؐ نے پہاڑیوں کے درمیان چرتی ہوئی بکریوں کا ایک ریوڑ اسے عنایت فرمایا۔ وہ عطیہ پاکر جامے میں پھولا نہ سماتا تھا اور قبیلہ میں جاکر کہتا پھرا۔ کہ "اے لوگو! اسلام قبول کرو۔ محمدؐ تو ایسی سخاوت کرتے ہیں کہ تنگ دستی کا خطرہ باقی نہیں رہتا"۔ (المواہب اللدنیہ) اسی طرح صفوان بن امیہ کا خود اپنا بیان ہے کہ حضورؐ نے مجھے کچھ مال عطا کیا (جس میں تین سو بکریاں تھیں) تو اس عنایت کا مجھ پر یہ اثر ہوا کہ جہاں اس سے قبل آپؐ سے بڑھ کر کوئی شخص مجھے ناپسند نہ تھا وہاں اب آپؐ سے زیادہ کوئی محبوب نہ رہا۔ ذیل کا شعر اسی واقعہ سے متعلق ہے۔

هذا الذی لا یخشی فقراً اذا یعطی ولو کثر الانام وداموا

یہ وہ ہستی ہے جو عطا و بخشش پہ آتی ہے تو اسے تہی دست ہو جانے کا اندیشہ نہیں ہوتا۔ خواہ اس کے سامنے کتنی ہی کثیر مخلوق کیوں نہ سائل بن کے آئے اور متواتر یہ تانتا بندھا رہے۔

سخاوت کے اسی عام چرچے کا نتیجہ تھا کہ حنین کے اموال تقسیم کر کے آپؐ واپس ہوئے تو آس پاس کے بدو دوڑے دوڑے آئے اور آ کر لپٹ گئے کہ ہمیں بھی کچھ عنایت ہو۔ حضورؐ نے پریشانی کے عالم میں ایک درخت کے تنے کا سہارا لیا اور معذرت کرتے ہوئے کہا کہ ''اگر ان جنگلی درختوں کے برابر بھی میرے پاس اونٹ ہوتے تو میں سب تم میں بانٹ دیتا۔ تم مجھے نہ بخیل پاتے، نہ غلط کو اور نہ کم حوصلہ''۔ (بخاری)

ممکن ہے کہ ایک گھٹیا ذہن اس عطا و بخشش کو یہ معنی

پہنائے کہ مال و دولت کے زور سے ذہن فتح کئے گئے (نعوذ باللہ) اور رشوت دے کر لوگوں کو حامی بنالیا گیا۔ مگر حقیقت بالکل دوسری تھی۔ معاشی بدحالی میں پسے ہوئے لوگوں کو سنبھالنا اور ان کو ذہنی پستی سے نکالنا اسلام کے بالکل اصولی تقاضوں میں شامل تھا۔ انسانیت کے وہ طبقات تو بڑے ہی قابل رحم ہوتے ہیں جو معاشرے کے ظلم کی وجہ سے پیٹ کے مسئلہ میں اس بری طرح گھر جاتے ہیں کہ زندگی کے اعلیٰ تقاضوں پر توجہ تک کرنے کا انہیں موقع نہیں ملتا۔ ایسے مصیبت کے ماروں کو تو شاید عنداللہ بھی کچھ رعایت مل جائے۔ عرب کی بیشتر آبادی اسی حال میں تھی۔ اور ان کو جہاں کلمہ طیبہ کی ضرورت تھی وہاں روٹی کپڑے کی بھی محتاجی تھی۔ مدینہ کے لئے نئے معاشی نظام اخوت سے بہرہ مند ہونے والوں کو شاید پہلی بار موقع ملا ہوگا کہ وہ بدن کی ابتدائی ضروریات کے لئے گھٹیا الجھادوں سے بالاتر ہو کر زندگی کے اعلیٰ مسائل پر سوچیں۔ عظیم حقیقتوں کو سینہ میں جگہ دیں اور

قیمتی اخلاقی اقدار کو اپنے اندر نشوونما دیں۔ لازماً اقتصادی اصلاح نے اسلام کے پھیلاؤ کے لئے راستے ہموار کئے ہوں گے۔ اسلام کا معاشی نظام تو بعد میں تکمیلی شکل تک پہنچا ہوگا۔ جبکہ اس کے سارے اصول نافذ ہوکر کام کرنے لگے ہوں گے۔ لیکن ابتدائی آثار ہی سے عوام کی امیدیں مدینہ سے وابستہ ہوگئی ہوں گی کہ یہاں سے ہمیں نورِ حق کے ساتھ ساتھ معاشی مسئلے کا حل بھی حاصل ہونے والا ہے۔

قائد ریاست کے وسیع تعلقات

کوئی بھی نصب العین لے کے چلئے اور کتنا بھی اعلیٰ درجہ کا اصولی کام کیجئے۔ ذاتی تعلقات اور روابط کی وسعت بہرحال اس کی کامیابی میں اثر انداز ہوتی ہے۔ معمولی کاروبار سے لے کر نظریاتی انقلاب تک کے مختلف کام جو اجتماعی دائرے میں سر انجام پاتے ہیں۔ ان میں کوئی بھی ایسا شخص

مشکل سے کامیاب ہوسکتا ہے جو عام انسانی تعلقات کے لحاظ سے کوتاہ ہو۔ خلوت گزیں اور بے نیاز خلائق ہو۔ نسبی اور رحمی رابطے، ازدواجی رشتے، خود پیدا کردہ دوستیاں اور علائق، غموں اور مسرتوں کی شرکت، ملاقاتیں، اور سلام و پیام ایک انسان کی قوت نفوذ بڑھاتے ہیں۔ ذاتی تعلقات اور شخصی لحاظ داریاں غیر شعوری طور پر بڑے بڑے اصولی معاملات کا رخ بدل دیتی ہیں اور ان کی وجہ سے کتنے ہی سیاسی فیصلے کسی خاص صورت میں طے پا جاتے ہیں۔ بالعموم انسانی قیادت میں وہی شخصیت کامیاب رہتی ہے جس کے علائق کا دائرہ وسیع ہو اور وہ خود وسیع تر کرے اور ہر تعلق کے حقوق ادا کرے۔

اس پہلو سے جب ہم محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس شخصیت پر نگاہ ڈالتے ہیں اور نسبی اور خونی اور صہری اور رضائی اور ولائی علائق کا دائرہ بڑا وسیع پاتے ہیں۔ نیز اس کے ساتھ ساتھ دوستی اور رفاقت اور عام شخصی تعلقات کا حلقہ روز

افزوں دیکھتے ہیں۔ پھر ان کو نا کوں علائق سے حضور کسی انسان گریز برتر شخصیت کی طرح بے نیازی نہیں برتتے اور ان کو بار گراں اور دردسر نہیں سمجھتے بلکہ ان کو حسن وخوبی سے نبھاتے ہیں۔ ان کے حقوق ادا کرتے ہیں اور ان کو استحکام دیتے ہیں۔ بعید ترین رشتوں کا بھی اتنا احترام اور لحاظ حضور کو تھا کہ جماعت کو تاکید کی کہ جب تم مصر کو فتح کرو تو اس کے باشندوں سے حسن سلوک کرنا کیونکہ ان کی طرف تم پر صلہ رحمی کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ وضاحت فرمائی کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی والدہ انہی میں سے ہیں۔ نبیؐ اکرم کے ان وسیع ذاتی تعلقات نے بھی اسلامی تحریک کے فروغ اور دعوت حق کے عوامی نفوذ کو بڑھانے میں بڑا بھاری اثر ڈالا ہے۔

موضوع تقاضا کرتا ہے کہ ان علائق کا بھی اجمالی تذکرہ کیا جائے اور دکھایا جائے کہ یہ علائق کس طرح تحریک اسلامی کے حق میں مفید ثابت ہوئے اور انہوں نے انقلاب کے سیاسی

عمل کو کتنا آسان اور کامیاب بنایا۔ ہم مختلف علائق کو الگ الگ کر لیتے ہیں۔

(۱) نسبی علائق:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا شجرۂ نسب حسب ذیل ہے :۔

محمدؐ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر (قریش) بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان بن اد بن مقوم بن ناخور بن تیرح بن یعرب بن یشجب بن نابت بن اسمٰعیلؑ بن ابراہیمؑ۔

حضورؐ کے اپنے ارشاد کے بموجب عدنان سے اوپر حضرت اسمٰعیلؑ تک کے نام کچھ زیادہ قابل اعتماد نہیں ہیں۔

چنانچہ نسابوں اور روایات نسب کو پیش کرنے والوں نے ان ناموں میں اختلاف کیا ہے۔ عدنان کے ساتھ حضورؐ کا تعلق اکیسویں نسبی درجے پر آتا ہے۔ زمانی فاصلہ ۱۵۸۰ برس کا ہے۔ قبائل عرب کا تعلق کسی نہ کسی مرتبے پر حضورؐ کے سلسلہ نسب سے جڑ جاتا ہے۔

عک بن عدنان (برادر معد) نے علاقہ غسان (یمن) میں جا کر سلطنت قائم کی اور اشعریین کے خاندان میں ازدواجی تعلق قائم کیا۔ ان اطراف میں اسلام نے بہت جلد جگہ پیدا کی اور پھر سرعت سے اپنا سایۂ رحمت پھیلایا۔ یمن کے مختلف علاقوں سے وفود مدینہ پہنچے جن میں خود اشعریین کا وفد بھی تھا۔ نزار (نمبر ۴) کے چار بیٹے تھے جن میں سے انمار کی اولاد نجد اور اطراف حجاز میں بسی ایاد کی اولاد نے ثغور اور اس کے اطراف کو مسکن بنایا اور مضر (نمبر ۱۹) اور ربیعہ وسط عرب میں فروکش ہوئے۔

اب مشہور قبائل کو لیجئے جو حضورؐ کے ہم نسب ہیں اور ان قبائل کے نام سیرت اور تاریخ اور حدیث کی کتابوں میں کثرت سے آتے ہیں:

بنو تمیم ..... تمیم بن مرو بن عدبن طانجہ بن الیاس (نمبر ۱۸)

بنو غطفان ..... غطفان بن سعد بن الیاس (ایضاً)

بنو اشجع ..... اشجع بن غطفان بن سعد بن الیاس (ایضاً)

بنو ذبیان ..... ذبیان بن بغیض بن رائس بن غطفان تا الیاس

بنو فزارہ ..... فزارہ بن ذبیان تا الیاس

بنو ہوازن ..... ہوازن بن منصور بن عکرمہ بن حفصہ بن قیس عیلان بن الیاس (نمبر ۱۸)

بنوسعد ..... سعد بن بکر بن ہوازن .....

تا الیاس

بنوثقیف ..... ثقیف بن ہوازن

.....تا الیاس

بنوسلیم ..... سلیم بن منصور.....تا الیاس

ہذلی ..... ہذیل بن مدرکہ (نمبر ۱۷)

بنوہون ..... ہون بن خزیمہ (نمبر ۱۶)

دیشی ..... دیش بن قارہ بن ہون بن

خزیمہ

عضلی ..... عضل بن قارہ ..... تا

خزیمہ

بنواسد ..... اسد بن خزیمہ.....تا خزیمہ

بنونضر، بنوکنانہ ..... نضر بن کنانہ (نمبر ۱۵)

بنومصطلق ..... مصطلق (خزیمہ)

بن عبد مناۃ بن کنانہ (نمبر ۱۵)

الاحابیش ..... احابیش بن کنانہ

بنو مالک ..... مالک (نمبر ۱۴)

بن نضر بن کنانہ

قریشی ..... فہر یا قریش (نمبر ۱۲) بن

مالک .....

بنو محارب ..... محارب بن فہر

بنو تیم ..... تیم بن غالب (نمبر ۱۱) بن

فہر .....

بنو عوف ..... عوف بن لوی (نمبر ۱۰) بن

غالب

بنو عامر ..... عامر بن لوی

بنو حرث ..... حرث بن لوی

بنو سہیص ..... سہم بن کعب

بنوجمح ..... جمح بن کعب

بنوعدی ..... عدی بن کعب

بنوکلاب ..... کلاب (نمبر ۷)

بن مرہ (نمبر ۸)

بنوتیم ..... تیم بن مرہ (نمبر ۸)

بنومخزوم ..... مخزوم بن مرہ

بنوقصی ..... قصی (نمبر ۶) بن کلاب

بنوزہرہ ..... زہرہ بن کلاب

اسدی ..... اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی

(نمبر ۶)

مطلبی ..... مطلب بن عبد مناف

(نمبر ۵)

بنوامیہ ..... امیہ بن عبدالشمس بن عبد

مناف

نوفلیون	.....	نوفل بن عبد مناف
بنو ہاشم	.....	ہاشم بن عبد مناف

یہ وسیع نسبی تانا بانا اتنی دور تک پھیلا ہوا ہے کہ مراتب اعلیٰ پر فائز ہونے والے بے شمار رفقائے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے مربوط ہیں۔ مثلاً حضرت عمر فاروق کا نسب رزاح بن عدی بن کعب (نمبر ۹) اور حضرت عبیدہ کا نسلی رشتہ جراح بن عدی سے ملتا ہے۔ سیدہ آمنہ (والدہ حضورؐ) وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب (نمبر ۷) کی اولاد ہیں۔ کلاب بن مرہ ہی کے بھائی تیم کی اولاد میں سے حضرت ابوبکر ہیں۔ سعد (یکے از عشرہ مبشرہ) مالک بن اہیب بن مناف کے واسطے سے حضورؐ کے تعلق دار ہیں۔ عثمان بن طلحہ کلید بردار کعبہ عبد الدار بن قصی (نمبر ۶) کے صلب سے ہیں۔ حضرت زبیر (یکے از عشرہ مبشرہ) عوام بن خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی (نمبر ۶) کے فرزند ہیں۔ اسی طرح حضرت خدیجہ طاہرہ خویلد بن اسد بن

عبدالعزیٰ بن قصیٰ کی صاحبزادی تھیں اور ورقہ بن نوفل بن خویلد ان کے بھائی تھے۔ حارث بن مطلب بن عبد مناف (نمبر ۵) کے تین بیٹے ابوعبیدہ (شہید بدر) طفیل اور حصین مشہور صحابی ہیں۔ امام شافعی کا نسب بھی مطلب ہی سے جا کر ملتا ہے حضرت عثمان امیہ بن عبدالشمس بن عبد مناف کی لڑی میں شامل ہیں۔

حضورؐ کے چچاؤں کی تعداد میں روایات کا اختلاف ہے۔ دو کے حالات ہی محفوظ نہیں ہیں۔ ایک چچا ضرار نے بہت پہلے وفات پائی۔ آپؐ کے چچاؤں میں حسب ذیل شخصیتیں بہت نمایاں تھیں۔ جن کا تعلق اسلامی تحریک کی تاریخ سے ہے، اور جن کے حالات بھی محفوظ ہیں۔

ایک چچا حارث تھے جو دور اسلام سے قبل ہی فوت ہوئے۔ ان کے چاروں بیٹے نوفل، عبداللہ ربیعہ اور ابوسفیان

مغیرہ اسلام میں داخل ہوئے اور اسلامی تاریخ میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ یہی ربیعہ بن حارث ہیں جن کے خون کا مطالبہ اپنی طرف سے حضورؐ نے سب سے پہلے ساقط کر کے فتح مکہ کے موقع پر اعلان کیا تھا کہ جاہلیت کے مطالبہ ہائے خون آج ختم کیے جاتے ہیں۔

ایک چچا ابو طالب تھے۔ جنہوں نے حضورؐ کی حمایت کا حق ادا کیا اور اسلامی تحریک میں باوجود باہر رہنے کے دل وجان سے پوری پوری مدد پہنچائی۔ ان کے چار بیٹوں میں سے تین اسلام میں آئے اور ہر ایک نے مقام بلند حاصل کیا۔ آج کون عقیل بن ابی طالب۔ جعفر طیار اور علی ابن ابی طالب کے ناموں سے ناواقف ہوسکتا ہے۔ اسی طرح ابو طالب کی دونوں صاحبزادیاں ام ہانی اور جمانہ بھی نور اسلامی سے بہرہ مند ہوئیں۔ ام ہانی کا نام اوقعہ معراج کی وجہ سے بہت ہی نمایاں ہوا۔

ایک چچا حضرت حمزہ تھے جنہوں نے معرکہ احد میں شہادت پائی اور ان کی نعش کے ساتھ ہندہ نے نہایت درندگی کا سلوک کیا۔ جس کا حضورؐ کو سخت صدمہ ہوا۔ یہی تھے جنہوں نے حضورؐ کے خلاف ابوجہل کی بدسلوکی پر غیرت دکھائی اور اسے آڑے ہاتھوں لیا۔ اور بڑے چیلنج کے ساتھ اسلام قبول کیا۔

ایک چچا عباس بن عبدالمطلب تھے۔ انہوں نے بھی شروع سے سرپرستانہ طرز عمل رکھا۔ خصوصاً بیعت عقبہ کے وقت گفتگو میں بڑا اہم حصہ لیا۔ اور انصار کو ان کی ذمہ داری کی نزاکت پر توجہ دلائی۔

علاوہ ازیں مکہ میں رہ کر حضورؐ کو حالات سے باخبر رکھا اور جب کشمکش کے نازک مراحل سے تحریک گذر گئی تو پھر اپنے اسلام کا اعلان کیا اور مدینہ چلے گئے۔

ایک چچا زبیر بھی بعثت سے قبل انتقال کر گئے تھے۔

نیک دل تھے اور حلف الفضول کے قیام میں انہوں نے بڑی جدوجہد کی تھی۔ انہی کے صاحبزادے عبداللہ بن زبیر کا نام تاریخ اسلام میں درخشاں ہوا۔

ایک چچا ابولہب تھا۔ یہ نہ صرف کٹر مخالف تھا بلکہ مخالفانہ محاذ کا سرگرم کماںڈر تھا۔ اس کی بیوی بھی پکی دشمن اسلام تھی اور حضورؐ کو اذیت دینے میں پیش پیش رہتی۔ اس شخص کا انجام بڑا ہی عبرتناک ہوا۔ طاعون سے موت ہوئی۔ تین دن لاش پڑی سڑتی رہی۔ لوگ قریب نہ جاتے تھے۔ آخر دیواروں پر سے اتنے پتھر پھینکے گئے کہ لاش ان کے ڈھیر میں دب گئی اور یہ ڈھیر قبر بنا دیا گیا۔ ابولہب کی بیوی بھی رسی کا پھندا گلے میں پڑنے سے عبرت کی موت مری۔ ابولہب کے دو بیٹے بحالت کفر مرے اور دونے جنگ حنین کے موقع پر حضورؐ کی اطاعت اختیار کی۔ درہ بنت ابی لہب کو بھی اسلام لانے کی سعادت ملی۔

حضورؐ کی پھوپھیوں میں ایک ام حکیم بیضا تھیں۔ کزیر بن ربیعہ (نسل عبد مناف) کی زوجہ تھیں۔ ان کے فرزند عامر فتح مکہ کے دن اسلام میں داخل ہوئے اور پھر عبداللہ بن عامر بھی صحابی ہوئے اور دور عثمانی میں والی خراسان بنے۔ انہی ام حکیم کی دختر اروی حضرت عثمان ذوالنورین کی والدہ ہیں۔ دوسری پھوپھی امیمہ تھیں جن کا نکاح جحش بن رباب سے ہوا۔ ان کی ایک صاحبزادی ام حبیبہ عبدالرحمٰن بن عوف کی اہلیہ تھیں۔ دوسری صاحبزادی حمنہ کا پہلا نکاح مصعب بن عمیر، دوسرا طلحہ بن عبداللہ سے ہوا۔ دوسرے نکاح سے محمد اور عمران دو فرزند اسلام کے علمبردار بنے۔ عبداللہ بن جحش معرکہ احد میں شہادت پا کر اپنے ماموں حمزہ کے ساتھ مدفون ہوئے۔ تیسری پھوپھی عاتکہ تھیں جنہوں نے جنگ بدر سے قبل رویائے صادقہ دیکھا اور اس سلسلے میں طنز کیا گیا کہ اب تو بنو ہاشم کی لڑکیاں بھی نبوت کرنے لگیں۔ چوتھی پھوپھی حضرت صفیہ تھیں جو اولاً حارث بن

حرب بن امیہ کے نکاح میں تھیں۔ بعد میں بیوہ ہوکر عوام بن خویلد کے ازدواج میں گئیں۔ اس نکاح سے زبیر (یکے از عشرہ مبشرہ) متولد ہوئے۔ سائب بن العوام بھی ان کے بطن سے ہیں جنہوں نے معرکہ ہائے جہاد میں نمایاں حصہ لیا۔

انہوں نے حمزہ جیسے بھائی کی لاش خاک وخون میں پڑی دیکھی اور درندگی کا جو سلوک اس کے ساتھ روا رکھا گیا تھا۔ اس پر انتہائی صبر کا مظاہرہ کر کے انہوں نے ایک زریں مثال قائم کی۔ پانچویں پھوپی برہ تھیں۔ جو عبدالاسد بن ہلال کی موجہ تھیں۔ ابو سلمہ انہی کے فرزند ہیں جو ام المؤمنین ام سلمہ کے پہلے شوہر تھے۔ ایک پھوپی جن کا نکاح عمیر بن وہیب سے ہوا تھا اروی ہیں۔ ان کے فرزند طلیب نے جب انہیں اپنے قبول اسلام کی اطلاع دی تو انہوں نے کس والہانہ جذبہ سے کہا کہ:

"تیرے لئے تیرے ماموں کا بیٹا سب سے بڑھ کر خدمت اور

مدد کا حق دار ہے۔ بخدا اگر ہم عورتوں کو بھی مردوں جیسی طاقت ہوتی تو ہم ان کا بچاؤ کرتیں، اور اس کے دشمنوں کو جواب دیتیں"۔ (رحمۃ اللعالمین، ج ۲، ص ۹۶۔ بہ حوالہ سیرت مصنفہ مولوی کرامت علی دہلوی)

ان لفظوں میں ایمان بھی موجزن ہے اور ایک پھوپھی کی سچی محبت بھی بول رہی ہے۔

حضورؐ کے وسیع نسبی تعلقات کے اور بہت سے گوشے ہیں۔ مگر ہم یہاں صرف قریب ترین دائرے کی ایک محدود جھلک دکھا کر یہ حقیقت واضح کرنا چاہتے ہیں کہ حضورؐ کی ان قرابتوں نے مختلف مراحل پر تحریک کے حق میں مفید اثرات دکھائی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ چونکہ کشمکش اصولی اور اساسی اور ہمہ گیر ہونے کی وجہ سے بڑی سنگین تھی اور قریش نے بڑا مضبوط مخالفانہ محاذ دیر تک جمایا۔ لیکن اندرونی اندر قرابتیں اپنا کام کرتی رہیں۔ بنو ہاشم نے بحیثیت مجموعی دوسروں کے

مقابلے میں حامیانہ رویہ کا ثبوت دیا۔قرابت مندی کی وجہ سے ابوجہل کے ظلم پر حضرت حمزہ کا خون کھول گیا اور جاہلی محاذ چھوڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو گئے۔ ابو البختری نے محصوری کے زمانے میں ابوجہل کو اس زیادہ پر ٹوکا کہ وہ کسی غذائی ہدیہ کو شعب ابی طالب میں جانے سے روکے۔حضرت عباس نے خاموشی سے مکہ میں رہ کر حضورؐ سے تعاون کیا۔قریش کی مجالس میں بارہا گفتگوؤں میں اپنی قرابتوں کی وجہ سے حامیانہ رنگ پیدا ہوتا رہا۔اور لوگوں نے یہ تک سوچا کہ محمدؐ کو کم از کم مکہ سے باہر عرب میں کام کرنے دیا جائے اور کامیابی ہو جائے تو اس کی کامیابی ہماری ہی کامیابی ہوگی۔پھر برسوں تک ضدم ضدی کا چکر چلانے کے بعد جب مکہ فتح ہو گیا تو لوگ حضورؐ سے یہ کہتے سنائی دیئے کہ ''تو ایک شریف بھائی ہے۔اور شریف بھائی کا بیٹا ہے''۔پھر یہی قرابتیں دوسری جانب سے بھی برابر اثر انداز ہوتی رہیں۔حضورؐ کے اعزہ واقربا قیدی بن کر

لائے گئے تو راتوں کو بندھوں کی سختی کی وجہ سے ان کی کراہیں آپؐ کی نیند اڑانے کا باعث بنیں۔ مکہ میں قحط پڑا تو بھی حضورؐ کا دل پسیجا اور غلہ اور نقدی سے مدد کی۔ مکہ فتح کیا تو اس کے باشندوں پر احسانات کی بارش فرما دی۔

(۲) مدینہ میں ننہالی تعلقات:

حضورؐ کے والد جناب عبداللہ کی والدہ فاطمہ بنت عمر مدینے کے مشہور خاندان بنونجار سے تھیں۔ اس سے پہلے حضورؐ کے پردادا ہاشم نے بھی قبیلہ خزرج کی ایک خاتون ہند بنت عمر بن ثعلبہ سے نکاح کیا تھا۔ اس واسطے سے حضورؐ کے والد جناب عبداللہ کے روابط بھی مدینے میں خاصے گہرے تھے۔ اور اتفاق کی بات ہے کہ ایک تجارتی سفر میں وہیں آپؐ کے والد کی وفات ہوئی۔ اور قبر بنی۔ حضورؐ کی والدہ مدینہ کے اقربا کو ملنے اور اپنے شوہر کی قبر کو دیکھنے کے لئے آپؐ کو لے کر (بعمر ۵ سال)

یثرب گئیں۔ وہاں ایک ماہ تک حضورؐ کا قیام رہا۔ دارالنابغہ مستقر تھا۔ ہجرت کر کے تشریف لے گئے تو ۴۷ برس قبل کا وہ دور آنکھوں میں پھر گیا۔ مجالس میں کبھی کبھار ذکر فرماتے کہ یہاں ایک لڑکی ہوتی تھی۔ جو ہمارے ساتھ کھیلا کرتی تھی۔ فلاں قلعہ کے اندر ایک پرندہ برابر بیٹھا کرتا تھا۔ اور بچے اسے اڑا لیا کرتے تھے۔ اس گھر میں میری والدہ فلاں جگہ بیٹھا کرتی تھیں۔ اور والد کی قبر فلاں جگہ بنائی گئی تھی۔ حضورؐ نے یہ بات بھی بیان کی کہ بنوعدی بن النجار کی باؤلی (تالاب) میں میں نے تیرنا اچھی طرح سیکھ لیا تھا۔ اسی سفر میں واپسی پر حضورؐ کی والدہ کا انتقال ابواء کے مقام پر ہوا۔

ظاہر بات ہے کہ مدینہ سے آپ کے تحریکی تعلقات بعد میں جب نشوونما پانے لگے ہوں گے تو اس تعلق نے بھی اپنا اثر ڈالا ہوگا۔ مدینے کے لوگ خصوصاً بنونجار آپ کو اپنا قریبی عزیز سمجھتے ہوں گے۔ آپؐ کا استقبال کرنے میں بنونجار پیش

پیش تھے اور ان کی بچیاں بڑے والہانہ انداز میں خیر مقدم کے ترانے الاپ رہی تھیں۔

(۳) رضاعی تعلقات:

ابولہب کی ایک کنیز ثوبیہ کا دودھ آپؐ نے چند روز تک پیا تھا۔ اس کا اتنا لحاظ تھا کہ ثوبیہ کے لئے مدینے سے کپڑے بھجوایا کرتے تھے۔ مستقبل رضاعت حلیمہ سعدیہ کے حصے میں آئی جو بنو ہوازن سے تعلق رکھتی تھیں۔ بڑی لڑکی حذافہ (جن کا لقب الشماء تھا) نے بچپن میں حضورؐ کی خدمت کی تھی۔ غزوہ حنین کے موقع پر گرفتار ہو کر آئیں۔ انہوں نے فوجی نگرانوں سے کہا کہ میں تو تمہارے قائد کی بہن ہوں۔ یہ آپؐ کے سامنے لائی گئیں تو حضورؐ نے بڑی مسرت سے استقبال کیا اور اعزاز کے لئے چادر بچھائی اور آپؐ پر رقت طاری ہوگی۔ پھر فرمایا۔ اگر چاہو تو میرے پاس رہو اور چاہو تو تمہیں قبیلے میں پہنچا دیا جائے۔

انہوں نے واپس جانے کی خواہش ظاہر کی۔ آپؐ نے بہت کچھ دے کر رخصت کیا۔ انہیں اسلام لانے کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔

رضاعت کا یہی رشتہ تھا جس کا واسطہ معرکہ حنین کے بعد بنو ہوازن کے وفد نے اپنے قیدی چھڑانے کے لئے آپؐ کے سامنے دیا اور آپؐ نے بنی ہاشم کے سارے قیدیوں کو فوراً رہا کر دیا اور آپؐ کی تقلید میں ساری جماعت نے بنو ہوازن کے قیدی چھوڑ دیئے۔

(۴) اپنی صاحبزادیوں کے نکاح:

سیدہ زینب کا نکاح مکہ میں ہی ابو العاص بن ربیع سے ہوگیا تھا۔ ابو العاص کی والدہ حضرت خدیجہؓ کی سگی بہن تھیں یعنی حضورؐ ان کے خالو تھے۔ سیدہ زینبؓ نے والدہ کے ساتھ ہی اسلام قبول کیا تھا۔ وہ ہجرت کر کے مدینہ آ گئیں۔ بعد میں ابو

العاصؓ بھی ایمان لائے اور مدینہ آ گئے۔ سابق نکاح بحال رہا۔ اور میاں بیوی میں دلی تعلق بڑا گہرا تھا۔ چنانچہ مکہ والوں کی طرف سے ابو العاصؓ کو مجبور بھی کیا گیا کہ وہ حضرت زینب کو طلاق دے دیں۔ مگر وہ نہ مانے۔ اسی تعلق کی وجہ سے بہ حالت کفر ابو العاص کو مسلمانوں کے اذن سے بغیر فدیہ کے رہا کیا گیا۔ اور ایک بار قبضے میں آیا ہوا ان کا تجارتی مال بھی واپس کیا گیا۔

سیدہ رقیہ کا نکاح بھی مکہ میں حضرت عثمان بن عفان سے ہوا تھا۔ یہ پہلا جوڑا ہے۔ جس نے حضورؐ کی تحریک اسلامی کے تقاضے سے راہ خدا میں پہلے پہل اکٹھے ہجرت کی۔ ۲ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ ان کے بعد ۳ھ میں حضورؐ نے اپنی صاحبزادی ام کلثوم کا نکاح بھی باشارہ الٰہی حضرت عثمان ہی سے کر دیا۔ اسی دوہرے تعلق کی بناء پر وہ ذوالنورین کہلائے۔

سیدہ فاطمہؓ کو حضورؐ نے حضرت علیؓ کے نکاح میں دیا۔ گویا ابو العاص کے علاوہ تحریک اسلامی کے دو بڑے لیڈر اور حضورؐ کے رفقائے خاص نسبی تعلق رکھنے کے ساتھ ساتھ ان ازدواجی رابطوں کے ذریعے حضورؐ کے ساتھ گہری قرابت رکھتے تھے۔ یہ قرابت اسلام کے عظیم کام کو چلانے میں مدد تھی۔

(۵) حضورؐ کے ازدواجی تعلقات:

حضورؐ کے ازدواجی تعلقات کے موضوع پر چونکہ متعصب مستشرقین نے اعتراضات کا ایک خارزار پیدا کر دیا ہے اور ان کی وجہ سے ہمارے اندر کا ایک عنصر اس حقیقت واقعی پر مارے شرم کے زمین میں گڑ گڑ جاتا ہے کہ حضورؐ نے متعدد نکاح کئے اور اسلام نے تعدد ازواج کو روا رکھا۔ اس لئے ایک مختصر تمہیدی نوٹ میں ہمیں بعض توضیحات کرنی ہیں۔

پہلی بات یہ ذہن نشین کرنے کی ہے کہ انسانیت کا پہلا

دور تاریخ (جسے ہم حضورؐ کے زمانے تک پھیلا ہوا پاتے ہیں) تکثیر نسل کا دور ہے۔ زمین کے قطعات جب ویران پڑے تھے، جہاں آبادی تھی وہاں بھی چھدری تھی اور رزق کے ذرائع و وسائل کا میدان بھی کھلا پڑا تھا۔ بالکل فطری طور پر نوع انسانی میں ازدیاد نسل کا رجحان پورے زور سے کام کر رہا تھا۔ اسی لئے اس دور کے کسی بھی تمدن کو لیں اور کسی بھی مذہب کو دیکھیں۔ انسانی معاشروں میں تعدد ازدواج بہت بڑے بڑے پیمانوں پر پوری طرح مروج رہا ہے خود شرائف الہیہ نے بھی اس کی اجازت دی اور بہت سے جلیل القدر انبیاء علیہم السلام جن میں خود انبیائے بنی اسرائیل نمایاں ہیں، نے کئی کئی نکاح کئے۔ انکا دکا انبیاء نے ذاتی رجحان اور مخصوص حالات کی بناء پر گھر بار کے بکھیڑوں سے کنارہ کش اور جتی ستی بن کر اپنے آپ کو ہمہ تن دعوت حق کے کام میں بھی لگایا ہے۔ مگر اکثر نے متاہل زندگی اختیار کی اور بھرپور طریقے سے اختیار کی۔ حضورؐ تکثیر نسل اور تعدد

ازدواج کے اسی دور کے آخر میں آتے ہیں اور آپ ہی کے ذریعہ پہلی مرتبہ فرمان الٰہی سے تعدد ازدواج پر پابندی عائد ہوئی۔ حضورؐ نے جو بھی شادیاں کیں اور اسی رخصت و اجازت سے کیں جو شریعت الٰہیہ میں چلی آرہی تھی۔ پابندی لگنے کے بعد پھر آپؐ نے کوئی نکاح نہیں کیا۔(۱) اس پابندی کی حقیقت بھی اتنی ہے کہ تعدد ازدواج کی ایک طرف تو آخری حد (چار تک) مقرر کردی گئی اور اس کے ساتھ عدل کی بھاری ذمہ داری کا احساس دلا کر ایک زوجگی کے حق میں ترغیبی انداز اختیار کیا گیا لیکن تعدد ازدواج کو حرام نہیں ٹھہرایا گیا۔ اس انتہائی گنجائش کی ضرورت بعض اہم وجوہ سے تھی اور رہے گی۔ مثلاً اولین وجہ یہ ہے کہ اسلام شہوت رانی اور بدکاری کا کالاً سدباب کرنا چاہتا ہے اور اس کے لئے کڑے اہتمام کرتا اور سنگین سزائیں مقرر کرتا ہے۔ ایسے نظام میں ان لوگوں کے لئے راستہ رکھنا ضروری تھا جو جسمانی یا ذہنی ساخت کی وجہ سے تیز جنسی رجحان رکھتے

ہوں۔ اس حقیقی ضرورت کو مغربی تمدن میں نظر انداز کرنے کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ یک زوجگی کے ساتھ نہ صرف داشتائیں رکھنے کی گنجائش نکالی گئی بلکہ قحبہ گری کا نظام بھی قائم ہوا اور اتنا پھیل چکا ہے کہ اس سے نجات پانا مشکل ہوگیا ہے۔ نیز "آزاد محبت" کے نام سے زنا بالرضا کا ایک طوفان لڈ رہا ہے اس حالت کو محدود تعداد ازدواج کے اسلامی قانون کے مقابلے میں دیکھئے کہ کون سی صورت بہتر ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اولاد کی فطری خواہش یک زوجگی سے آگے بڑھنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ تیسری وجہ ایک عورت کی مستقل مریضانہ حالت ہوسکتی ہے جس کی وجہ سے اسے طلاق دیکر مصیبت میں ڈالے بغیر اس کا شوہر فطری تقاضوں کو پورا کر سکے۔ چوتھی وجہ اس گنجائش کو چھوڑنے کی یہ ہے کہ بسا اوقات خاندانوں کی سیاست انتقاموں کے چکر، وراثت کے جھمیلے، یتیموں اور بیواؤں کی کفالت کے مسائل کسی خاص صورت نکاح سے ہی حل ہو پاتے ہیں۔ مدالیں موجود

ہیں (قدیم بھی اور تازہ ترین بھی) کہ سلطنتوں، وزارتوں، قیادتوں کے استحکام کے لئے کبھی کبھار کوئی رشتہ ازدواج ہی واحد ذریعہ بنتا ہے)۔

دوسری بات یہ سامنے رہے کہ حضورؐ کے اکثر و بیشتر نکاح جنسی داعیہ کے زیر اثر نہیں بلکہ تحریک اور ملک وقوم کی فلاح و بہبود کے پیش نظر عمل میں آئے۔ ان کی نوعیت سیاسی ہے۔ حضورؐ کا اپنا ارشاد محفوظ ہے کہ "مالی فی النساء من حاجۃ" (دارمی۔ روایت سہل بن سعد) یعنی میری اندر عورتوں کے لئے کوئی جنسی طلب موجود نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ صحیح معنوں میں شادیاں حضورؐ نے دو ہی کی ہیں۔ ایک حضرت خدیجہؓ ہے۔ دوسری حضرت عائشہؓ سے۔ بقیہ نکاحوں کے لئے بعض اہم اجتماعی مصالح داعی ہوتے رہے اور ان مصالح کی خاطر حضورؐ نے اپنی مصروف ترین زندگی اور انتہائی فقیرانہ معاشرت پر بھاری بوجھ لاد کر انسانیت کے لئے قربانی دی

ہے۔

خیال کیجئے کہ ایک نوجوان جو ۲۵ برس تک عفت مآبی اور حیاداری کا نمونہ اس معاشرے میں پیش کرتا ہے جس میں شراب اور زنا کلچر کے بڑے قابل فخر پہلو بنے ہوئے تھے، ۲۵ برس کو پہنچ کر بھی وہ لذت پسندی کا عام معیار چھوڑ کر کسی نوعمر حسینہ کے بجائے ۴۰ سال کی ایک بیوہ کا انتخاب کرتا ہے کیونکہ اس کے نصب العین میں وہی زیادہ مدد ہو سکتی ہے اور پھر ازدواجی لحاظ سے عمر کے بہترین ۲۵ برس اسی ایک خاتون کے ساتھ گذار کر پچاس سال پورے کر لیتا ہے۔ کیا اس کے بارے میں وہ گھٹیا باتیں سوچی جا سکتی ہیں جن کا چرچا معترضین نے کیا ہے۔ پھر ازدواج کی کثرت کا دور ۵۵ سے ۵۹ سال کا دور ہے۔ عرب جیسے گرم ملک کے لحاظ سے اس عمر میں جنسی رجحانات انحطاط کی طرف جا چکے ہوتے ہیں۔ پھر خود ازواج کی عمروں کو دیکھئے تو دو کے علاوہ بقیہ کی عمریں بوقت نکاح ۴۰ سال سے اوپر تھیں، اور

پانچ کی عمریں تو ۳۶ تا ۵۰ برس تھیں۔ کیا حضورؐ کے لئے نوجوان ترین اور حسین ترین لڑکیوں کی کمی تھی؟

پھر ایسا گھٹیا اعتراض اٹھانے والوں کو سوچنا چاہئے تھا کہ وہ ہستی جس نے اپنے سر پر اتنے بڑے کام کا بوجھ اٹھایا تھا کہ نہ دن کو سکون میسر تھا اور نہ رات کو آرام کا کوئی لمحہ، اور وہ مجسمہ عفت وحیا کہ جس نے انسانیت کو پردے کا عظیم بابرکت قانون عطا کیا۔ (خود اس قانون پر بھی یورپ کے لوگ ناک بھوں چڑھاتے ہیں) اور آدم زاد کو قلب ونظر پر قابو رکھنا سکھایا، اور وہ ہستی کہ جس کے اوقات کا زیادہ حصہ ریاست اور معاشرہ کے وسیع مسائل میں کھپ جاتا تھا اور جس کے نجی اوقات پیروں کو متورم کر دینے والے لمبے لمبے قیام صلوٰۃ میں صرف ہوتے تھے۔ آخر کیسے اس کے بارے میں وہ فضول باتیں سوچی جا سکتی ہیں۔ پھر لذت پسند بادشاہوں اور فاتحوں کی سی کوئی بات اس میں نہیں دکھائی دیتی۔ نہ وہ جابر وظالم ہے نہ اسے شراب اور

موسیقی اور فاخرہ لباسوں سے دلچسپی ہے بلکہ الٹا اس نے معاشرہ کو ان نفسانیت انگیز تفریحات سے پاک کیا۔ نہ اس نے ازواج کی دنیوی عیش وعشرت کے سامان فراہم کر کے دیئے اور نہ ریشم اور سونے سے ان کے بدنوں کو سجایا۔ بلکہ اپنی درویشانہ زندگی کے رنگ میں ان کو بھی رنگ دیا۔ پھر ان کی ایسی ناز برداری کبھی نہیں کی کہ ان کی خوشنودی تحریک کے مفاد پر مقدم ہو جائے یا کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ اصول بھی ترک کرنا پڑے بلکہ ایسے موقعوں پر ان کی سختی سے تادیب کی۔ اور ایک موقع پر تو نان ونفقہ کا معیار بلند کرنے کے مطالبے پر ہی صاف صاف ان سے کہہ دیا کہ اس فقیری میں ساتھ دے سکو تو بہتر، ورنہ میں رخصت کئے دیتا ہوں۔ کیا یہ سارے احوال مل جل کر ان لغو اعتراضات کا پوری طرح قلع قمع نہیں کر دیتے؟

حضورؐ کے متعدد نکاح جن خاص ضرورتوں پر مبنی تھے وہ یہ تھیں:

.....قبائلی نظام کا خاصہ ہے کہ دائرہ عصبیت بڑا محدود رہتا ہے اور اس کی سرحدات بہت ہی مضبوط رکھی جاتی ہیں۔ قبائلی ذہن اپنے اور پرائے میں پورے تعصب کے ساتھ فرق کرتا ہے۔ اندریں حالات بکھرے ہوئے بے شمار قبائل کے جوڑے کے لئے جہاں انسانیت گیر نظریہ کی ضرورت تھی۔ وہاں قائد کی ایسی شخصیت بھی مطلوب تھی جو سب کے لئے نہیں تو بیشتر اہم قبائل کے لئے اپنائیت رکھتی ہو۔ عرب میں عملاً اصلاح و تعمیر کا کوئی کام کرنا کسی ایسے شخص کے لئے تو سرے سے ممکن ہی نہ تھا جس کا اپنا کوئی قبیلہ نہ ہو، بلکہ معزز قبیلہ نہ ہو۔ لیکن کام کو کامیابی سے تکمیل تک لے جانے کے لئے بین القبائلی روابط کی ضرورت تھی۔ یہ سیاسی ضرورت بعض ازدواجی علائق کے لئے داعی بنی۔

مثلاً ام المومنین حضرت جویریہ کے معاملے کو لیجئے۔ یہ بنو مصطلق کے قبیلہ کی خاتون ہیں۔ پورا قبیلہ نہایت طاقتور تھا۔

اور ڈاکہ زنی اور لوٹ مار میں معروف۔ خود حضرت جویریہ کا والد نامی رہزن تھا۔ اسلامی حکومت سے اس قبیلہ نے شروع ہی سے سخت عداوت اختیار کی۔ یہ نہ نظم کو قبول کرنے پر تیار تھے، نہ معاہدانہ روابط کے لئے آمادہ بلکہ مخالفت کے ہر محاذ پر موجود۔ آخر اس قبیلہ کو فوجی طاقت سے دبایا گیا۔ حضرت جویریہ قیدیوں میں آئیں۔ حضورؐ سے ان کا نکاح ہوا تو جماعت کے لوگوں نے پورے قبیلہ کے قیدیوں کو رہا کر دیا۔ کہ یہ لوگ رسولؐ خدا کے سسرالی رشتہ دار بن گئے ہیں اور اب ہم ان کو قید میں نہیں رکھ سکتے۔ اس نکاح کی برکت دیکھئے کہ پورا قبیلہ رہزنی چھوڑ کر امن پسند اور مطیع نظام بن گیا۔ اب مدینہ کی حکومت کا قائد ان کا اپنا عزیز تھا۔

اسی طرح ام المومنین حضرت میمونہ کے معاملے کو لیجئے۔ نجد کا علاقہ جہاں انتہائی سیاسی اہمیت رکھتا تھا (کیونکہ قریش) کا ایک تجارتی راستہ عراق جانے کے لئے ادھر سے بھی گذرتا تھا)

وہاں دعوت کے لئے اس کی زمین بے حد سنگلاخ ثابت ہوئی۔ یہاں کے لوگوں نے ایک دعوت و تعلیمی وفد کے ستر قیمتی افراد کو شہید کر دیا تھا۔ پھر متعدد بار اہل نجد نے اسلام کے خلاف فتنہ انگیزیاں کی تھیں۔ حضرت میمونہ سردار نجد کی اہلیہ کی بہن تھیں۔ حضورؐ سے اس نکاح کے ہوتے ہی فضاء بدل گئی اور نجد مدینہ کے زیر اثر ہوتا گیا ..... علاوہ ازیں ان کی متعدد بہنیں نہایت ممتاز سرداروں سے بیاہی ہوئی تھیں۔

پھر ام المومنین ام حبیبہ کے بارے میں غور کیجئے۔ یہ قریش کے سردار اعلیٰ ابوسفیان کی صاحبزادی تھیں۔ اس نکاح کے بعد ابوسفیان پھر کبھی حضورؐ کے مقابلے پر میدان میں نہیں آیا اور اس کا زور مخالفت ٹوٹ گیا۔ بڑی حد تک اس نکاح نے فتح مکہ کا راستہ ہموار کر دیا۔

اسی طرح حضرت صفیہ کو لیجئے۔ یہ ایک اونچے یہودی

سردار (یحیی ابن اخطب) کی صاحبزادی تھیں۔ ان کے خاندانی مرتبے کے پیش نظر یہ کسی طرح موزوں نہ ہوتا کہ ان کو کسی معمولی گھر میں جگہ ملتی۔ حضورؐ نے ان سے نکاح کیا تو پھر یہود کبھی مخالفانہ محاذ کا احیاء کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔ حضرت صفیہؓ حضورؐ کے اذن سے یہودی اعزہ کی مالی خدمت بھی کرتی رہتی تھیں۔

حضرت حفصہ کے نکاح کے پس منظر میں دوسرے محرکات کے علاوہ ایک سبب یہ بھی کام کر رہا تھا کہ اسلامی معاشرہ کے لئے جن رفقائے خاص کو حضورؐ نے اپنا مشیر بنا کر قیادت کی تربیت دی۔ ان میں سے چار سرکردہ ساتھیوں سے آپؐ نے گہرے ذاتی علائق قائم کئے۔ حضرت ابوبکرؓ کے گھر سے آپؐ نے نکاح کیا۔ حضرت عثمانؓ کو یکے بعد دیگرے دو صاحبزادیاں نکاح میں دیں۔ حضرت علیؓ کے گھر کو جناب فاطمہؓ سے زینت بخشی۔ اندریں صورت حضرت عمرؓ کو اس حلقہ قرابت

Source: www.prophetmuhammadforall.org

سے باہر نہیں رکھا جا سکتا تھا۔ حضورؐ نے ان کی صاحبزادی کو بھی اپنے نکاح میں لے لیا۔ اس طرح حضورؐ نے مرکزی کڑی بن کر مستقبل کے ان قائدین کو باہم دگر مربوط کر دیا۔

اسی طرح حضرت سودہ بنت زمعہ کا تعلق بنو عدی بنو نجار (مدینہ) سے تھا۔ ان کا پہلا نکاح سکران بن عمرو سے ہوا تھا۔ اور سہیل بن عمرو جو معاہدہ حدیبیہ کے وقت قریش کے نمائندے تھے، سکران کے بھائی تھے۔ سکران نے حبش میں انتقال کیا تو حضورؐ نے ایک طرف تو ان کی تالیف قلب کے لئے اور دوسری طرف حضرت خدیجہ کے انتقال کے بعد اپنی تنہائی دور کرنے کے لئے نکاح کر لیا۔ یہ واقعہ دسویں سال نبوت کا ہے۔ حضرت سودہ کی عمر بوقت نکاح حضورؐ کے برابر یعنی ۵۰ برس تھی۔ بعد میں انہوں نے ازدواج کے جسمانی مدعا سے بے نیازی اختیار کر لی تھی۔

Source: www.prophetmuhammadforall.org

.....حضورؐ نے ازدواجی رابطوں کو قائم کرنے میں ایک اور اہم بلکہ ناگزیر ضرورت کو پورا کرنے کا خاص خیال بھی رکھا ہے۔ تحریک اسلامی کامیابی سے اپنے مراحل تبھی طے کر سکتی ہے جبکہ مردوں کے حلقے کے ساتھ ساتھ عورتوں کے حلقے میں بھی متوازی طور پر کام جاری ہو۔ یہ کام بغیر اس کے کیسے ہو سکتا تھا کہ عورتوں کی رہنمائی اور تعلیم کے لئے خود انہی کی صنف میں سے کچھ ذہین خواتین کو بطور قائد اور کارکن کے تیار کر دیا جائے۔ اسلامی نظام حجاب کے ساتھ یہ ضرورت صرف دائرہ ازدواج ہی میں پوری ہو سکتی ہے۔ یعنی جہاں ہر مسلم فرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے گھر کی مستورات کو تحریک اسلامی کی خدمات کے لئے تیار کرے۔ وہاں پیغمبر اور قائدین کے لئے زیادہ بڑی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے گھر کو نمونہ کا گھر بنائے اور اپنے اہل بیت کو خواتین کی تعلیم و تربیت کے لئے تیار کرے۔ یہی ضرورت ہے جس کے تحت خود قرآن میں حضورؐ کی ازواج و بنات پر خصوصی

توجہ دی گئی ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ صدیقہ کے علاوہ حضرت حفصہ اور ام سلمہ خواتین میں عملی اور ذہنی قیادت کے قابل بنیں اور بقیہ ازواج نے بھی اخلاقی حیثیت سے اپنے آپ کو قابل تقلید نمونہ بنالیا۔

..... بسا اوقات ازدواجی روابط میں حضورؐ کو دوسرے فریق کی تالیف قلب کا غیر معمولی اہتمام بھی کرنا پڑا۔ مثلاً اپنی پھوپھی زاد حضرت زینبؓ بنت جحش کا نکاح خود آپؐ ہی نے باصرار زید بن حارثہ سے کیا تھا اور مقصود یہ تھا کہ خاندانی امتیازات کی تنگ حد بندیاں ٹوٹ جائیں۔ نکاح بدقسمتی سے ناکام ہوگیا اور نوبت طلاق تک پہنچی۔ حضرت زینب کی دل شکستگی ظاہر ہے اور حضورؐ اس میں اپنی ذمہ داری بھی محسوس کرتے ہوں گے۔ اپنے نکاح میں لے کر بہترین شکل میں تلافی فرما سکتے تھے۔ مگر جاہلیت کی ایک غلط روایت حائل تھی۔ زیدؓ بن حارثہ کو آپؐ نے منھ بولا بیٹا بنا رکھا تھا اور رواجاً ایسی صورت میں باپ

بیٹے کے سے حقوق ہر معاملے میں آتے تھے۔ اس ربیت کو خدا اوند تعالےٰ نے توڑ دیا اور باذن خاص حضرت زینبؓ کو آپؐ کے نکاح میں دے دیا۔

اوپر ہم نے ام حبیبہ بنت ابوسفیان کے نکاح کی سیاسی مصلحت بیان کی ہے۔ مگر اس کی بھی ایک وجہ تالیف قلب تھی۔ یہ عبید اللہ سے بیاہی ہوئی تھیں اور انہی کے ساتھ ہجرت کر کے حبش گئیں۔ وہاں شوہر نصرانی ہوگیا۔ اور شراب نوشی میں مبتلا ہوکر مرگیا۔ ام حبیبہ نے اسلام پر بڑا ثبات دکھایا۔ بہرحال غریب الوطنی میں شوہر کا ترک اسلام کرنا اور پھر مرجانا، دوہرا صدمہ تھا۔ حضورؐ نے قاصد خاص (عمرو بن امیۃ الضمری) کو شاہ نجاشی کے پاس نکاح کا پیغام دے کر بھیجا۔ ام حبیبہ کو اطلاع پہنچی تو اتنی خوشنود ہوئیں کہ مژدہ سنانے والی شاہی لونڈی کو اپنے زیور دے دیئے۔ شاہ نجاشی نے خود نکاح پڑھایا۔ ام حبیبہؓ نے اپنے ہاں سے ادا کیا اور ضیافت کی بعض روایات کے بموجب

مدینہ میں تجدید نکاح کی گئی اور ولیمہ ہوا۔

اسی طرح ام المساکین زینب بنت خزیمہ بن الحارث ہلالیہ (بنی بکر بن ہوازن) حضورؐ کی پھوپھی زاد عبداللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں۔ ان کی شہادت (غزوہ احد) میں ہوئی تو حضورؐ نے ان کی بیوگی سے نکال کر اپنے حرم میں لے لیا۔ ظاہر بات ہے کہ یہ خالص گھریلو معاملہ تھا اور تالیف قلب کے ساتھ اس میں خاندانی پہلو بھی ملحوظ ہوں گے۔

بروئے تحقیق جملہ گیارہ نکاح حضورؐ نے کئے۔ اس سے زائد کی کمزور روایات پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتیں۔ ان میں سے حضرت خدیجہ قبل ہجرت (دسویں سال نبوت میں) اور زینب بنت خزیمہ صرف تین ماہ ازدواج نبوی میں رہ کر ۳ھ میں فوت ہوئیں۔ حضورؐ کی عمر کا بالکل آخری دور ہے جس میں کل ۹ ازواج مطہرات بیک دم حرم میں تھیں اور ان میں سے بھی ایک

(حضرت سودہؓ) دنیوی رغبتوں سے بالکل بے نیاز ہوگئی تھیں۔ لیکن جب قانون الٰہی نے پابندی عائد کردی تو اس کے بعد پھر آپؐ نے کوئی نکاح نہیں کیا۔ عام مسلمانوں کے مقابلے میں قانون نے ایک استثنیٰ آپؐ کو دیا۔ عام مسلمانوں کو تو یہ حکم تھا کہ اگر چار سے زیادہ کسی کی بیویاں ہوں تو وہ زائد تعداد کو طلاق دے دے۔ لیکن حضورؐ کو اجازت دی گئی کہ موجودہ ازواج کو پاس رکھیں۔ اس استثنیٰ کی وجہ یہ تھی کہ ازواج النبیؐ کو ضروریات دینی کے تحت امہات المومنین قرار دے کر محرمات میں داخل کردیا گیا تھا۔ اب اگر ان میں سے کچھ کو حضورؐ سے طلاق دلوائی جاتی تو وہ بالکل تنہا ہو کے رہ جاتیں۔

اب حضورؐ کے ازدواجی علائق کی سیاسی اہمیت کو دیکھئے کہ ان کی وجہ سے ایک طرف مکہ کے قبائل اور مہاجر برداری سے اور دوسری طرف عام قبائل عرب سے قائد نظام کو جو رشتہ یگانگت حاصل ہوا، اس کی وسعت ظاہر کرنے کے لئے ہم

متعلقہ خاندانوں اور قبائل کے نام درج کرتے ہیں۔ ا۔ بنی اسد بن عبدالعزیٰ ۲۔ بنی عامر بن لوی ۳۔ بنی تیم ۴۔ بنی عدی ۵۔ بنی مخزوم ۶۔ بنی امیہ ۷۔ بنی اسد بن خزیمہ ۸۔ بنو مصطلق ۹۔ یہود عرب ۱۰۔ بنو کلاب، کلب و ملیم ۱۱۔ بنو کندہ۔

ان قبائل کے علاقوں کو اگر جغرافیائی تقسیم کے لحاظ سے دیکھیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ فی الواقع حضورؐ کی شخصیت بین القبائلی درجہ پر آگئی تھی جو تمام بڑے بڑے قبائل کے لئے مرکزی حیثیت رکھنے کی وجہ سے اس عظیم وحدت کو پیدا کرنے میں کامیاب ہوئی جس کا تقاضا اسلامی تحریک کرتی تھی۔ بے شمار مزاحمتوں اور باغیانہ عزائم کو ان تعلقات نے ختم کر دیا۔ بلکہ بہت ہی دیرینہ تاریخی عداوتیں تک بے اثر ہو گئیں۔ سوچئے کہ ایک عظیم نصب العین جس سے ساری انسانیت کو بہرہ مند ہونا تھا ..... ایک نظام عدل و امن اور ایک عالمگیر رابطہ اخوت کیا اتنی قیمتی چیز نے تھا کہ اس کے لئے اگر تعدد ازدواج سے عرب کے

قبائلی ماحول میں راستہ ہموار ہوتا ہو تو کیا جائے۔ پھر پورے عرب کی وحدت اور نظم اور امن اور تمدن کی راہ پر ڈالنے کے لئے اگر سیدِ بیرین طور پر مفید رہی تو آخر اس پر سے دے کیوں؟

درحقیقت دیکھا جائے تو یہ حضورؐ کا ایثار عظیم تھا کہ آپؐ نے انسانی بھلائی کے مشن کو کامیاب کرنے کے لئے اپنی وسیع مصروفیات کے ساتھ آخری عمر میں عیالداری کا اتنا بوجھ اٹھایا اور اپنے عالم فقر میں کن مشکلوں سے اہل بیت کے نان ونفقہ کے انتظامات کئے اور گھرداری کے کتنے جھمیلوں کو اپنے سر لیا۔ کوئی آدمی تصور نہیں کرسکتا کہ ان سارے حالات کی یکجائی سے کسی آدم زاد کو کوئی لمحہ عشرت تو کجا سکون کی کوئی گھڑی بھی ہاتھ آسکتی ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ اپنے اعلیٰ مقصد کی خاطر حضورؐ کا یہ ایثار تھا کہ تعدادِ ازدواج کا بار اٹھایا۔

گویا جہاں تک تحریک اسلامی کے سیاسی پہلو کا تعلق

ہے محسنؐ انسانیت کے وسیع ذاتی تعلقات نے ضرور راستے صاف کئے ہوں گے اور عوام کے لئے اسلام کی طرف بڑھنا آسان کر دیا ہوگا۔

عوام خود آگے بڑھتے ہیں

کسی بھی اصولی انقلابی تحریک کی طرح محسنؐ انسانیت کے کارنامے کو دو بڑے حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک وہ دور جبکہ اسلامی تحریک خود عوام کے قریب جا جا کر ان کو پکارتی تھی۔ دوسرا وہ دور جبکہ عوام خود آگے بڑھنے لگے، اور اسلام کے دروازے پر خود دستک دینے لگے کہ ہم اندر آنا چاہتے ہیں۔ یہ دوسرا دور تو وسیع ہوتا ہے اور جب یہ آچکتا ہے تو پھر تمام مزاحمتیں ختم ہو جاتی ہیں اور تمام منفی رجحانات میدان چھوڑ دیتے ہیں۔ مگر اس دور تک پہنچنے کے لئے نبی اکرمؐ اور آپؐ کے ساتھیوں نے بڑے بڑے جتن کئے اور خود پسینہ ایک کر دیا۔

ایک طرف فکری دعوت کے میدان میں ثابت کر دیا کہ دلیل کی قوت ہمارے ساتھ ہے دوسری طرف اخلاقی دائرے میں دھاک بٹھادی کہ اسلام کا بنایا ہوا انسان بہترین نمونہ انسانیت ہے۔ تیسری طرف سیاسی بصیرت کے لحاظ سے اپنا سکہ جما دیا کہ ہم لوگ معاملات کی گرہوں کو کھولنا باندھنا جانتے ہیں اور چوتھی طرف میدان کارزار میں اپنا لوہا منوالیا کہ ہم مزاحمتوں سے نمٹ سکتے ہیں اور ظلم و جور کو ناکوں چنے چبوا سکتے ہیں۔ دماغوں کو متاثر کیا۔ دلوں کو جھنجھوڑا۔ جذبات کو ساتھ لیا۔ سعادت مند روحوں کو متفق بنا کر گلے لگایا۔ غیر جنگ پسند قابل کو معاہداتی نظام میں منسلک کیا اور جنگ جو مخالفین کا جنگی زور توڑ کر راستہ صاف کیا تب کہیں جا کر وہ وقت آیا کہ عوام ہر چہار جانب سے نئے مرکز امید ..... مدینہ ..... کی طرف گامزن ہو گئے۔

یہ دور اس سال سے شروع ہوتا ہے جسے ''عام الوفود'' کا

عنوان دیا گیا ہے یعنی وہ سال جس میں عرب کے کونے کونے سے قبائل نے اپنے وفود مدینہ بھیجے۔ قبول اسلام کے لئے سیاسی اطاعت کا عہد باندھنے کے لئے محض تحقیق و تفتیش اور حالات کو سمجھنے کے لئے !! ہر طرف اسلام کی پیاس پیدا ہوگئی ایک حرکت اور ایک ہلچل کا آغاز ہوگیا۔ یہ دور فتح مکہ کے بعد کے تین سالوں ۸، ۹، ۱۰ھ پر پھیلا ہوا ہے یہ گویا محسن انسانیت کی کاشت کردہ فصل کے برگ و بار لانے کا موسم تھا۔ کو اجمال ہمیں ملحوظ ہے لیکن سیرت کا یہ باب اتنا اہم ہے کہ وفود کا تذکرہ سامنے آنا چاہئے کیونکہ وفود کی آمد اور ان کی بات چیت اور ان کے تاثرات میں نہایت ہی مفید اسباق ملتے ہیں۔ پھر یہی بیان اس حقیقت کو واضح کرسکتا ہے کہ کس طرح عوام الناس چاروں طرف سے آ آ کر اسلام کے قدموں میں گرے۔ سیرت کی مختلف قدیم کتابوں میں مدینہ آنے والے وفود کی تعداد کم سے کم ۱۵ اور زیادہ سے زیادہ ۱۰۴ ملتی ہے۔ ہم ان میں سے صرف اہم اور نمایاں

وفود کا تذکرہ کریں گے۔ ان میں بھی تفصیل صرف دو چار وفود کے متعلق دی جارہی ہیں۔ عام الوفود سے قبل ۵ھ میں ہی اکادکا وفود آنے لگے تھے سو ہیں سے آغاز کرتے ہیں۔

(۱) وفد قبیلہ مزینہ..... یہ بہت بڑا قبیلہ تھا اور اوپر جا کر اس کا سلسلہ نسب قریش سے مل جاتا تھا۔ مشہور صحابی نعمان بن مقرن اسی قبیلے سے تھے ۵ھ میں اس قبیلہ کے چار سو افراد کا عظیم وفد نبی اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسلام کا پیمان باندھا غالباً مدینہ آنے والا سب سے پہلا نمائندہ عوامی وفد یہی تھا۔ مدینہ سے واپسی پر ان کو زاد راہ کے طور پر کھجوریں دی گئیں۔

(۲) وفد قبیلہ بنو تمیم..... یہ وفد بھی ابتدائی دور میں آیا اور بڑے کروفر سے آیا۔ قبیلہ کے بڑے بڑے روسا (اقرع بن حابس، زبرقان، عمرو بن الاہتم، نعیم بن یزید اور عیینہ بن حصن

فزاری) خود شریک وفد تھے۔ اس وفد کی وجہ سے خاصی رونق رہی۔ اس وفد کے افراد مسجد میں داخل ہوئے، تو بڑے اکھڑ طریقے سے حجر کے قریب آواز دی محمدؐ! اے محمدؐ! باہر آؤ! چنانچہ وحی الٰہی (الحجرات) نے ان کو شائستگی کا درس بھی دیا یہ لوگ یوں تو اسلام کو دل دے کے ہی گھروں سے چلے تھے مگر ابھی عربی مفاخرت کا رنگ مزاجوں میں باقی تھی۔ انہوں نے خواہش کی کہ فریقین کے خطیب اور شعرا مجمع میں فصاحت اور معنی آفرینی کے جوہر دکھائیں درحقیقت عرب کے بعض اونچے قبائل کسی قیادت کو جبھی قبول کر سکتے تھے کہ اس کی ذہنی برتری کے وہ قائل ہو جائیں حضورؐ نے بھی اس مخاطبت و مفاخرت کی دعوت کو مصلحت دیکھ کر قبول کر لیا۔

عطارد بن حاجب بنو تمیم کا نامور خطیب تھا۔ اس نے اپنے قبیلہ کی قیادت وسیادت اور دولت و جاہ کر تقریر میں پیش کیا اور کہا کہ ''ہماری ہمسری کا جو دعویٰ ہو وہ ایسے خصائص اور

اوصاف سامنے لائے"۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے سے اسلامی تحریک کے ایک خطیب ثابت بن قیس جوابی تقریر کے لئے اٹھے۔ انہوں نے ایک پرزور خطبہ میں ہلکے سے رنگ مفاخرت کے پردے میں دعوت کا پہلو نمایاں کیا اور اسی کو اسلامی معاشرہ کا سرمایہ افتخار قرار دیا چند جملے اصل عربی میں دیکھئے۔ کیا بانگی ہے:

"الحمدلله الذی السمٰوات والارض خلقه، قضیٰ فیهن امره ووسع کرسیه علمه! ..... ثم کان من قدرته ان جعلنا ملوکا واصطفیٰ من خیر خلقه رسولا۔ اکرمه نسباً۔ واصدقه حدیثاً وافضله حسباً ..... ثم دعا الناس الی الایمان به فامن برسول الله المهاجرون من قومه وذوی رحمه، اکرم الناس

Source: www.prophetmuhammadforall.org

حسباً، واحسن الناس وجوها وخير الناس فعالاً .....

فنحن انصار الله ووزراء رسوله ....."

پھر تمیم کے ممتاز شاعر زبرقان بن بدر نے قصیدہ پڑھا۔ رنگ یہ تھا۔

نحن الكرام فلاحي يعادلنا من الملوك وفينا تنصب البيع

ہم اشراف ہیں اور کوئی قبیلہ ہماری ہمسری نہیں کرسکتا۔ ہم میں تاجدار ہیں اور ہم لوگ معبد تعمیر کرتے ہیں۔

اسلامی تحریک کے انقلابی شاعر حضرت حسان موجود نہ تھے ڈھونڈ کر لائے گئے۔ حضورؐ نے فرمایا "اٹھو حسان! اس شخص کو شاعری کا جواب پیش کرو"۔ ابن ہشام نے ان کا قصیدہ نقل کیا ہے۔ وفد نے اعتراف کیا کہ ہمارے خطیب اور شاعر سے رسول خدا کا خطیب اور شاعر برتر ہیں اس اعتراف کے بعد تمام

افراد اسلام کے سایہ رحمت میں آ گئے۔

(۳) وفد بنی عبدالقیس ..... علاقہ بحرین میں دعوت اسلام کا آغاز بذریعہ منقذ بن حبان ابتداء ہی میں ہوگیا حلقہ اثر وسیع ہونے لگا۔ ۵ھ میں تیرہ آدمیوں کا وفد مدینہ آیا حضورؐ کے پوچھنے پر انہوں نے جب بتایا کہ ہم خاندان ربیعہ کے افراد ہیں تو حضورؐ نے "مرحبا! لاخزایا ولاندامی" کہہ کر ان کی عزت افزائی کی۔ وفد کی طرف سے درخواست کی گئی کہ چونکہ ہمارا علاقہ زیادہ دور ہے اور راستے میں کفار مضر کی آبادیاں ہیں۔ اس لئے ہم چار حرام مہینوں کے علاوہ سفر نہیں کر سکتے لہذا ہمیں چند متعین باتیں بتا دیجئے جن پر ہم کاربند رہیں اور اپنے لوگوں کو بتائیں، نبیؐ اکرم نے توحید، نماز، روزہ اور ادائے خمس کی تلقین فرمائی اور شراب سازی سے اجتناب کے لئے چار قسم کے مروج ظروف (دباختم، نقیر، مزفت) کا استعمال ممنوع ٹھہر لیا۔ وفد کے لوگ بحرین کی جاہلی ثقافت کے متعلق حضورؐ کی معلومات سن

کر بڑے حیران ہوئے۔ لیکن آخر نظام حیات کو زیر و زبر کر دینے والی تحریک کا سربراہ کار زیر دعوت علاقوں کے حالات سے بے خبر رہ کر کام کیسے چلا سکتا ہے۔ حضورؐ کی معلومات کچھ تو ذاتی سفروں سے ماخوذ تھیں اور پھر مکہ اور مدینہ کے مرکزی مقامات پر کوئے کوئے کے لوگ آتے تھے اور ان سے بہت کچھ حالات علم میں آتے تھے۔

اس وفد میں ایک شخصیت جارود بن العلاء کی بھی تھی۔ جارود مسیحی تھا۔ اس نے عرض کیا کہ میں ایک مذہب پر چل رہا ہوں اسے چھوڑ کر اگر آپ کے دین پر آؤں تو کیا آپ ضامن بنتے ہیں (یعنی کوئی اخروی وبال تو نہ آئے گا) حضورؐ نے فرمایا "ہاں میں ضامن ہوں۔ کیونکہ جس دین کی طرف میں دعوت دیتا ہوں یہ تمہارے مذہب سے بہتر ہے"۔ جارود فوراً مسلمان ہوگیا اور اس کے ہم مذہب ساتھی بھی حلقہ اسلامی میں داخل ہو گئے۔

(۴) نمائندہ بنوسعد (بن بکر).....قبیلہ نے صمام بن ثعلبہ کونمائندہ بنا کر مدینہ بھیجا۔ یہ شتر سوار عجب سادہ بدویانہ انداز سے مسجد نبوی میں آیا اور اصحاب نبی سے پوچھا "تم میں سے عبدالمطلب کا فرزند (یعنی اولاد) کون ہے؟ لوگوں نے حضورؐ کی طرف اشارہ کیا کہ وہ گورے چہرے والے ہیں رسولؐ خدا۔ پاس پہنچا اور کہا "اے عبدالمطلب کے بیٹے! کچھ باتیں سختی سے پوچھوں گا برا نہ منانا"۔ حضورؐ نے اجازت دی۔ پھر اس نے قسم دلا دلا کر دین کی چند بنیادی باتوں (توحید، رسالت، نماز، حج، زکوۃ وغیرہ) (محققین کی رائے ہے کہ راویوں کے تسامح سے حج کا ذکر یہاں شامل ہوگیا ہے کیونکہ حج کی فرضیت بعد میں بہ صورت دیگر اس وفد کا وقت آمد بعد کا ہونا چاہئے)۔ کے بارے میں پوچھا کہ کیا آپؐ ایسا کہتے ہیں؟ حضورؐ تصدیق فرماتے گئے۔ سارے جواب لے کر کہا۔ میرا نام ضمام ابن ثعلبہ ہے۔ مجھ کو میری قوم نے بھیجا ہے۔ میں جاتا ہوں۔ اور جو کچھ تم

نے بتایا ہے، اس میں نہ میں ذرہ بھر اضافہ کروں گا نہ کمی"..... اور اونٹ پر سوار ہو کر روانہ ہو گیا۔ اس کے جانے کے بعد حضورؐ نے فرمایا کہ "اگر یہ سچ کہتا ہے کہ تو اس نے فلاح پائی"۔

واپس جا کر اس نے قوم میں طوفانی انداز سے دعوت دی کہ لوگو! میں خدا اور اس کے رسولؐ پر ایمان لایا ہوں لات و عزیٰ وغیرہ کوئی حقیقت نہیں رکھتے"۔ لوگوں نے ڈر لیا کہ تم پر ایسی باتوں کی وجہ سے ان بتوں کی مار نہ پڑے اور جنون یا جذام نہ ہو جائے۔ ضمام نے کہا۔ "خدا کی قسم! یہ نہ نفع پہنچا سکتے ہیں نہ ضرر!" شام ہونے سے پہلے پہلے سارا قبیلہ اسلام تحریک میں شامل ہو گیا۔

(۵) وفد اشعریین (یمن)..... یمن کا یہ ایک معزز قبیلہ تھا اور ابو موسیٰ اشعری اسی کے ایک فرد تھے۔ ان تک دعوت حق مکی دور میں (طفیل دوسی اور مہاجرین حبشہ کے واسطے سے)

پہنچ چکی تھی۔ متاثرین میں سے تین اشخاص ہجرت کا عزم باندھ کر مدینہ چلے کہ حضورؐ سے فیضان حاصل کریں گے اور تحریک حق کو تعاون بہم پہنچائیں گے بحری سفر تھا راستے میں مخالف ہوا چلی اور جہاز حبش کے ساحل سے جالگا۔ وہاں یہ لوگ ہجرت اولیٰ کی سعادت پانے والی اسلامی جماعت سے جا ملے۔ کچھ زمانہ وہاں رہ کر جعفر طیار کی رفاقت میں چند نومسلم حبشیوں کو بھی ساتھ لے کر یہ مدینہ کو روانہ ہوئے اور فتح خیبر کے موقع پر (۷ھ) بارگاہ رسالت میں جا حاضر ہوئے۔ ان کے جذبہ بے اختیار کا یہ عالم تھا کہ منزل مقصود پر پہنچے تو یہ نغمہ مسرت زبانوں سے ابلا پڑتا تھا کہ:

غداً نلقی الاحبۃ محمداً وحزبہ

کل اپنے ہم رفیقوں سے جا ملیں گے۔ یعنی محمدؐ سے اور ان کی جماعت سے۔

حضورؐ کو اطلاع ہوئی تو احباب سے کہا۔ ''تمہارے ہاں یمن سے کچھ لوگ آتے ہیں (خیال رہے کہ یہ لوگ بہت رقیق القلب اور نرم دل ہوتے ہیں''۔ پھر فرمایا۔ ''ایمان ہے تو یمن کا! حکمت ہے تو یمن کی!''

پھر ملاقات ہوئی، باتیں ہوئیں، سوالات سامنے آئے۔ جوابات دیئے گئے۔ اور مدینہ کی فضاء میں ایک نیا رنگ چھا گیا۔

(۶) وفد دوس (یمن).....ہم بتا چکے ہیں کہ طفیل دوسی مکہ کے ابتدائی دور دعوت میں اسلام لائے تھے انہوں نے جاتے ہی زور شور سے کام کیا اور ان کے والد اور بیوی تو فوراً ان کے ساتھ ہو گئے کچھ دوسرے افراد بھی متاثر ہوئے۔ مگر قبیلہ بڑے بھاری اخلاقی انحطاط میں پڑ گیا تھا اور بدکاری پھیل گئی تھی۔ ایسے حالات میں ان کی تندی مزاج اور جوشیلے پن کی وجہ

سے کام آگے نہ بڑھ سکا۔ یہ حضورؐ سے آکر ملے اور قوم کی شکایت کر کے دعا کی تمنا کی۔ آپؐ نے ان کو نرم انداز دعوت کی تلقین کی اور دوس کی اصلاح کے لئے خدا سے دعا کی۔ اب جو طفیل نے جا کر کام شروع کیا تو راستے کھلتے گئے اور ۵ھ میں بہت سے گھروں میں اسلام کی شعاعیں داخل ہو گئیں یہاں تک کہ ۷ھ میں ۸۰ خاندان ہجرت کر کے مدینہ آ گئے اور ان ہی مہاجرین میں حضرت ابو ہریرہؓ جیسی گرانقدر شخصیت بھی تھی۔

(۷) وفد صداء..... اس قبیلہ میں سے پہلے پہل زیاد بن حارث صدائی نبی اکرم کی خدمت میں آیا تھا۔ پھر اس نے جا کر کچھ اثر ڈالا۔ ۸ھ میں ۱۵ آدمیوں کا ایک وفد پورے قبیلے کا نمائندہ بن کر حاضر ہوا۔ سعد بن عبادہ ان کے میزبان تھے۔ انہوں نے کھانے کے علاوہ ان کے لئے کپڑوں کا انتظام بھی کیا۔ ان لوگوں کی حضورؐ کے ہاتھ پر اسلامی تحریک میں شرکت کی بیعت باندھی اور قبیلہ کی طرف سے بھی تعاون کی

پیشکش کی۔ اس وفد کے واپس جانے پر کام تیزی سے ہوا حجتہ الوداع کے موقع پر اس قبیلے کے یکصد افراد مکہ پہنچے۔

فتح مکہ سے قبل کے دور میں یہی وفود ایسے سامنے آتے ہیں جن کا تذکرہ تاریخ میں محفوظ ہے فتح مکہ کے بعد تو گویا ایک عوامی سیلاب تھا جو ہر چہار طرف سے اسلام کا ساتھ دینے کے لئے امڈ پڑا۔ ۹ھ اور ۱۰ھ میں کثیر تعداد میں وفود مدینہ پہنچے ان کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے۔

(۸) وفد ثقیف (طائف)..... حضورؐ جب فتح مکہ کے سفر سے واپس ہوئے تو عروہ بن مسعود ثقفی حاضر ہو کر حلقہ اسلامی میں داخل ہوئے اور بنو ثقیف میں دعوت پھیلانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ حضورؐ نے ثقیف کے کبر و غرور کے پیش نظر احتیاط کا مشورہ دیا اور اندیشہ ظاہر کیا کہ وہ لوگ تمہیں قتل نہ کر دیں۔ حضرت عروہ کو اپنے اثر و رسوخ پر بڑا اعتماد تھا۔ لہذا باصرار کام

کرنے کی اجازت لی۔ واپس جاتے ہی مکان کی چھت پر کھڑے ہوکر اسلام کی پکار بلند کی۔ ان کی توقع کے خلاف ہر طرف سے ناوک اندازی شروع ہوگئی اور ایک تیر کھا کر وہ شہید ہو گئے۔ بنوثقیف کرنے کی تو یہ حرکت کر بیٹھے۔ مگر اس ظالمانہ اقدام نے ان کے ضمیروں میں حرکت بھی پیدا کردی۔ وہ معاملہ کو ٹھنڈے دل سے سوچنے پر مجبور ہو گئے۔ مہینہ بھر بعد انہوں نے ایک اجتماع کیا۔ جس میں صورتحال کا حقیقت پسندانہ جائزہ لے کر اس سوال پر غور کیا گیا کہ آیا ہم لوگ پورے عرب کا مقابلہ کرسکتے ہیں جو اسلام کے زیر نگیں ہو چکا ہے۔ بالآخر طے پایا کہ مدینہ میں کسی نمائندے کو بھیجا جائے۔ بعد میں پورا وفد تیار کیا گیا۔ عثمان بن ابی العاص اوس بن عوف اور سفر بن خرشہ (بنی مالک میں سے) اور حکم بن عمرو بن وہب اور شرجیل ابن غیلان (حلیف قبیلوں کی طرف سے) وفد میں شریک ہوئے۔ عبد یا لیل سردار طائف ان کو لے کے مدینہ گیا۔ یاد کیجئے کہ یہ وہی عید

یا لیل ہے جس نے بارہ سال قبل حضورؐ کی دعوت سننے سے انکار کر دیا تھا اور اوباشوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا تھا۔

تبوک سے رسول اکرمؐ کی واپسی پر یہ وفد مدینہ پہنچا۔ ان کے لئے مسجد کے متصل خیمہ نصب کیا گیا۔ خالد بن سعید بن العاص فریقین کے درمیان ذریعہ گفتگو بنے۔ ان لوگوں نے عجیب عجیب شرطیں پیش کیں۔

ایک شرط یہ تھی کہ تین برس تک ان کا بت ''لات'' منہدم نہ کیا جائے۔ پھر اس مدت کو گھٹاتے گھٹاتے وہ ایک مہینہ تک لائے۔ یہ بت جس جامد ذہنیت کا مظہر تھے وہ اندر سے مان نہیں رہی تھی۔ انہوں نے یہ اندیشہ پنہاں ظاہر کر دیا کہ ہمارے بتوں کو اگر کہیں معلوم ہو گیا کہ ان کو توڑا جانے والا ہے تو ممکن ہے کہ وہ تمام باشندوں کا خاتمہ کر دیں۔ حضرت عمرؓ یہ سن رہے تھے۔ ان سے چپ نہ رہا گیا۔ عبد یا لیل کو مخاطب کر کے

کہا۔ ''کیسی جہالت کی باتیں کر رہے ہو۔ تمہارے یہ معبود تو محض پتھر ہیں''۔ عبد یالیل نے بھنا کر کہا کہ ''اے ابن خطاب! ہم تم سے بات کرنے نہیں آئے۔ ہمارا معاملہ رسول اللہ سے ہے''۔ بہر حال حضورؐ نے یہ شرط جب کسی قیمت پر قبول نہ کی تو وہ اس پر راضی ہو گئے کہ انہدام کی کارروائی ہم سے نہ کرائی جائے بلکہ حضورؐ اپنے آدمی بھیجیں۔ چنانچہ ابوسفیان بن حرب اور مغیرہ بن شعبہ کو نامزد کر دیا گیا۔

پھر انہوں نے کہا کہ ہمیں نماز ادا کرنے سے مستثنیٰ رکھا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''جس دین میں نماز نہیں اس میں کوئی بھلائی نہیں''۔

ایک رکن وفد نے یہ بھی درخواست کی کہ رسول خدا! ہمیں زنا کی اجازت دیجئے۔ اس کے بغیر تو ہمارے لئے کوئی چارہ کار ہی نہیں''۔ پھر وہ کہنے لگا کہ اچھا ہمارے لئے سود کے

لین دین کی گنجائش چھوڑ دیئے اسی طرح شراب پینے کی چھوٹ مانگی۔

انداز ایسا تھا گویا کہ رسولؐ خدا نے کوئی دکان لگا رکھی تھی کہ جس میں سے ہر ایک اپنی اپنی پسند کا سودا خرید سکتا تھا کہ جو چیز چاہے چھوڑے اور جو چیز چاہے لے۔ حضورؐ ان مطالبوں کے جواب میں قرآن کی آیات پڑھ کر بتاتے گئے کہ یہ تو خدائی ضابطہ ہے۔ نہ کہ کسی کا من گھڑت۔ جب یہ فضول شرائط مسترد ہوگئیں تو پھر اہل وفد مشورہ کر کے اس نتیجہ پر پہنچے کہ اگر ہم اسلام کے مطالبات نہیں مانتے ہیں تو ہمارا حشر بھی ایک دن مکہ والوں کا سا ہوگا۔ مجبوراً سر اطاعت خم کیا اور معاہدہ لکھا گیا۔ حضورؐ نے صرف دو باتوں میں ان کو ڈھیل دے دی۔ یعنی کچھ مدت کے لئے ان سے زکوٰۃ کی وصولی نہ کی جائے گی اور ان کو جہاد میں شرکت پر مجبور نہ کیا جائے گا۔ لیکن حضورؐ کی توقع کے مطابق جب اسلام نے دلوں میں گھر کر لیا تو یہ تقاضے از خود پورے ہونے

لگے۔

وفد میں ایک مخلص نوجوان عثمان بن ابی العاص شریک تھے۔ یہ فارغ اوقات میں اسلام کی حقیقت شریعت کے احکام اور نظام اسلامی کے تقاضوں کا علم حاصل کرتے۔ انہیں کو امیر مقرر کیا گیا۔ یہ لوگ جب واپس پہنچے تو پہلے انہوں نے ڈرامائی طریق سے مخالفانہ تاثر بیان کیا کہ محمدؐ نے بڑی نا قابل قبول شرطیں پیش کی ہیں۔ لہذا جنگ کی تیاری کرو۔ دور دور تک خاصی جوشیلی فضاء قائم رہی۔ آخر کار لوگ خود ہی کہنے لگے کہ ہم بھلا محمدؐ سے کیا لڑیں گے جبکہ سارا عرب اس کی اطاعت کر رہا ہے۔ جاؤ جو کچھ وہ کہے اسے قبول کرو۔ یوں فضاء یوں کر کے اہل وفد نے پھر اپنا حقیقی تاثر بیان کیا کہ ہم نے محمدؐ کو تقویٰ، وفاء، رحم اور صدق میں بہت اونچا پایا ہے اور ہمارا سفر بہت ہی بابرکت رہا۔

بتوں کے انہدام کے لئے ابوسفیان بن حرب اور مغیرہ

بن شعبہ بھی وفد کے ساتھ ہی روانہ ہوئے ان حضرات نے جب کارروائی شروع کی تو عوتوں اور بچوں کا ہجوم یہ دیکھنے کے لئے اکٹھا ہوگیا کہ اب ان پر کیا گزرتی ہے۔ بعض عورتیں ڈر کے مارے رو رہی تھیں۔ ان کا خیال یہ تھا کہ زمین و آسمان کا نظام نہ ٹوٹ جائے۔ انہوں نے شعر گا گا کر بین بھی کئے۔ کہ "لوگوں پر روؤ کہ ان بزدلوں نے اپنے بت دشمنوں کے حوالے کر دیئے اور آڑے نہ آسکے"۔

وہی طائف جو ایک دن داعی حق پر پتھر پھینک رہا تھا۔ آج اسی کے اشارے سے ان کا جاہلی نظام خود ان کی آنکھوں کے سامنے مسمار کیا جا رہا تھا۔

دیکھئے کہ طائف عرب کے جاہلی نظام کا ایک خاصا گڑھ تھا اور حضورؐ نے محاصرہ کرنے کے بعد محض اس خیال سے چھوڑ دیا تھا کہ اسلام کے ملک گیر ماحول کے اندر بنو ثقیف اپنا

الگ جزیرہ بنا کے تو رہ نہیں سکتے۔ لہٰذا خونریزی کیوں ہو۔ مگر اگر نظام حق کے آگے سرنگوں ہوگیا تو طائف جو مکہ کے تابع رہا ہے۔ اس کی گردن تاب کے اکڑی رہ سکتی ہے۔ اگر کوئی جنگ پسند فاتح ہوتا تو ایک بار فوج کشی کرنے اور طائف کو محاصرہ میں لینے کے بعد کم از کم اپنے وقار کی خاطر معرکہ کی تکمیل کرتا۔ لیکن حضورؐ کو چونکہ قوت کا استعمال بجز ناگزیر صورتوں کے ناپسند تھا۔ اس لئے محاصرہ اٹھالیا۔ اور مہم نامکمل چھوڑ دی۔ مقصود یہی تھا کہ بعد میں جب ثقیف حالات کا ٹھنڈے دل سے مطالعہ کریں گے تو رغبت سے اطاعت کا راستہ قبول کرلیں گے۔ اور ایک تعمیری و اصلاحی انقلاب کے لئے یہی صورت زیادہ مفید ہوسکتی ہے۔ بعد میں یہی ہوا۔

(۹) وفد بنی حنفیہ ..... یہ لوگ علاقہ یمامہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ان تک اسلام ثمامہ بن اثال کی دعوت سے پہنچا۔ اور پھر یہ لوگ خود مدینہ آکر نبی اکرمؐ سے ملے اور اسلامی تحریک

کے سائے میں داخل ہوئے۔

اسی وفد کے ساتھ مسیلمہ کذاب بھی آیا تھا۔ اس نے ادھر ادھر کی باتیں کیں کہ اگر محمد یہ بات طے کریں کہ اپنا جانشین مجھے بنائیں گے تو میں بیعت کروں گا۔ دراصل نبوت محمدیؐ کی عظیم الشان کامیابیوں کو دیکھ کر اس شخص کے منہ میں پانی بھر آنے لگا تھا اور اس نے نہ جانے کب سے یہ سوچنا شروع کر دیا ہوگا کہ کچھ ادبی عبارات اگر بطور الہام پیش کیا جائے اور مقابلے پر ایک علم نبوت بلند کر دیا جائے تو کچھ کھیل بنایا جا سکتا ہے۔ مگر وہ نہیں سمجھ رہا تھا کہ کردار کی وہ قوت کہاں سے آئے گی جو بیس برس سے مخالفتوں کی زہرہ گداز وادیاں طے کر رہی تھی۔ انہی خیالات کی وجہ سے ان کا ذہن سوداگرانہ بن گیا تھا۔ اس کا منشاء یہ تھا کہ یا تو مجھ سے سودا کر لو۔ ورنہ پھر میں پورا ڈھونگ رچاؤں گا۔

حضورؐ نے اس کا ذہن پڑھ لیا۔ اور کھجور کی جو چھڑی اس وقت ہاتھ میں تھی، اسے آگے کر کے فرمایا کہ میں تو اس چھڑی کے دینے کی شرط پر بھی بیعت نہیں لینا چاہتا۔ یعنی اسلام کوئی بنئے کی دکان نہیں ہے کہ جس کی جنس تجارت کو بیچ کر کسی کو ذاتی نفع کمانا ہو۔ اور سودے کر کر کے بیعت لے اور لوگوں کو جماعت میں شریک کرے جو حق کو حق مانتا ہو، وہ اس کی علمبرداری کو اپنا ذاتی فرض مان کے آئے۔ کسی پر احسان دھرنا کیا معنی!

وفد واپس چلا گیا۔ واپس جا کر مسیلمہ نے واقعی علم نبوت بلند کر دیا۔ اس کی شریعت میں نماز معاف تھی اور شراب اور زنا حلال۔

(۱۰) وفد بنی طے..... قبیلہ طے کے لوگ زید الخیل کی سرکردگی میں حاضر ہوئے۔ نبی اکرمؐ نے ان لوگوں کے سامنے

اسلام کا کلمہ حق پیش کیا اور الہامی نظام حیات کی دعوت دی۔ سردار سمیت وفد نے دن و جان سے اسے قبول کیا۔ زید الخیل (جن کا نام حضورؐ نے زید الخیر کر دیا) شاعر و خطیب بھی تھے اور بہادر بھی۔ حضورؐ نے ان کی تعریف میں فرمایا کہ عرب کے جس بھی شخص کی تعریف میرے سامنے کی گئی۔ وہ دیکھنے پر اس سے کم ہی نکلا۔ مگر یہ شخص مستثنیٰ ہے کہ جو کچھ سنا تھا اس سے اسے بڑھ کر پایا۔

عدی بن حاتم بھی اسی قبیلے کے سرداروں میں سے تھے۔ مذہبا عیسائی تھے۔ اور حضورؐ کے خلاف ان کے دل میں ایک طوفان عناد بھرا تھا۔ مقابلہ کی تیاری میں تھے۔ لیکن اچانک اسلامی فوجیں یمن کے علاقے میں جا پہنچیں تو بھاگ کے شام چلے گئے۔ ان کی بہن گرفتار ہو کر مدینہ پہنچیں تو رسول اللہؐ کے حسن سلوک اور مجموعی کردار سے بے حد متاثر ہوئیں۔ انہوں نے عدی کو باصرار مدینہ بھجوایا اور تاکید کی کہ جلد از جلد رسول اللہؐ

یہ جا ملو بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ بھی وفد طے کے ساتھ ہی مدینہ پہنچے تھے۔ ان کے سامنے اب سوال یہ تھا کہ یہ شخص ایک بادشاہ ہے یا نبی؟ پہنچے تو مسجد میں ہی حضورؐ سے ملاقات ہوئی۔ آپ اٹھے اور عدی کو اپنے گھر کی طرف لے چلے۔ راستے میں ایک بڑھیا نے رسولؐ خدا سے بات کرنی چاہی تو آپؐ نے کافی وقت اسے دیا اور پوری توجہ صرف کی۔ پھر گھر پہنچے تو خود زمین پر بیٹھے اور عدی کو باصرار گدے پر بٹھایا۔ ان دو باتوں سے عدی کو یقین ہو گیا کہ یہ اللہ کے رسولؐ ہیں اور محض دنیوی بادشاہ نہیں ہیں۔ پھر حضورؐ کی باتوں نے مزید وثوق دلایا۔

دوران گفتگو میں حضورؐ نے بھانپ لیا کہ عدی کے ذہن میں اب کیا الجھنیں باقی ہیں۔ اور پھر ان کو بڑی خوبی سے صاف کیا۔ عدی ان لوگوں میں سے تھے جو حق کو جلد پہچان لینے کے بعد یہ اطمینان بھی چاہتے ہیں کہ اس کی کامیابی کے عملی امکانات کافی حد تک موجود ہیں اور جلد کوئی نتیجہ برآمد ہو سکتا ہے۔ یہ

اندازہ کر کے حضورؐ نے فرمایا۔ شاید تمہیں اسلام میں داخل ہونے سے روکنے والی چیز اس کے ماننے والوں تک تنگ حالی ہے۔ سو خدا کی قسم! عنقریب وہ وقت آنے والا ہے کہ ان لوگوں کے اندر دولت کے نورائے چھوٹیں گے۔ یہاں تک کہ اسے لینے والے نہیں ملیں گے۔ اگر تم کو یہ چیز اسلام میں آنے سے روکتی ہے کہ مسلمانوں کی تعداد کم ہے اور ان کے مخالفین بہت ہیں۔ تو میں تمہیں بتاتا ہوں کہ خدا کی قسم! وہ وقت آنے والا ہے کہ تم سن لوگے کہ ایک عورت تنہا اپنے اونٹ پر سوار ہوکر قادسیہ سے اس مسجد کی زیارت کے لئے چلی اور بخیریت پہنچی۔ یا شاید تمہارے لئے یہ خیال مانع ہے کہ سلطنت اور اقتدار دوسروں کے پاس ہے۔ سو خدا کی قسم! ایسا عنقریب ہوگا کہ تم خود سن لوگے کہ سرزمین بابل کے قصور اسپید مسلمانوں نے فتح کر لئے۔ اس پہلو سے جب عدی کے شبہات کا ازالہ ہوگیا تو انہوں نے فوراً اپنے آپ کو تحریک اسلامی کے حوالے کر دیا۔ اس

گفتگو سے ذیل کے اہم نتائج نکلتے ہیں۔

..... اسلام صرف اخلاقی اصلاح ہی کی دعوت نہیں دیتا۔ بلکہ اس کے پروگرام میں معاشی فلاح بھی شامل ہے اور سیاسی انقلاب بھی۔ وہ آخرت کی بلائی کو دنیوی معاملات کی درستی سے الگ کر کے نہیں لیتا۔

..... حضور تحریک اسلامی کے بعید ترین مستقبل کا پیشگی تصور رکھتے تھے اور شروع سے آپؐ کے سامنے یہ بات تھی کہ کن مرحلوں سے ہو کر کدھر کو جانا ہے۔

..... تحریک اسلامی کی ایک ضرورت یہ ہے کہ وہ لوگوں پر اپنی عملی کامیابی کے امکانات واضح کرے اور ان کو مطمئن کرے کہ پیش نظر انقلاب واقع ہو سکتا ہے۔ ورنہ عوام کا ایک بڑا عنصر اس کی دعوت کی صداقت کو جاننے کے باوجود بھی باہر رکا کھڑا رہے گا۔

..... اسلامی تحریک اگر تکمیلی مدارج تک پہنچ جائے تو اس سے لازماً یہ نتیجے نکلنے چاہئیں کہ..... (۱) معاشی ذرائع و وسائل اتنی ترقی کر جائیں اور ان کو ایسے صحیح عادلانہ طریق سے تقسیم کیا جائے کہ معاشرے میں کوئی محتاج نہ رہے (۲) سیاسی لحاظ سے اتنی مضبوط حکومت پیدا ہو کہ مخالفین اسے تر نوالہ نہ بنا سکیں بلکہ الٹا وہ ہر مخالف طاقت کا زور توڑ سکے۔ (۳) داخلی امن کا معیار یہ ہونا چاہئے کہ اگر ایک عورت بھی ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک تنہا سفر کرے اور انسانی آبادیوں اور ویرانوں سے گذرے تو اس کی جان، عزت اور مال کو کسی طرف سے کوئی خطرہ نہ ہو۔ یہی ایک اسلامی نظام سلطنت کی خوبیاں ہیں۔

(۱۱) وفد بنی الحرث (یا بنی الحارث) بن کعب..... یہ علاقہ نجران کے لگ تھے۔ ان اطراف میں حضرت خالد بن ولید نے (۱۰ھ) میں بطور خاص جا کر اسلام کی دعوت دی تھی۔

Source: www.prophetmuhammadforall.org

انہوں نے ان کے سامنے اعلان کیا کہ اسلام لاؤ تو امن پاؤ گے۔ انہوں نے دعوت قبول کرلی۔ حضرت خالد ان کے معتقدات اور احکام کی تعلیم وتربیت دینے کے لئے کچھ عرصہ ٹھہرے اور حضورؐ کو بذریعہ خط (اس خط کا جو متن ابن ہشام نے دیا ہے۔ اس میں حضرت خالد اپنے ٹھہرنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے حضورؐ کے فرمان کا حوالہ دیتے ہیں۔ اور اسی ضمن میں یہ فقرہ آتا ہے۔ کہ ''میں ان کو اسلام کی باتیں سکھاؤں اللہ کی کتابوں اور اس کے رسول کی سنت کی تعلیم دوں.....'' اور پھر وہ بیان کرتے ہیں کہ حضورؐ کے ارشاد کے مطابق میں یہ کام کررہا ہوں۔ اس طرح دوبارہ لکھا ہے کہ ''میں ان کو اسلام کی باتیں سکھا رہا ہوں اور اس کے نبیؐ کی سنت کی تعلیم دے رہا ہوں۔'' مطالعہ کرتے ہوئے خیال آیا کہ دور صحابہ کا اس قسم کا جتنا ریکارڈ ملتا ہے وہ سنت رسول کو اسلام کے ایک اساسی ادارے کی حیثیت سے واجب القبول بناتا ہے۔ بعض دوسرے مقامات پر

بھی اس قسم کے اہم حوالے بکثرت بکھرے ہوئے ہیں۔ ان کو جمع کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر کبھی یہ کام ہوسکا تو یہ مواد اپنی کتاب ''رسول'' اور سنت رسول میں شامل کردوں گا)۔ کامیابی کی اطلاع دی۔ مدینہ سے اس خط کے جواب میں حکم گیا کہ واپس آجاؤ اور قبیلے کے چند سرکردہ افراد کو ساتھ لے آؤ۔ اس حکم کی تعمیل کی گئی۔

یہ قبیلہ اپنے دور جاہلیت میں بھی کچھ اچھی اقدار رکھتا تھا۔ چنانچہ وفد آیا تو حضورؐ نے بات چیت کے دوران میں پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ تم لوگ اپنے دشمنوں کے خلاف میدان جنگ میں ہمیشہ کامیاب ہوتے رہے ہو اور تمہیں کبھی شکست نہیں ہوئی۔ انہوں نے بتایا کہ ''ہم لوگ کسی کے خلاف خود جارحانہ اقدام نہیں کرتے۔ لڑنے کے لئے مجتمع ہوجائیں تو پھر تفرقہ میں نہیں پڑتے بلکہ اتحاد رکھتے ہیں اور اپنی طرف سے کبھی کسی ظلم کی ابتدا نہیں کرتے''۔ حضورؐ نے ان کی اس حکمت عملی کی تصدیق

کی۔

وفد کے ایک ممتاز فرد قیس بن حصین کو ان لوگوں پر امیر مقرر کیا گیا۔

(۱۲) وفد نجران ..... محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے قلم کو بھی بڑے پیمانے پر ذریعہ دعوت بنایا اور خاص خاص لوگوں کو مکاتیب روانہ فرمائے۔ چنانچہ نجران کے عیسائیوں کو بھی خط کے ذریعے کلمہ حق پہنچایا۔ نامہ مبارک میں ایجاز ممتنع سے کام لے کر پہنچانے کی بات حضورؐ نے ان لفظوں میں پہنچائی کہ "ابراہیم، اسحٰق اور یعقوب کے الٰہ (معبود) کے نام سے آغاز کرتا ہوں۔ پھر اس کے بعد میں تم کو بندوں کی عبادت سے خدا کی عبادت کی طرف بلاتا ہوں اور تمہیں بندوں کی آقائی سے خدا کی آقائی کی طرف پکارتا ہوں۔ اگر تم اس سے انکار کرو تو تم پر جزیہ (یعنی سیاسی اطاعت) لازم ہے اور اگر اس سے بھی انکار

کرو تو اعلان جنگ ہے''۔ اسقف نے خط پڑھا تو اس کے بدن میں کپکپی سی طاری ہوگئی۔ اس نے پہلے خاص خاص اکابر کو بلا کر رائے لی۔ پھر پوری وادی کے عوام کا اجتماع طلب کیا۔ وادی میں تہتر بستیاں تھیں اور آبادی اتنی تھی کہ ایک لاکھ سپاہ نکل سکتی تھی۔ بہت بھاری اجتماع منعقد ہوا۔ یہ امکان اکابر کے پیش نظر تھا کہ شاید یہ وہی آخری نبی موعود ہیں جو بنو اسمٰعیل سے اٹھنے والے ہیں۔ مشورہ عام کے بعد قرارداد یہ ہوئی کہ اکابر کا ایک وفد مدینہ جائے اور صاحب مکتوب سے بات چیت کرے اور جائزہ لے۔ چنانچہ شرجیل، عبداللہ اور حبار کو خصوصیت سے نامزد کیا گیا۔ یہ پہلا وفد تھا جو سیاسی اطاعت اور ٹیکس ادا کرنے کے وعدے پر ایک فرمان امن وحقوق حاصل کر کے واپس ہوا۔

وفد فرمان حاصل کر کے واپس ہوا تو اسقف اور اعلیٰ سردار اس کے استقبال کے لئے بہت دور تک آئے۔ فرمان راستے ہی میں اسقف کو پیش کر دیا اور وہ اسے چلتے چلتے پڑھنے

لگا۔اس کا چچیر ابھائی بشر بن معاویہ بھی فرمان کی طرف اس درجہ متوجہ ہوا کہ اونٹنی سے گر پڑا۔اس کی زبان سے نکلا۔ بڑا ہو اس شخص کا جس کی وجہ سے ہم مصیبت میں پڑ گئے ہیں۔'' ظاہر ہے کہ اس کا اشارہ کدھر تھا۔ اسقف نے سختی سے کہا۔'' یہ کیا کہہ رہے ہو۔ خدا کی قسم، وہ نبی مرسل ہیں۔'' اب بشر کے دل میں انقلاب آ گیا اور اس نے یہ عزم ظاہر کیا کہ'' اچھا تو اب خدا کی قسم! میں ناقہ کا پالان اس کی بارگاہ میں جا کر ہی اتاروں گا''۔ اسقف اس کے پیچھے پیچھے اونٹنی دوڑاتا ہوا پکارتا رہا کہ میری بات تو سنو، میرا مدعا تو سمجھو، میں نے کس مصلحت سے وہ فقرہ کہہ دیا تھا۔ بشر نے ایک نہ سنی اور کہا تو یہ کہا کہ'' تمہارے ذہن سے اتنی بڑی غلط بات نکل ہی نہیں سکتی۔'' اپنی دھن کا پکا بشر محسن انسانیت کی خدمت میں جا کر اسلام لایا۔ وہیں مقیم ہو گیا اور خدائے تعالیٰ نے اس کو مرتبہ شہادت نصیب کیا۔ اس سے ملتا جلتا واقعہ کرمبن علقمہ کے نام سے بھی مذکور ہے۔

وفد مقامی سرداروں سمیت واپس پہنچا تو وہاں کے ایک تارک الدنیا راہب کے کانوں سارے حالات و واقعات کی بھنک پڑی۔ اور اسے معلوم ہوا کہ ایک نبی ایسا اٹھا ہے۔ یہ بھی والہانہ جذبہ سے سرشار ہو کر مدینہ کو روانہ ہو گیا۔ ایک پیالہ ایک عصاء ایک چادر حضورؐ کی خدمت میں بطور تحفہ پیش کر کے اپنی محبت و عقیدت کا اظہار کیا۔ پھر مدینہ میں کچھ عرصہ ٹھہر کر اسلام کے نظام فکر و عمل کی تعلیم حاصل کی اور حضورؐ سے اجازت لے کر واپسی کا وعدہ کر کے نجران گیا۔ لیکن حضورؐ کی زندگی میں واپس نہ پہنچ سکا۔

کچھ مدت بعد نجران کا اسقف ابو الحارث جو شاہ قسطنطنیہ کی نگاہ میں بھی بہت محترم تھا اور عیسائیوں میں اس کی کرامات کے چرچے رہتے تھے۔ وہ پھر ایک وفد لے کر مدینہ پہنچ جس میں علاقہ کا عیسائی مفتی و جج اہم نیز عبدالمسیح عاقب اور چوبیس دوسرے اکابر شامل تھے۔ واضح رہے کہ یہ اسقف

Source: www.prophetmuhammadforall.org

درحقیقت بنوبکر وائل کا ایک عربی فرد تھا۔ مگر نصرانیت میں داخل ہوکر اس نے علم اور عبادت کے لحاظ سے اتنی ترقی کی کہ یہ خود عیسائیوں کا معتمد ترین پیشوا بن گیا۔

یہ لوگ چند روز مدینے میں مقیم رہے۔ ان کو مسجد نبوی میں اپنے مذہب کے مطابق ادائے نماز سے بعض صحابہ نے روکا لیکن حضورؐ نے اجازت دی۔

ان کی آمد پر مقامی یہودیوں نے بھی بڑی سرگرمی دکھائی اور بیچ میں دخل اندازی ہوہوکر مختلف بحثیں اٹھائیں۔ عقیدہ تثلیث اور مسیح علیہ السلام کی حیثیت تو زیر بحث آئی ہی تھی۔ اور قرآن نے ان مسائل میں وفد کی روشنی بہم پہنچائی۔ اسی کے ساتھ ساتھ یہود نے یہ شوشہ اٹھادیا کہ حضورؐ خود عیسیٰؑ کی جگہ لے کر اپنی پرستش کرانا چاہتے ہیں۔ اس کا جواب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضورؐ نے دیا کہ کوئی شخص جسے اللہ نے کتاب، حکم

اور نبوت سے سرفراز کیا ہو، لوگوں سے یہ کہنے کا مجاز نہیں ہے کہ میرے بندے بن جاؤ پھر یہود اور اہل وفد کے درمیان یہ بحث بھی چلی کہ ابراہیم علیہ السلام کس مذہب پر تھے۔ ایک فریق کہتا کہ عیسائی تھے۔ دوسرے فریق کا دعویٰ تھا، یہودی تھے۔ (نعوذ باللہ) کلام الٰہی نے اس کی تردید بڑے سادہ اور غیر مناظرانہ طریق سے کردی کہ ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں تم حق کیوں الجھتے ہو۔ تورات اور انجیل دونوں ہی ان کے بعد نازل ہوئیں (جن سے یہودیت اور نصرانیت کا سلسلہ چلا) وہ تو نہ یہودی تھے نہ نصرانی بلکہ پورے خلوص کے ساتھ مسلم تھے اور وہ مشرکوں میں کبھی شامل نہ تھے ..... ابراہیم کے طریقہ پر صحیح معنوں میں کاربند ہیں تو یہ نبی اور ان پر ایمان لانے والے لوگ ہیں۔ "خود عیسیٰ علیہ السلام کے مقام کو واضح کیا کہ "عیسیٰ علیہ السلام کی مثال خدا کے نزدیک آدمؑ کی طرح ہے"۔

عیسائیوں میں خود بھی کسی قدر اپنے تصورات کے لئے

تعصب موجود ہوگا، اور بسا اوقات بڑی نیک نیتی سے بھی پرانے غلط نظریات سے دل چمٹتا ہے۔ لیکن یہود کی شر انگیزیوں نے اس کیفیت کو بڑھا دیا ہوگا۔ فضول بحثیں اور ان کی وجہ سے پیدا ہونے والی ہٹ دھری قبول حق میں آڑے آ رہی ہوگی۔ اسی لئے قرآن نے ایک انتہائی فیصلہ کن صورت ان کے سامنے مباہلہ کی رکھی۔ حضورؐ کو حکم ہوا کہ ان لوگوں سے یہ کہہ دو کہ ''آؤ ہم اپنی اولادوں اور اپنی مستورات کو بلالیں اور خود بھی میدان میں آجائیں۔ پھر خدا سے اپنے بارے میں فیصلہ چاہیں اور جھوٹے کے خلاف خدا کی لعنت کی دعا کریں''۔ جب کبھی کسی پیکر راستی پر جھوٹ کا الزام چپکایا جائے تو اس کے لئے اس سے بڑھ کر اذیت ناک صورت کوئی اور نہیں ہوسکتی۔ ایسا ہی وہ لمحہ تھا جبکہ حق تعالیٰ نے یہ صورت فیصلہ تجویز کی کہ فریقین علی رؤس الاشہاد خدا کا فیصلہ طلب کریں۔ اگلی صبح کو حضورؐ اپنی پیاری بچی فاطمہؑ اور معصوم نواسوںؑ اور حضرت علیؑ کو ساتھ لے کے نکلے۔

مدینہ کے لئے یہ کتنا بڑا واقعہ ہوگا کہ ایک داعی حق اپنی کل کائنات مباہلہ کے بساط پر لے آیا۔ کتنے بڑے یقین کا مظاہرہ تھا۔عیسائی ارکان وفد پسیج گئے کہ اگر واقعی یہ خدا کے نبی ہوئے تو ہمارا نام ونشان تک مٹ جائے گا۔ انہوں نے سیاسی طاعت کی پیشکش کی اور حضورؐ کے اختیار پر چھوڑا کہ ٹیکس (جزیہ) کی جو مقدار آپ مناسب سمجھیں، رات رات میں تجویز فرمادیں۔ انہوں نے حضورؐ کی شان حلیمی پر پورا بھروسہ کیا۔ اگلے روز فرمان لکھ دیا گیا۔ جس میں ان کو پوری فراخ دلی سے مذہبی آزادی اور سماجی خودمختاری دی گئی کہ ان کے افراد اور املاک جن حالات پر ہیں اسی پر قائم رہیں گے۔ ان کے موجودہ حقوق میں کوئی تبدیلی نہ کی جائے گی۔ ان کے مذہبی پیشواؤں (اسقف اور راہب) میں سے کسی کو نہ بدلا جائے گا اور نہ ان کے قبضے سے مذہبی اموال واوقاف کو نکالا جائے گا۔ جاہلیت کے گذشتہ دور کے جرائم پر کوئی گرفت نہ ہوگی۔ فوج ان کی زمین میں داخل نہ

ہوگی۔ دنیوی بادشاہتوں کے طریق پر ان سے کوئی بیگار نہیں لی جائے گی۔ ظالم و مظلوم کے درمیان انصاف ہوگا۔ کوئی شخص سو دکھائے تو اس فعل کی ذمہ داری نہیں لی جاسکتی۔ کوئی شخص کسی دوسرے کے جرم میں ماخوذ نہ ہوگا۔ اتنی بڑی آبادی سے صرف دو ہزار وقیہ مالیت کے حلے (لباس) بطور سالانہ ٹیکس مقرر کئے گئے۔

ان دونوں وفود کے حالات کچھ گڈمڈ ہو گئے ہیں۔ بظاہر زیادہ گرما گرمی دوسرے ہی وفد کی آمد پر ہوئی ہوگی لیکن مذکورہ بالا فرمان غالباً پہلے ہی وفد نے حاصل کیا ہوگا۔ کیونکہ دوسرا فرمان سیاسی سے زیادہ مذہبی حقوق سے متعلق ہے۔ اور اس میں خطاب اسقف اور کاہنوں اور راہبوں سے ہے۔ اس فرمان میں اہل نجران کو زیادہ سے زیادہ حد تک مذہبی آزادی دی گئی اور ان کے کلیسائی نظام میں عدم مداخلت کی ضمانت دی گئی۔ یہ فرمان بھی منجملہ ان شہادتوں کے ہے جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضورؐ

سیاسی دائرے میں صرف نظام حکومت کی اطاعت کا تقاضا رکھتے تھے۔ اور نہ کسی گروہ کو اس کے مذہب سے باز رکھتے تھے اور نہ اسلامی عقائد جبراً منواتے تھے۔ بلکہ اقلیتوں کو زیادہ سے زیادہ حد تک مذہبی آزادی عطا فرماتے تھے۔ تحریک اسلامی افراد میں ایمان ونظریات کی تبدیلی تو صرف دلیل کے زور سے چاہتی تھی۔ البتہ اپنا نظام اجتماعی وہ سیاسی قوت سے نافذ کرتی تھی۔ چنانچہ دیکھئے کہ فرمان اول میں سود خواری کو ذمہ سے باہر رکھا گیا اور اس کی حیثیت قانون ملکی کے خلاف جرم کی رہی۔ مذہب اس کا اصل موضوع بحث ہی نہ تھا۔ کیونکہ وہ مذہب سے زیادہ بڑی چیز تھی۔ اس فرمان سے جو خود حضورؐ نے صادر کیا۔ اور جس کی حیثیت آئندہ کے لئے رسول خدا کی قائم کردہ ایسی نظیر کی ہے جو امت کے لئے واجب الاتباع کا مقام رکھتی ہے۔ یہ بات بھی واضح ہوجاتا ہے کہ اسلام دوسرے مذاہب پر چلنے والی اقلیتوں کے لئے کتنا زیادہ فیاض ہے۔ مشکل ہی سے کوئی دوسرا نظام

تمدن اقلیتوں کے لئے اتنی فیاضی کی مثال پیش کر سکے گا۔

دوسرے وفد نے روانگی کے وقت حضورؐ سے درخواست کی کہ اپنا کوئی قابل اعتماد افسر جزیہ کی وصولی کے لئے ہمارے ساتھ روانہ فرمائے۔ حضورؐ نے ابوعبیدہ بن جراح کو بھیجا اور فرمایا کہ یہ شخص امین امت ہے۔ ابوعبیدہ نے جزیہ کی فراہمی کے ساتھ ساتھ علاقہ میں دعوت حق کو پھیلانے کا کام بھی سرگرمی سے کیا اور لوگ بکثرت اسلامی حلقہ میں شریک ہوگئے۔ واضح رہے کہ نجران کی آبادی کے دو بڑے گروہ تھے۔ ایک نصاریٰ۔ دوسرے امین۔ نصاریٰ نے سیاسی اطاعت پر معاملہ کرلیا۔ لیکن امی لوگ اسلام کے سایہ رحمت میں آگئے۔

قیاس یہ ہے کہ پہلا وفد ۹ھ کے اواخر میں اور دوسرا ۱۰ھ کے اوائل میں آیا ہوگا۔ کیونکہ تاریخی مآخذ میں دونوں ہی سال مذکور ہیں۔

(۱۲) وفد بنو اسد..... بنو اسد نامی قبیلہ جنگی مہمات میں قریش کا بڑا اہم دست و بازو تھا۔ ۹ھ میں اس قبیلہ کی سفارت مدینہ پہنچی اور انہوں نے اپنا اسلام پیش کیا۔ عربوں کے انداز غرور کی بو اس میں موجود تھی۔ اس لئے احسان دھرنے کے انداز میں ارکان وفد نے حضورؐ سے کہا کہ آپؐ نے کوئی مہم تو ہماری طرف بھیجی نہ تھی۔ ہم تو از خود سلام لائے ہیں۔ اس ذہنیت کو توڑنے کے لئے وحی الٰہی نے حضورؐ سے کہلوایا کہ لاتمنوا علی اسلامکم یعنی اپنے اسلام لانے کا احسان میری ذات پر نہ دھرو۔ یہ تو اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایمان نصیب کیا۔ پھر اس وفد نے پرندوں سے فال لینے کہانت (امور آئندہ کی پیشگوئیاں کرنا) اور ضرب الحصیٰ (یعنی قیمت یا نرخ مقرر کرنے کے بعد گا بک جنس یا زمین کو دور سے کنکری مارتا اور جس مال کو کنکری لگتی وہ اس کا ہو جاتا) کے بارے میں حکم دریافت کیا۔ حضورؐ نے تینوں امور کی مخالفت فرمائی۔ آخر میں انہوں

نے خط یا تحریر کے بارے میں سوال کیا کہ یہ جائز ہے یا نا جائز۔ حضورؐ نے فرمایا کہ یہ تو کسی نہ کسی نبی ع کا آغاز کردہ فن ہے اور اس سے اچھا علم اور کیا ہوگا۔

اس قبیلہ سے بھی نبوت کا ایک مدعی کاذب طلحہ بن خویلد خلافت صدیقی کے دور میں اٹھا تھا۔

(۱۴) وفد بنوفزارہ ..... یہ ایک مضبوط اور سرکش قبیلہ تھا عیینہ بن حصن اسی کے ایک فرد تھے۔ ۹ھ میں حضور جب تبوک سے واپس آرہے تھے تو ان کے وفد نے آکر اسلام کی بیعت کی۔ رسولؐ خدا نے ان لوگوں سے علاقہ کے عام حالات پوچھے تو انہوں نے قحط سالی کا رونا رویا اور درد بھرے انداز میں کہا کہ "یارسولؐ اللہ ہماری بستیاں تباہ ہوگئیں، مویشی ہلاک ہوگئے۔ باغ اجڑ گئے۔ بال بچے سوکھ کر کانٹا ہوگئے۔ خدا سے آپؐ ہمارے لئے سفارش کیجئے۔ اور خدا آپؐ سے ہماری

سفارش کرے"۔

حضورؐ نے ٹوکا کہ خدا کے پاس تو میں سفارش کرتا ہوں۔ مگر وہ کون ہوسکتا ہے کہ جس کے آگے خدائے ذوالجلال سفارش کرے۔ اس کے سواء کوئی معبود نہیں اور اس کی عظمت جلال سارے آسمان وزمین کو احاطہ میں لئے ہوئے ہے۔ پھر آپؐ نے ان کے لئے باران رحمت کی دعاء کی، جو قبول ہوئی۔

(۱۴) وفد بنو عامر ..... یہ خاندان عرب کے مشہور قبیلہ قیس عیلان کی شاخ تھا۔ اس میں تین بڑے سردار تھے۔ عامر بن طفیل، اربن بن قیس اور جبار بن سلمٰی۔ اچھا خاصا بڑا وفد ان سرداروں کی معیت میں آیا۔ اول الذکر دونوں سردار جاہ طلب تھے۔ خصوصاً عامر پہلے ہی شر پسندی دکھا چکا تھا۔ اس وقت بھی یہ دونوں باہم ایک خوفناک سازش قبل بنا کر آئے تھے۔ وفد حضورؐ کی خدمت میں پہنچا تو حضورؐ کو "سیدنا" کہہ کر مخاطب کیا۔

Source: www.prophetmuhammadforall.org

حضورؐ نے اس انداز تکلم کی تردید کرتے ہوئے فرمایا "السید اللہ (آقا تو خدا ہی ہے) انہوں نے پھر کچھ تعریفی کلمات کہے۔ حضورؐ نے پھر متنبہ کیا کہ دیکھو بات کرتے ہوئے خیال رکھنا چاہئے کہ شیطان کہیں بہکا نہ لے جائے۔ کتنا اہتمام تھا وہاں کہ تملق وستائش کے دروا مے نہ کھلنے پائیں۔ عامر بن طفیل نے حضورؐ کے کام کو مجرد ایک سیاسی ملک گیری اور سلطنت سازی کا کام سمجھتے ہوئے باقاعدہ سودا کرنے کے لئے شرائط رکھیں کہ (۱) اہل بادیہ پر آپ حکومت کریں اور شہر میرے زیر اقتدار ہوں۔ (۲) یا اپنے بعد مجھے جانشین نامزد کیجئے۔ (۳) ورنہ میں غطفان کو لے کر چڑھائی کروں گا۔ عامر نے اربد کو اس پر تیار کر رکھا تھا کہ میں تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو باتوں میں لگا رکھوں گا۔ اور تم موقع پاکر کام تمام کر دینا مگر رعب نبوت کے سبب سے اربد بالکل ساکت وصامت رہا۔ دونوں ناکام واپس ہوئے۔ حضورؐ کی نگاہ نے ان دونوں کے دلوں کو پڑھ لیا تھا۔ سو

آپؐ نے دعا کی کہ اے خدا ان کے شر سے بچائیو۔ زیادہ وقت نہ گزرا تھا کہ عامر طاعون کے حملہ کا شکار ہو گیا اور اربد بن قیس پر بجلی گری اور اسے خاکستر کر گئی۔

(۱۵) وفد عذرہ..... صفر ۹ھ میں اس قبیلہ کے بارہ افراد حاضر ہوئے۔ حمزہ بن نعمان بھی ان میں شامل تھے۔ انہوں نے اپنا تعارف کرایا کہ ہم لوگ عذرہ کی اولاد میں سے ہیں جو ماں کے واسطے سے قصی کے بھائی تھے۔ رسولؐ خدا نے بڑی مسرت سے اھلا وسھلا کہہ کر خیر مقدم کیا۔ ان سب نے اپنے سینے اسلام کے لئے کھول دیئے۔ ان کو حضورؐ نے مژدہ سنایا کہ شام ختم ہو جائے گا اور ہرقل ملک چھوڑ کر چلا جائے گا۔ ان لوگوں کو حضورؐ نے کاہنوں سے اخبار غیب دریافت کرنے سے منع کیا اور بجز ابراہیمی قربانی کے دوسری تمام رسمی اور اوہامی قربانیوں سے روک دیا۔ روانگی کے وقت اس وفد کو معمول کے مطابق زادراہ دیا گیا۔

(۱۶) وفد بلی ..... اس قبیلہ کا علاقہ بڑی سیاسی اہمیت رکھتا تھا۔ یہ لوگ ۹ھ (ربیع الاول) میں مدینہ حاضر ہوئے۔ یہ اپنے رد قبیلہ رویفع بن ثابت بلوی کے ہاں ٹھہرے اور انہی نے حضورؐ کے سامنے تعارف کرایا۔ محسن انسانیت نے ان کو مرحبا کہا اور یہ سب داخل اسلام ہوئے تین دن تک یہ وفد مقیم رہا۔ پھر روانگی کے وقت حضورؐ نے ان کو زاد راہ اور کھجوریں عنایت فرمائیں۔

(۱۷) وفد کندہ ..... علاقہ یمن کا ایک ممتاز قبیلہ تھا۔ حضرت اشعث ابن قیس ۸۰ (یا ساٹھ) سواروں کا وفد لے کے حاضر ہوئے۔ یہ لوگ اعلیٰ درجہ کے ریشمی جبے پہن کر بزم نبوت میں پہنچے۔ باتیں ہوئیں۔ حضورؐ نے دریافت کیا۔ کیا تم لوگ مسلمان ہو چکے ہو؟ انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔ حضورؐ نے بڑے تعجب سے پوچھا کہ پھر یہ ریشم یوں؟ سچے ایمان کی یہ ایمان کی یہ زریں مثال دیکھئے کہ ان لوگوں نے فوراً ریشم کو پارہ

Source: www.prophetmuhammadforall.org

پارہ کر کے اپنے لباسوں سے الگ کر دیا۔

(۱۸) وفد ازد ..... بنی ازد بھی علاقہ یمن میں رہتے تھے۔ ان کا وفد صرد بن عبداللہ ازدی کی قیادت میں آیا۔ ان لوگوں نے دعوت اسلام پر لبیک کہی۔ حضرت صرد قبیلہ کے امیر مقرر ہوئے۔

(۱۹) وفد جرش ..... یمن کے اکثر علاقے اور اضلا اسلامی سلطنت کا حصہ بن چکے تھے۔ لیکن بیچ بیچ میں سرکش عناصر بھی تھے۔ شہر جرش ایسے ہی قبائل کے قبضے میں تھا اور یہاں مضبوط حفاظتی قلعہ موجود تھا۔ سرکش طاقتوں کو ہموار کرنے کے لئے حضرت صرد ازدی کو جن کا اوپر ذکر ہو چکا ہے قبیلہ کی فوجی قیادت بھی سونپی اور ملحقہ علاقہ کے قبیلوں کو نظام اسلام کا مطیع بنانے کے لئے فوجی کارروائی کی اجازت بھی دی۔ انہوں نے جرش والوں کو لمبے محاصرے کے بعد شکست دی۔ اس

کارروائی کے بعد جرش والوں کا وفد مدینہ آیا۔

(۲۰) وفد ہمدان ..... یہ وفد ایک سو بیس آدمیوں پر مشتمل تھا اور اس میں مالک بن نمط، ابو ثور، مالک بن انفخ سلمانی، عمیر بن مالک خارقی (یا عمر بن مالک) اور ضمام بن مالک۔ جیسے نمایاں افراد شامل تھے۔ مالک بن نمط نے بارگاہ نبوت میں رجز یہ اشعار پڑھ کر وفد کی طرف سے خراج عقیدت پیش کیا۔ حضورؐ نے ان ہی کو قبیلہ کی مسلم جماعت کا امیر مقرر کیا۔ ہمدان کے علاقہ میں پہلے حضرت خالد کو دعوتی اور تعلیمی مشن پر مقرر کیا گیا۔ مگر چھ ماہ تک کامیابی نہ ہوئی۔ پھر حضرت علیؓ کو حضورؐ نے اپنا خصوصی خط دے کر بھیجا۔ جاتے ہی حضرت علیؓ نے نماز کے بعد خط مجمع عام میں سنایا اور اسے سنتے ہی کثرت سے لوگ اسلام میں داخل ہوئے۔ حضرت علیؓ نے بذریعہ خط حضورؐ کو روداد لکھ کر بھیجی۔ اسے پکڑ کر حضورؐ سجدے میں گر گئے۔ سر اٹھایا تو فرمایا..... ''السلام علی ہمدان''۔

(۲۱) قاصد فروۃ الجذامی ..... فردہ معان کے مقام پر سلطنت روم کی طرف سے علاقہ کے گورنر تھے اور اس علاقہ میں شام اور عرب دونوں طرف کے حصے شامل تھے۔ ان تک دعوت پہنچی تو اپنے عہدہ و جاہ کو خطرے میں ڈال کر داخل اسلام ہوئے۔ قاصد کے ذریعہ اپنے اسلام کی اطلاع بھی حضور کو دی اور ایک سفید خچر بطور ہدیہ روانہ فرمایا۔ جب رومی حکومت کو اطلاع ہوئی تو ان کو گرفتار کر کے مقام عفرا میں صلیب پر لٹکایا گیا۔ مگر اتنا مضبوط ایمان خدا نے اپنے اس بندے کو عنایت کیا کہ خوشی خوشی تخت حکومت سے اٹھ کر تختہ دار پر جا کھڑا ہوا۔

(۲۲) وفد تجیب ..... (اسی قبیلہ کا ایک بد بخت فرد کنانہ بن بسر حضرت عثمانؓ کا قاتل ہوا ملتے جلتے نام کا دوسرا قبیلہ تجوب ہے جس کا تعلق حمیر کے خاندان سے ہے اور حضرت علیؓ کا قاتل ابن ملجم اس دوسرے قبیلہ سے تھا۔ کتابوں میں ان ناموں کا التباس پایا جاتا ہے)۔

Source: www.prophetmuhammadforall.org

یہ یمن کے خاندان کندہ کا ایک ذیلی وفد تھا۔ یہ پہلے سے اسلام لا چکے تھے اور اپنے آپ کو اس کے تقاضوں کے سانچہ میں عملاً ڈھال رہے تھے۔ تیرہ افراد شریک وفد ہوکر آئے۔ اور اپنے ساتھ زکوٰۃ کے اموال اور مویشی بھی ازخود لائے۔ عرض کی کہ اللہ کا حق حاضر ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اموال واپس لے جاؤ اور مقامی مستحقین پر صرف کرو۔ انہوں نے بیان کیا کہ مقامی مستحقین کو دے دلا کر یہ اموال بچ رہے ہیں۔ اس موقع پر حضرت صدیق اکبرؓ کی زبان سے بے ساختہ نکلا۔ ''یا رسول اللہ! عرب کا کوئی وفد وفد تجیب کی شان کا نہیں آیا''۔ حضورؐ نے فرمایا ''ہدایت خدا کے اختیار میں ہے۔ وہ جس کے لئے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اس کا دل ایمان کے لئے کھول دیتا ہے''۔

ان لوگوں نے کچھ سوال کئے اور ان کے جواب بارگاہ رسالت سے لکھوا لئے۔ پھر اس شوق میں جلد جلد واپس ہو گئے

کہ اپنے قبیلے کے لوگوں کو یہاں کی معلومات اور اخبار و احوال جا کر بتائیں۔

ان کے ساتھ بنی لبدی کا ایک نوجوان بھی تھا۔ جسے وفد نے اپنے اسباب اور سواریوں پر نگراں بنا کے چھوڑا تھا۔ اسے حضورؐ نے بطور خاص بلایا۔ اس نے عرض کی کہ میری صرف ایک تمنا ہے کہ آپؐ میرے لئے مغفرت کی دعا فرمائیں۔ حضورؐ نے بطور خاص دعا فرمائی۔ یمن میں جب آگے چل کر ارتداد پھیلا تو اس نوجوان نے پورے قبیلے کو سنبھالے رکھا۔

اس وفد کو بھی زادراہ بطور ہدیہ عطا ہوا۔

(۲۳) وفد بنی سعد ہذیم (قضاعہ)..... اس قبیلہ کے چند آدمی وفد کی صورت میں مدینہ پہنچے۔ ان میں بعض افراد اخلاص و شعور سے مسلمان ہوئے تھے اور بعض سیاسی حالات کی وجہ سے تابع ہوئے تھے۔ بہر حال انہوں نے دست بنوت پر

بیعت کی حضورؐ کے حکم سے حضرت بلالؓ نے چاندی کی صورت میں زادراہ دیا۔ ان کی واپسی پر سارے قبیلہ نے دعوت اسلام قبول کی۔

(۲۴) وفد بہراء..... یہ بھی علاقہ یمن کا ایک قبیلہ تھا۔ تیرہ آدمیوں کا وفد مرکز اسلام میں بھیجا۔ یہ لوگ پہلے سے متاثر تھے۔ وہاں نبوت کے انوار دیکھ دیکھ کر یقین سے مالا مال ہوئے، اسلام قبول کیا اور کچھ دن قیام کر کے فرائض واحکام سیکھے اور پھر واپس چلے گئے۔ ان کو بھی معمول کے مطابق ماد راہ عنایت ہوا۔

(۲۵) وفد ذی مرہ..... اس قبیلہ سے بھی تیرہ افراد کا وفد اسلامی دارالحکومت میں پہنچا جس کے سردار حارث بن عوف تھے۔ انہوں نے حضورؐ سے اپنا تعارف کراتے ہوئے بیان کیا کہ ہم لوی بن غالب کی اولاد ہیں اور آپ سے نسبی تعلق رکھتے ہیں۔ حضورؐ نے ان کے علاقہ کا حال پوچھا تو انہوں نے قحط سالی

کا خوفناک نقشہ کھینچ کر دعا کی درخواست کی۔ واپس پہنچنے پر معلوم ہوا کہ عین دعائے رسولؐ ہی کے دن بارش ہوئی اور زمین سرسبز و شاداب ہوگئی۔ نظام اسلامی کا علم حاصل کرنے کے لئے یہ وفد بھی چند روز مقیم رہ کر رخصت ہوا اور زادراہ سے نوازا گیا۔

(۲۶) وفد خولان ..... دس آدمیوں کا یہ وفد ایمان سے مالا مال ہو کر بڑے مخلصانہ جذبات کے ساتھ بارگاہ نبوت میں پہنچا۔ یہ لوگ جاہلیت میں ''عم انس'' نامی بت کی پوجا کرتے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ اب صرف معمر نسل کے کچھ لوگ عم انس سے عقیدت رکھتے ہیں لیکن ہم واپس جا کر اس بت کا خاتمہ کر دیں گے۔ پھر انہوں نے پرانے قصے بیان کئے کہ عم انس کے نام پر کتنی بڑی بڑی قربانیاں دی جاتی تھیں۔ اور کیا کیا رسول ادا ہوتی تھیں۔ دوران قیام میں انہوں نے نئی اسلامی زندگی کے بارے میں ضروری علم حاصل کیا اور جاتے ہوئے ان کو بھی زادراہ عطا ہوا۔

(۲۷) وفد محارب..... یہ لوگ اسلام سے قبل نہایت تند خو اور بد اخلاق تھے۔ ابتدائی دور دعوت میں جب حضورؐ نے قبائل میں جا جا کر پیغام حق دیا تھا تو ان کے ہاں بھی پہنچے اور انہوں نے ناشائستہ رویہ اختیار کیا تھا۔ دس افراد کا وفد تائب ہو کر حاضر ہوا۔ ایک مجلس میں حضورؐ نے بغور ایک شخص کو دیکھ کر پہچانا تو اسے تنبہ ہوا۔ وہ خود ہی بولا کہ "حضورؐ شاید میرے بارے میں کچھ خیال فرما رہے ہیں۔ آپؐ مجھ سے ایک بار عکاظ میں ملے تھے اور میں نے آپؐ سے بڑی گھٹیا گفتگو کی تھی اور آپؐ کا پیغام بھونڈے طریقے سے رد کر دیا تھا۔ یا رسول اللہ ہمارے ساتھیوں میں سے کوئی ہم سے زیادہ آپؐ کا اور اسلام کا دشمن نہ تھا۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے ایمان و اطاعت کی توفیق دی پھر اس نے اپنی سابق غلطی کے لئے دعائے مغفرت کی درخواست کی۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اسلام دور کفر کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

(۲۸) وفد غسان ..... غسان اگرچہ نسلاً عربوں کا قبیلہ تھا۔ مگر مذہب نصرانیت اختیار کر کے قیصر کی طرف سے عربی علاقہ پر حکمران تھا۔ ۱۰ھ میں اس قبیلہ کے تین افراد مدینہ آ کر حضورؐ کے دست مبارک پر اسلام لائے۔ انہوں نے بتایا کہ ہمارے خاندان کے لوگ تو موجودہ جاہ وچشم کو چھوڑ کر مشکل ہی سے قبول حق کریں گے۔ حضورؐ نے انہیں زادراہ دے کر رخصت کیا۔ انہوں جا کر دعوت دی مگر بے نتیجہ رہی۔ تینوں نے حالات سے مجبور ہو کر اپنا اسلام پوشیدہ رکھا۔ ان میں سے ایک صاحب جنگ یرموک کے موقع پر حضرت ابوعبیدہؓ سے ملے اور اپنے اسلام پر قائم ہونے کی خبر دی۔ بقیہ دونوں کا پہلے ہی انتقال ہو گیا تھا۔

(۲۹) وفد سلامان ..... سات آدمیوں کا وفد مدینہ آیا جس میں حبیب ابن عمر بھی شامل تھے۔ ان کے دریافت کرنے پر حضورؐ نے بتایا کہ نماز کو ٹھیک وقت پر ادا کرنا سب سے بہتر عمل

Source: www.prophetmuhammadforall.org

ہے۔ انہوں نے بھی قحط سالی کا حال بیان کرکے دعا کی درخواست کی۔ رسولؐ اللہ نے دعا فرمائی اور بعد میں تصدیق ہوئی کہ اسی روز باران رحمت کا نزول ہوا۔

(۳۰) وفد بنی عبس ..... یہ بھی علاقہ یمن کا قبیلہ تھا۔ ان کا وفد بھی ۱۰ھ میں آیا۔ ان لوگوں نے دریافت کیا کہ ہم نے معلمین اسلام سے سنا ہے کہ جو ہجرت نہ کرے اس کا اسلام قبول نہیں ہوتا۔ ہم لوگوں کا حال یہ ہے کہ مال مویشی ہی ہمارا ذریعہ معیشت ہیں۔ اب اگر ہجرت کرنا ضروری ہو تو ہم ان کو بیچ کر آجائیں۔ جذبہ ایمان دیکھئے کہ ایک اشارے پر اپنے اموال اور اپنا علاقہ چھوڑنے پر تیار ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ جہاں رہو خدا سے ڈرتے رہو۔ درحقیقت صورت معاملہ یوں تھی کہ ابتدائی دور میں جب مرکز اسلام کو مضبوط کرنے کے لئے قوت کو یکجا کرنا اور ملک بھر میں کام کرنے کے لئے افراد کا تیار کرنا مطلوب تھا۔ تو ہجرت کرکے مرکز میں آنا فرض کیا گیا۔

یہ مرحلہ طے ہوگیا اور بعد میں قوت کا ملک بھر میں پھیلے رہنا اور اپنے اپنے علاقہ میں دعوت کو پھیلانا ضروری ٹھہرا تو ہجرت کی فرضیت ساقط ہوگئی۔ لاھجرۃ بعد الفتح کا حکم اسی دوسرے دور سے متعلق ہے۔

(۳۱) وفد غامد..... ۱۰ھ میں غامد کا وفد آیا جو دس افراد پر مشتمل تھا۔ یہ سب کے سب اسلام میں داخل ہوئے۔ حضرت ابی بن کعب کو حضورؐ نے مامور فرمایا کہ ان کو قرآن کی تعلیم دیں۔ پھر ان کو زادراہ دے کر رخصت فرمایا۔

(۳۲) وفد بنی المنتفق..... اس قبیلہ میں سے نہیک بن عاصم اور لقیط بن عامر بصورت وفد مرکز اسلام میں پہنچے۔ مسجد میں پہنچے تو حضورؐ خطبہ دے رہے تھے۔ خطبہ کے ختم ہونے پر لقیط نے کھڑے ہوکر قیامت اور جنت و دوزخ کے متعلق کچھ سوالات کئے اور حضورؐ نے تفصیل سے جواب دیئے۔ پھر انہوں

نے انبیاء اور اسلاف کے متعلق کچھ باتیں دریافت کیں۔ ایک سوال براہ راست حضورؐ سے یہ کیا کہ آیا آپؐ کو علم غیب حاصل ہے؟ حضورؐ نے جواب دیا کہ مفاتیح غیب خدا تعالیٰ ہی کے قبضہ میں ہیں۔

(۳۳) وفد عبدالقیس ۲ ..... پہلے وفد عبدالقیس کا ذکر ہو چکا ہے جو ۵ھ میں آیا تھا۔ ان کا یہ دوسرا وفد جو چالیس افراد پر مشتمل تھا ۱۰ھ میں مدینہ حاضر ہوا۔

(۳۴) طارق بن عبداللہ اور اس کے ساتھی ..... یہ طارق بن عبداللہ وہ شخص ہیں جنہوں نے سوق الحجاز میں وہ منظر بھی دیکھا تھا کہ حضورؐ قبائل میں دعوت دیتے پھر رہے ہیں اور آپؐ کی کاسگا چچا پیچھے پیچھے کنکریاں پھینکتا ہوا کہتا جاتا ہے کہ لوگو! اس پر ایمان نہ لانا۔ یہ (نعوذ باللہ) جھوٹا ہے۔ پھر یہی طارق بن عبداللہ ربذہ سے ایک گروہ کے ساتھ کھجوروں کی خریداری

کے لئے مدینہ آئے ان کے اقامت گاہ پر حضورؐ کا گذر ہوا۔ آپؐ نے ان کا اتا پتا پوچھا اور مدعائے سفر معلوم کیا۔ پھر ایک اونٹ کا سودا کیا، اور قیمت بھجوا دینے کا وعدہ کر کے چلے آئے۔ بعد میں طارق اور اس کے ساتھیوں کو کھٹکا ہوا کہ بغیر جان پہچان کے ہم نے اونٹ دے دیا۔ نہ جانے کیا صورت ہو۔ اس قافلے کی ایک معزز خاتون نے کہا کہ اس شخص کا چہرہ روشن میں نے دیکھا تھا۔ وہ کبھی دھوکا کرنے والا نہیں ہوسکتا۔ اگر وہ قیمت ادا نہ کرے تو میں ضامن ہوں۔ تھوڑی دیر میں آدمی آیا اور اونٹ کی قیمت کی کھجوریں الگ ادا کیں اور ہدیہ کی الگ دیں۔ ان لوگوں کے دل مفتوح ہوگئے۔ بعد میں یہ شہر میں آئے تو مسجد میں حضورؐ خطبہ دے رہے تھے اور صدقہ کی تاکید فرما رہے تھے۔ اس طرح ان کے دلوں میں اسلام کی دعوت کو راستہ ملا۔

(۳۵) عمرو بن معدیکرب نمائندہ بنی زبید ..... بنی زبید کے لوگوں تک جب نظام نو کے چرچے پہنچے تو انہوں نے

اپنے سردار عمر بن معدی کرب سے کہا کہ ہم سنتے ہیں کہ قریش میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نامی نبی بن کر حجاز میں اٹھا ہے تم جاؤ اور جا کر معلوم کرو۔ اگر وہ تمہاری رائے میں واقعی نبی ہو تو پھر ہم سب ایمان لائیں۔ چنانچہ یہ شخص آیا اور اس نے اسلام قبول کیا۔ حضورؐ کے انتقال کے بعد اس نے ارتداد کیا۔

(۳۶) قاصد من جانب ملوک حمیر..... حمیر ایک شاہی خاندان تھا۔ اس کی طرف سے قاصد ایک خط لایا۔ اس خط میں حرث بن عبد کلال، نعیم بن عبد کلال، نعمان قیل ذورعین، معافر اور ہمدان کے قبل اسلام اور ترک شرک کی اطلاع تھی۔ حضورؐ نے اس کے جواب میں ایک تفصیلی فرمان ملوک حمیر کے نام بھجوایا۔ اس میں ان کو بنیادی احکام لکھوائے۔ مسلمانوں سے زکوٰۃ لینے اور غیر مسلموں سے ٹیکس (جزیہ) وصول کرنے کی ہدایت درج کرائیں نیز لوگوں کی مذہبی آزادی کا حق ثبت فرمایا اور وضاحت کی کہ جو لوگ یہودی یا نصرانی رہنا چاہیں ان کا

مذہب جبراً تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ اسی کے ساتھ ساتھ فرمان میں لکھوایا کہ زرعہ ذی یزن کی طرف ہمارے نمائندہ افسر ..... معاذ بن جبل، عبداللہ بن زید، مالک بن عبادہ، عقبہ بن نمر، مالک بن مرہ، اور کچھ دوسرے لوگ روانہ کئے جا رہے ہیں۔ اس جماعت کے سربراہ معاذ بن جبل ہیں۔ یہ ہمارے احکامات پہنچائیں گے اور صدقہ و جزیہ کی رقوم جمع کر کے لائیں گے۔

(۳۷) وفد نخع ..... یہ بھی یمن ہی کا ایک قبیلہ تھا۔ یہ اکثر روایات کے بموجب آخری وفد ہے جو ۱۱ھ (محرم) میں مدینہ آیا۔ اس میں دو سو آدمی شریک تھے۔ دراصل یہ لوگ حضرت معاذ بن جبل کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کر چکے تھے۔ دلوں کے انقلاب نے تقاضا کیا تو یہ مرکز اسلام میں پہنچے۔ رسول اکرمؐ کے سامنے اپنا اسلام پیش کیا۔ ایک رکن وفد نے اپنے خوابوں کی تعبیریں دریافت کیں اور مختصر قیام کے بعد واپس ہو گئے۔

ان وفود کی آمد اس کثرت سے اور اتنی پے در پے ہوئی ہے کہ صحیح معنوں میں یدخلون فی دین اللہ افواجاً کا مفہوم سامنے آجاتا ہے۔ درحقیقت انسانی فطرت خود حق کی طرف جھکاؤ رکھتی ہے اور پھر محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف قرآن کے استدلالی زور اور دل گداز اسلوب بیان کے ساتھ حق کو پیش کیا تھا بلکہ اپنی مقدس سیرت اور عملی زندگی سے اس کی صداقت کا ایسا کامل مظاہرہ کیا تھا کہ انسانیت رام ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ عوام الناس کے راستے میں رکاوٹ تھی تو سابق جاہلی قیادت تھی۔ وہ جب ہٹ گئی اور ساتھ ہی جب ان کو یہ اطمینان ہوگیا کہ مدینہ کی اسلامی طاقت ایک مضبوط طاقت ہے اور اس کے ہاتھوں سے واقعی خیر وفلاح پھیل رہی ہے اور کوئی اس میل سبک سیر کے آگے جم نہیں سکتا تو پھر ان کے سینے سچائی اور نیکی کے پیغام کے لئے پوری طرح کھل گئے۔ انہوں نے خود اپنے اندر سے اس نور صداقت کی پیاس محسوس کی۔ اس پیاس

سے بے تاب ہوہو کر مدینہ کی طرف لپکے۔ وہاں سے ساغر بھر بھر کے پیئے اور پھر جا کر اپنے اپنے علاقوں اور قبیلوں میں خم کے خم انڈھا دیئے۔ یوں اجالا پھیلتا گیا اور ظلمتیں کافور ہوتی چلی گئیں۔

بین الاقوامی دعوت کا آغاز

نبی اکرمؐ کی قائم کردہ جس جماعت کی تحریک اسلامی چلانے کی سعادت حاصل ہوئی اس کا دائرہ قومی و ملکی ہی نہ تھا بلکہ وہ ایسی خیر امہ تھی جو اخرجت للناس کے مرتبہ پر فائز کی گئی تھی اور جسے شہداء علی الناس قرار دیا گیا تھا۔ یعنی تمام انسانیت کو حق اور راستی عدل اور اخوت کے نظام کا راستہ دکھانے والی جماعت اہل عرب کی اصلاح و تربیت اور ان کی ریاستی سطح پر تنظیم فی نفسہ آخری مقصود نہ تھی۔ بلکہ پیش نظر یہ تھا کہ ایک اسلامی ریاست اٹھے اور تمام ذرائع و رسائل کو کام میں لا کر دنیا

بھر کی قوموں اور مملکتوں کو نظام حق کی دعوت دے آخر وہ کروڑوں بندگان خدا جو اس دور بادشاہت میں چھوٹے چھوٹے طبقوں اور خاندانوں کے اقتدار تلے پس رہے تھے اور جنہیں نہ سوچنے کی آزادی مہیا تھی نہ معاشی فراغت حاصل تھی اور نہ جن کے کچھ سیاسی حقوق تھے ان کی مظلومانہ حالت سے کوئی بھی تحریک اصلاح کیسے آنکھیں بند کر سکتی ہے۔ کسری کے نام ارسال کردہ خط میں حضورؐ نے خود ہی اپنی دعوت کے بین الانسانی پیمانے کو ان الفاظ سے اجاگر کر دیا ہے کہ "فانی انا رسول اللہ الی الناس" یعنی میری حیثیت یہ ہے کہ میں سارے انسانوں کی طرف اللہ کا رسولؐ ہوں۔

حق تعالیٰ نے بادشاہتوں اور مذہبی طبقوں کے ہاتھوں علاقائی قوموں میں بٹی ہوئی انسانیت کے لئے بین الاقوامی دور کا افتتاح خود محسنؐ انسانیت ہی کے ہاتھوں کرلیا۔ اور ایک کلمہ صداقت جغرافی نسلی، لسانی اور سیاسی حد بندیوں کو توڑتا ہوا بہت

جلد وقت کی معلوم و مربوط دنیا کے تینوں براعظموں پر چھا گیا سلسلہ انبیاء کے خاتم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم بین الانسانی دعوت کے ساتھ ٹھیک ایسے زمانے میں کھڑے کئے گئے جب کہ زمانے کی چند ہی کروٹوں کے بعد بارود اور پریس اور بھاپ کی طاقتوں کا ظہور ہونے والا تھا اور معمورہ ارضی نئے ذرائع و وسائل کے بل پر ایک شہر کی طرح مربوط ہو جانے والا تھا۔ پانچ سات سو سال تاریخ کی وسعتوں میں کوئی بڑی اہمیت نہیں رکھتے۔ حضورؐ ایسے زمانے میں مبعوث ہوئے کہ جس کے چند ہی صدیوں بعد دنیا کے سرے مادی لحاظ سے مل جانے والے تھے اس موقع کے آنے سے مناسب وقت پہلے اسلام کے نظام حق کی بین الاقوامی دعوت اٹھا دی گئی تا کہ انسانیت جو جوں مادی طور پر قریب ہوتی جائے۔ ذہنی اور نظریاتی اور اخلاقی و مقصدی لحاظ سے بھی ایک رشتے میں پروئی جا سکے۔ بیچ کا یہ وقت دعوت کے پھیلانے اور اقوام عالم کو دور نو کے لئے تیار

کرنے کو بہ مشکل کافی ہوسکتا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ بین الاقوامی دور کا دھارا مسلم انقلابی وقت کے قبضے سے نکل کر مادہ پرستی کی رودگاہ میں چلا گیا کیونکہ یہ قوت اس وقت تک تاریخ میں ایک موثر مقام رکھنے کے باوجود اپنی انقلابی دعوت کا زور کھو چکی تھی لیکن پھر بھی نئے دور کو انسانیت کے احترام، بنی نوع آدم کی مساوات، اجتماعی رابطے کے لئے جمہوری تصورات، عقلی وتجربی علوم کی قدر وقیمت کا احساس تسخیر قوی کا جذبہ بین الاقوامی حقوق اور معاہدات کا احترام، خیال اور رائے کی آزادی اور اقلیتوں کے حقوق کا شعور، انصاف کے اساسی اصول اور بعض دوسری قیمتی اقدار بالواسطہ اسلامی تحریک سے ہاتھ آئیں ..... اگرچہ وہ مادہ پرستانہ ذہنیت کی زد میں آکر دھندلا بھی گئیں اور مسخ بھی ہوگئیں پھر بھی دور حاضر کے تمدن میں خیر وخوبی کا جو تھوڑا بہت عنصر پایا جاتا ہے۔ وہ محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے کئے ہوئے کام کا مرہون منت ہے اس کا اعتراف بعض انصاف

Source: www.prophetmuhammadforall.org

پسند مستشرقین نے خود بھی کیا ہے۔

پس تحریک اسلامی اپنی اصولی فطرت کے لحاظ سے تقاضا کرتی تھی کہ اس کی دعوت کی کرنیں عرب کی حدود میں پابند نہ رہیں بلکہ زمین کے گوشے گوشے تک پہنچیں اس کے ساتھ ساتھ عملی ضرورت بھی یہی تھی کہ اسلام عرب کے اردگرد بھی نور افگن ہو ورنہ نظریہ حق کی اساس پر ایک نظام کا مجرد عرب میں سلامتی سے چلتے رہنا ممکن نہ تھا جب کہ اسلام ریاست اس نظریہ کی مخالف طاقتوں کے گھیرے میں گھری رہے۔ خصوصاً یہ امر سامنے رہے کہ رومی اور ایرانی حکومتیں ہمیشہ عرب پر سیاسی ہوس کی نگاہ جمائے رہیں اس ملک کے بعض علاقے ان کے قبضے میں رہے اور عرب قبائل کو انہوں نے خرید خرید کر استعمال میں رکھا۔ رومی حکومت سے تو مدینہ کا تصادم شروع بھی ہو چکا تھا۔

محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفتار کار ہمارے لئے حیران کن ہے کہ تیرہ برس کی مدت میں ابتدائی دعوت دے کر افراد کار تیار کرنے کا کام مکمل فرمالیا اور پھر آٹھ برس کے اندر اندر اسلامی ریاست عملاً زمین کے نقشے پر کھڑی کر کے مخالفت کے سارے محاذ توڑ دیئے اور پھر اپنی زندگی ہی میں دعوت کی لہریں آس پاس کی سلطنتوں میں پہنچا دیں۔

صلح حدیبیہ (۶ھ) نے اندرون ملک کے تصادموں سے فراغت دے کر حضورؐ کے لئے یہ موقع فراہم کیا کہ عرب سے باہر بھی کام کی ابتداء کر دیجائے عمرۃ القضاء ادا کرنے کے فوراً ہی بعد یعنی یکم محرم ۷ھ کو حضورؐ نے ملحقہ سلطنتوں کے حکمرانوں کو اسلامی نظام کا پیغام خصوصی قاعدوں کے ذریعہ بھجوایا یہ بات آج کے دور میں قابل غور معلوم ہوتی ہے کہ حضورؐ نے دوسرے ملکوں کے عوام تک کلمہ حق پہنچانے کے بجائے آخر شاہی درباروں کو کیوں مخاطب فرمایا۔ اس کی وجہ بالکل واضح

ہے۔عوام الناس کے کوئی شہری حقوم اس دور کے بادشاہوں کے مقابلے میں نہ تھے اور انہیں وہ اساسی آزادی ہی مہیا نہ تھی جس سے کام لے کر وہ اپنے بارے میں خود کوئی فیصلہ نہ کر سکیں پھر یہ بادشاہتیں اس امر کا موقع دینے پر بھی قطعاً تیار نہ تھیں کہ دوسرے ملک کے اجنبی لوگ آکر ان کی رعیت سے میل جول رکھیں اور ان کو موجودہ مذہب سے برگشتہ کریں۔ان کے سیاسی اقتدار مروجہ مذاہب کے بل پر ہی چل رہے تھے اور وہ مذہبی پیشواؤں کے طبقوں کا تعاون حاصل کر کے حکمرانی کر رہے تھے۔پھر جہاں صرف تبدیل مذہب کا معاملہ نہ ہو بلکہ انسان کو من حیث الکل بدلا جانا ہو، اس کے پیمانے اور اقدار، اس کے ذوق اور معیارات ہی یکسر تبدیل کئے جانے ہوں، اور جہاں دعوت حق قبول کرنے والوں میں مروجہ نظام کے خلاف باغیانہ رجحان پیدا کر کے نئے نظام کی اقامت کا انقلابی داعیہ ابھارا جانا ہو وہاں کیسے ممکن تھا کہ بادشاہتیں اپنے عوام میں اسلامی

دعوت کو چپ چاپ پھیلنے کا موقع دیتیں اس دور کی بادشاہتی قیادت تو گویا خداوند بنی بیٹھی تھی اور نیچے ایک پتہ بھی اس کی اجازت کے بغیر نہیں ہل سکتا تھا۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کی بناء پر نہ صرف یہ کہ نبی اکرمؐ نے اسلامی دعوت کا مخاطب خودفرماں رواؤں کو بنایا بلکہ اپنے نامہ ہائے مبارک میں صراحت سے ان کو پوری قوم کا نمائندہ قرار دے کر عوام کے برے اور بھلے کی ذمہ داری ان پر ڈالی حضورؐ نے مختلف تاجداروں کو "عظیم الروم" "عظیم فارس" "عظیم القبط" یعنی فلاں اور فلاں قوم کے سربراہ کہہ کے مخاطب فرمایا پھر کسری اور مقوقس کو صراحتہً لکھا کہ اگر تم دعوت قبول نہ کرو تو علیک اثم المجوس اور علیک اثم اھل القبط۔ یعنی تم پر پورے مجوسیوں اور تمام قبطیوں کی غلط روی کا وبال عائد ہوگا۔

تاجداروں کو خطوط لکھتے ہوئے حضورؐ نے ایک طرف مروجہ آداب کا اہتمام کیا۔ یعنی بطور خاص مہر کرنے کے لئے

انگوٹھی بنوائی اور اس میں "محمد رسول اللہ" کے الفاظ کندہ کرائے۔
دوسری طرف اپنا ایک خاص اسلوب و نہج پیدا کیا۔ ہر خط کا آغاز
خدائے رحمٰن و رحیم کے نام سے فرمایا۔ پھر مرسل کی حیثیت سے
اپنا اسم مبارک لکھوایا۔ پھر مکتوب الیہ کا نام۔ پھر کم از کم اور انتہائی
محتاط اور جچے تلے الفاظ میں مدعا بیان فرمایا اس دور کے لحاظ سے
جو سفارتی زبان آپ نے خطوط کے لئے اختیار کی ہے وہ حضورؐ
کی ذہنی برتری کو ہمارے سامنے واضح کر کے آج بھی حیران
کر دینے والی ہے مثلاً ان ہی خطوط میں کمال ایجاز دکھاتے
ہوئے یہ جملہ آپؐ نے لکھوایا: "اسلم تسلم ..... اسلام لاؤ
سلامتی پاؤ گے"۔ بلاغت کا کمال یہ ہے کہ اس کے معنی وہ بھی
ہیں اور یہ بھی ہیں کہ اطاعت کرو تو سلامتی پاؤ گے۔ خود سلامتی
پاؤ گے کا ایک مفہوم یہ ہے کہ یہی سلامتی کا مسلک ہے اور دوسرا
مفہوم اچھی خاصی سیاسی دھمکی اپنے اندر رکھتا ہے۔ یعنی اگر نہ
مانو گے تو پھر خیر نہیں۔ صرف دو لفظ ہیں اور ان کے معانی کی

وسعتوں کو دیکھئے۔ اسی طرح فعلیک اثم المجوس یا اثم اھل القبط کے جملے میں لفظ اثم کا دوسرا مفہوم ہے۔ مذہبی بھی۔ سیاسی بھی۔ ایک یہ کہ تم پر قوم کا وبال عند اللہ ہوگا یا آخرت میں ہوگا دوسرا یہ کہ سیاسی حیثیت سے تمہیں کیفر کردار سے دوچار ہونا پڑے گا ان ذو معنی الفاظ کے استعمال سے حضورؐ کا منشا ہرگز یہ نہیں تھا کہ بات غیر واضح رہے اور (نعوذ باللہ) کسی ہیر پھیر سے کام لیا جائے بلکہ دونوں کلمات سے بیک دم ہر دو مفہوم سامنے رکھنے مطلوب تھے۔ یہ فصاحت و بلاغت کا کمال ہے کہ اتنے کم الفاظ سے اتنے وسیع معانی حاصل ہوں۔ علاوہ ازیں ہر حکمراں کو مخاطب کرتے ہوئے اس کے مذہب اور اس کے مخصوص حالات کا پیش نظر رکھ کر مختلف عبارات سے کام لیا یہ نہیں کہ ایک ہی سپاٹ مضمون نقل کر دیا گیا ہو۔ پھر آپ نے ہر حکمراں کی طرف اس کی قومی زبان جاننے والا سفیر نامزد کر کے روانہ کیا۔ (تجارتی سفروں میں ہمیشہ آمد و رفت رکھنے کی وجہ سے

ملحقہ ممالک کی بولیاں جاننے والے صحابی موجود تھے۔ بعض کو حضورؐ نے حکم خاص سے کسی زبان کے سیکھنے پر مامور بھی فرمایا)۔

دعوت کے علاوہ ان خطوط کی ترسیل کا ایک بڑا مدعا یہ بھی تھا کہ آس پاس کے حکمرانوں کو یہ حقیقت اچھی طرح معلوم ہو جائے کہ اب عرب پہلے کی طرح کی کوئی کھلی چراگاہ نہیں ہے بلکہ وہ ایک باضابطہ حکومت کے زیر نظام ہے ایک کارفرما طاقت موجود ہے جو ہر لحاظ سے چوکس و مضبوط ہے وہ کسی پرانی سلطنت سے دبنے والی بھی نہیں بلکہ وہ چیلنج کر رہی ہے اور چیلنج کرنے کا دم خم اس میں موجود ہے۔

اب ہم مجملاً روداد بیان کرتے ہیں کہ کس طرح ایک ایک حکمراں تک نامہ دعوت پہنچایا گیا۔ اور نتیجہ کیا نکلا۔

۱۔ اصم (یا اصحمہ) بن ابجر نجاشی، شاہ حبش کے دربار میں

عمرو بن امیہ ضمری کے ہاتھ حضورؐ نے ایک مکتوب دعوت بھیجا۔ اس مکتوب میں مہاجرین حبش کو خط سے پہلے حبش روانہ کرنے کا حوالہ بھی ہے خصوصاً حضرت جعفر طیار کا ذکر ہے اور ان کو آرام سے رکھنے کی تلقین فرمائی ہے پھر اسلام کی دعوت شاہ کو بھی دی گئی ہے اور اس کے معرفت عمائد سلطنت (جنورک) کو بھی۔

۲۔ منذر بن ساوی بحرین کے علاقے کا حکمران تھا اور شہنشاہ فارس کا بارس کا باجگذار۔ علا ابن حضرمی کے ہاتھ حضورؐ نے نامہ دعوت بھیجا۔ منذر نے اسلام کے نور کو قبول کیا اور اس کی رعیت میں سے بھی ایک تعداد حلقہ اسلامی میں داخل ہوئی اس نے بھی جوابی خط میں اپنا اسلام پیش کیا اور رعیت کے بارے میں بتایا کہ کچھ لوگوں کے دل اسلام کے لئے کھل گئے ہیں لیکن بعض مخالف ہیں اور یہودی ونصرانی رہنا چاہتے ہیں مدینہ سے دوبارہ فرمان گیا کہ جو لوگ یہودی ونصرانی رہنا چاہیں ان پر ٹیکس عائد ہوگا۔ اور وہ اپنے مذہب پر قائم رہ سکتے

Source: www.prophetmuhammadforall.org

ہیں۔(اغلب یہ ہے کہ یہ وہ نجاشی اول نہیں ہے جس کے سامنے مہاجرین کا معاملہ پیش ہوا تھا اور وہ مسلمان ہوا۔ اور اس کی غائبانہ نماز جنازہ نبی اکرمؐ نے پڑھی۔ یہ اصم اس کے بعد تخت نشین ہوا۔ بہرحال یہ محل اختلاف ہے)۔

۳۔ جیفر اور عبد جلندی کے دو بیٹے تھے جن کا اقتدار عمان میں چلتا تھا۔ عمرو بن عاص کے ہاتھ نامہ دعوت بھیجا گیا۔ عمرو بن عاص پہلے چھوٹے بھائی عبد سے ملے تو اس نے بڑی طویل گفتگو کی اور ان سے خاصی معلومات حاصل کیں کہ نجاشی مسلمان ہوگیا ہے اور پھر اس کی قوم نے اسے بادشاہت پر قائم رکھا ہے بشپ پادری بھی رکاوٹ نہیں ڈال سکے۔ اور ہرقل روم نے بھی اس واقعہ کا علم ہوجانے کے باوجود کوئی اقدام نہیں کیا۔ بلکہ نجاشی نے اسلام لانے کے بعد ہرقل کو خراج دینا بھی بند کردیا ہے پھر حضرت عمرو بن عاص سے اس نے نبی اکرمؐ کی خاص خاص تعلیمات دریافت کیں۔ اس گفتگو سے اس کے اندر

ایک ولولہ تو پیدا ہوگیا اور اس نے بہ حسرت کہا کہ کاش میرا بڑا بھائی بھی مان جائے۔ اور ہم دونوں مدینہ جا کر اسلام میں داخل ہوں۔ پھر دربار لگایا گیا اور دونوں بھائیوں کی موجودگی میں سفیر مدینہ نے سربمہر خط پیش کیا دونوں بھائیوں نے پڑھا پھر کچھ سوالات کئے جن کے جواب میں عمرو بن عاص نے بتایا کہ قریش نے چاروناچار نبی اکرمؐ کی اطاعت قبول کرلی ہے اور حضور کی جماعت ایسے لوگوں پر مشتمل ہے جنہوں نے ورو فکر اور شعور و فہم کے ساتھ نبی اکرمؐ کو اور ان کی دعوت کو قبول کیا ہے اور پھر سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر حضورؐ کے گرد اکٹھے ہوئے ہیں پھر دو ایک روز تک جیفر بادشاہ حیص بیص میں رہا۔ بالآخر یہ دونوں بھائی اسلام کے سایہ رحمت میں داخل ہوئے اور ان کے ساتھ رعیت کا ایک حصہ بھی صداقت کے نور سے بہرہ مند ہوا۔

۴۔ منذر بن حارث بن ابوشمر دمشق کا حاکم تھا شجاع بن الوہب الاسدی اسلامی حکومت کے سفیر بن کے اس تک

پہنچے پہلے تو نامہ مبارک کو دیکھ کر وہ بھنایا۔ مگر بعد میں توازن بحال کرلیا۔ مصلحتہً سفیر مدینہ کو باعزاز رخصت کیا۔ البتہ اسلام قبول نہ کیا۔

۵۔ ہوذہ بن علی یمامہ کا حاکم تھا اور عیسائیت کا پابند۔ مدینہ سے سلیط بن عمرو دعوتی خط لے کے گئے۔ اس نے بھی حضورؐ کے کام کو دنیوی سیاست کا مفہوم دیا اور سودا کرنے کے لئے شرط رکھی کہ اسلامی حکومت میں آدھا حصہ میرا ہو..... بعد میں جلدی اس کا پیمانہ عمر لبریز ہوگیا۔ حضورؐ تک روداد پہنچی تو فرمایا کہ وہ ایک انگل بھر یا ایک کھجور برابر زمین مانگے تو میں نہیں دے سکتا۔ اسلامی نظام جس سرزمین پر قائم ہوتا ہے اس کا تو ذرہ ذرہ ایک مقدس امانت ہوتا ہے۔

۶۔ جریج بن متی مقوقس اسکندریہ و مصر کا تاجدار تھا۔ اور مذہباً عیسائی۔ حاتم بن ابی بلتعہ کو حضورؐ نے اس کے دربار میں

روانہ کیا۔ انہوں نے خط پہنچانے کے بعد گفتگو بھی کی اور ایسے بے باکانہ انداز میں کی کہ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کس مضبوط ذہن و کردار کی ہستیاں حضورؐ نے اسلام کے سانچے میں ڈھال کر پیدا کیں۔ حاطب نے مقوقس کو متنبہ کرتے ہوئے کہا کہ اس سرزمین میں پہلے بھی ایک شخص گزرا ہے جو انا ربکم الاعلی..... کا نعرہ لگایا کرتا تھا۔ آخر وہ خدا کے غضب کا شکار ہوا پس لازم ہے کہ آپ لوگ دوسروں سے عبرت پکڑیں۔ ایسا نہ ہو کہ دوسرے آپ لوگوں سے عبرت حاصل کریں پھر عیسائیت کے مقابلے میں اسلام کی برتری دلائل دے کر واضح کی پھر یہ بھی کہا کہ ہم آپ کو حضرت مسیح ہی کے پیش کردہ صحیح دین کی طرف بلا رہے ہیں..... یعنی یہ کوئی نئی راہ نہیں۔ مقوقس اسلام قبول کرنے پر تو آمادہ نہ ہوا۔ مگر اس نے نامہ نبوت کا بڑا احترام کیا۔ اسے ہاتھی دانت کے ڈبہ میں رکھوا کر خزانے میں محفوظ کر دیا۔ حضورؐ کے لئے تحائف بھجوائے جن میں دلدل نامی مشہور خچر بھی

شامل تھا۔خط کے جواب میں یہ بھی لکھا کہ مجھے معلوم ہے کہ نبی آخر زماں کی آمد باقی ہے لیکن میرا خیال یہ ہے کہ وہ ملک شام میں اُٹھیں گے۔

۷۔ہرقل یا قیصر رومی سلطنت کے مشرقی حصے کا تاجدار تھا اور قسطنطنیہ اس کا دارالحکومت تھا وحیہ بن خلیفہ کلبی کو حضورؐ نے نامہ مبارک دے کر اس کے دربار میں بھیجا۔وحیہ بیت المقدس کے مقام پر جا کر اس سے ملے۔سفیر مدینہ کے اعزاز میں ہرقل نے بڑا بھاری دربار منعقد کیا اور نبی اکرمؐ کے بارے میں بہت سی تفصیلات دریافت کیں۔پھر دریافت کر لیا کہ اگر مکہ کا کوئی اور آدمی اس علاقے میں آیا دہو تو اسے پیش کیا جائے۔اتفاق کی بات کہ حضورؐ کے مخالف محاذ کا قائد ابوسفیان ان ہی دنوں تجارت کے سلسلے میں شام میں پہنچا تھا۔اسے مع تجارتی ساتھیوں کے دربار میں لایا گیا ہرقل نے ان لوگوں سے کہا کہ میں ابوسفیان سے کچھ سوالات کروں گا اگر کوئی بات غلط ہو تو تم

لوگ بتا دینا۔ ابوسفیان کا اپنا قول تھا کہ اگر مجھے اندیشہ نہ ہوتا کہ ساتھی میرے جھوٹ کو ظاہر کر دیں گے تو شاید میں اس موقع پر کچھ باتیں گھڑتا۔ لیکن خدا نے صورت حالات ایسی پیدا کر دی کہ رسول خدا اور اسلام کے دشمن کی زبان سے بھی سچ نکلا۔ پھر قیصر نے حضورؐ کے خاندان، نسب، اخلاق، حضورؐ کے رفقائے تحریک کے حالات اور ان کی رفتار ترقی جنگوں میں مسلم جماعت کی پوزیشن اور اسلام کی تعلیمات اور دوسری کچھ چیزیں دریافت کیں۔ ساری باتیں سن کر کہا کہ "ابوسفیان! اگر تم نے سچ سچ جواب دیئے ہیں تو وہ شخص ایک روز اس جگہ کا مالک ہوگا۔ جہاں میں بیٹھا ہوا ہوں۔ کاش میں حاضر خدمت ہو سکتا اور اس نبی کے پاؤں دھویا کرتا"۔ اس کے بعد نامہ مبارک پڑھا گیا جس پر درباری بہت سٹپٹائے۔ کیوں کہ ہرقل کی ذہنی کیفیت نے انہیں بوکھلاہٹ میں ڈال دیا تھا۔ انہوں نے مکہ والوں کو جلدی جلدی باہر نکال دیا۔

اس مکالمہ نے خود ابوسفیان کے دل پر اسلام کی عظمت کا نقش ثبت کر دیا۔

۸۔ خسرو پرویز کسریٰ ایران کی بہت بڑی سلطنت کا حکمراں تھا۔ یہ زرتشت کے مذہب کا پیرو تھا حضورؐ نے عبداللہ بن رواحہ کو سفیر بنا کر اس کی طرف نامہ دعوت بھجوایا۔

خسرو کسریٰ کے جس تخت پر بیٹھا تھا مشکل ہی سے نشہ پندار اس کی بصیرت کو کام کرنے کا موقع دے سکتا تھا۔ غصے میں بھر گیا اور نامہ نبوت کو یہ کہہ کر چاک کر دیا کہ ہماری رعیت کا ایک فرد یہ جرات دکھاتا ہے کمبخت کو پوری طرح معلوم نہ تھا کہ عرب کتنے بڑے انقلاب سے گزر رہا ہے اور کیسی بھاری نظریاتی قوت نشو ونما پا رہی ہے اس نے اپنے گورنر یمن باذان کو مامور کیا کہ مکتوب نگار کو فوراً گرفتار کر کے حاضر کرو۔ باذان نے ایک فوجی دستہ اس مہم پر روانہ کیا۔ یہ جب طائف پہنچا تو وہاں

کے اکابر بہت خوش ہوئے کہ اب ان کے محبوب جاہلی نظام کے حریف کا (نعوذ باللہ) خاتمہ ہو جائے گا۔ یہ دستہ مدینہ پہنچا اور ان کے سردار نے حضورؐ تک مدعا پہنچایا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ کل صبح آکر پھر ملو۔ صبح یہ لوگ حاضر ہوئے تو حضورؐ نے ان کو خبر دی کہ آج رات خدا نے تمہارے بادشاہ کی مہلت حیات ختم کر دی ہے اور وہ اپنے ہی بیٹے کے ہاتھوں قتل ہو گیا ہے جاؤ ار جا کر تحقیق کر لو۔ اس پیشن گوئی کی صحت معلوم ہونے اور محسنؐ انسانیت کی تعلیم اور کردار کا حال جاننے پر باذان اسلامی نظام اخوت میں شریک ہو گیا اور اس کے ساتھ دربار اور علاقے کے بہت سے لوگ بھی ایمان سے مالا مال ہوئے۔

حضورؐ نے کسریٰ کے رویہ کی روداد سن کر فرمایا "مزق ملکہ" یعنی اس نے میرے خط کو چاک کر کے درحقیقت اپنی سلطنت کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ حضورؐ کے الفاظ میں قضائے الٰہی بول رہی تھی۔ دس پندرہ برس کے اندر اندر چار پانچ ہزار برس کی

قدیمی سلطنت ..... مضبوط اور وسیع اور بڑے ٹھاٹھ باٹھ رکھنے والی سلطنت ..... اسلام کے قدموں میں مفتوح پڑی تھی۔ اور فی الواقع طوائف الملوکی ہی نے اسے اس انجام تک پہنچایا۔

علاوہ ازیں جن دوسرے چھوٹے چھوٹے والیوں تک دعوت بھیجی گئی۔ ان میں سے ایک تو فروہ بن عمرو رومی سلطنت کا گورنر تھا۔ جس نے اسلام قبول کر کے نہ صرف عہدہ و جاہ پر لات ماری بلکہ جان بھی شہادت حق میں لگادی۔ دوسرا نجد کا حکمران ثمامہ تھا جو ۶ھ میں اسلام میں داخل ہوا۔ تیسرا جبکہ غسانی ۹ھ میں اسلام لایا۔ چوتھا دومتہ الجندل کا حاکم اکیدر بھی مسلمان ہوا۔ پانچواں ذوالکلاع حمیری جو قبیلہ حمیر کا بادشاہ تھا اور اپنے آپ کو خدا کہلاتا اور لوگوں سے سجدے کراتا تھا۔ آخر کار یہ بھی دائرہ اسلام میں داخل ہوا اور دور فاروقی میں بادشاہت چھوڑ کر راہبانہ زندگی بسر کرنے کے لئے مدینہ آ گیا۔ اس نے اسلام لانے کی خوشی میں اٹھارہ ہزار غلام آزاد کئے

تھے۔

اوپر کے واقعہ سے ظاہر ہے کہ دعوت حق کے اس قلمی محاذ سے بھی بڑے اہم نتائج پیدا ہوئے۔ اور یہ تدبیر فروغ اسلام میں بہت ممد ہوئی۔ اولاً یہ ہوا کہ اردگرد کی سلطنتوں میں اسلام کا پیغام بہ حیثیت ایک موضوع اور مبحث کے جا پہنچا اور محدود حلقوں میں سہی۔ اس پر سوچا جانے لگا۔ پھر یہ اسلام کی صداقت اور اس کے مطابق فطرت ہونے کا ایک ثبوت ہے کہ کہ اہل جاہ و اقتدار کی ایک اچھی خاصی تعداد ایسی حالت میں مسلمان ہوئی جب کہ مسلم جماعت تمدنی لحاظ سے بہت پیچھے تھی۔ ان لوگوں کے ساتھ ان کے زیر اثر عوام میں بھی اسلام کو راستہ ملنے لگا۔ مکاتیب نبوی کے جو مخاطب اسلام میں نہیں آسکے ان کے ذہنوں پر بھی خاصے اچھے اثرات پڑ گئے پھر اس بین الاقوامی دور کے افتتاح سے خود اندرون ملک بھی فضاء ہموار ہونے میں مدد ملی۔ سب سے بڑا فائدہ اس مہم کا یہ ہوا کہ مسلم

جماعت کے سامنے ایک وسیع دائرہ کار شروع ہی سے آ گیا اور اسے نصب العین قومی و ملکی پیمانے سے بہت بڑا دیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عرب میں اسلامی سلطنت کے چھا جانے کے باوجود ان لوگوں نے کمریں نہیں کھولیں عیش و تنعم میں نہیں پڑے۔ ان میں یہ اطمینان پیدا نہ ہوا کہ کرنے کا کام ہم نے مکمل کر دیا۔ کلمہ حق سے ان کی لگن گھٹنے نہیں پائی بلکہ ان کا شرار آرمو پہلے سے زیادہ چمکنے لگا پھر سفارتی معاملات میں اپنے رفقاء کو ڈال کر حضورؐ نے ان کو آنے والی ذمہ داریوں کے لئے اچھی خاصی تربیت دے لی۔ وہ اجنبی حلقوں میں پہنچے ٹھاٹھ دار تمدنوں کے دائروں میں داخل ہوئے۔ مرعوب کن شاہی درباروں میں پہنچے۔ بھری مجلسوں میں انہیں مکالمہ و بحث کا تجربہ ہوا۔ وقت کے حکمرانوں اور درباریوں کی نفسیات سمجھنے کا موقع ملا اور پھر جس ایمان و مضبوطی، اپنے مسلک کی برتری کے شعور، اپنی سادگی، اور بدویت کے ساتھ اپنی عزت کے احساس

اور بیان حق کے لئے جس جرات اظہار کا انہوں نے مظاہرہ کیا اس نے ان کی صلاحیتوں کو اور زیادہ اجاگر کر دیا اور ان کا کردار اور زیادہ نکھر گیا بین الاقوامی دعوت کی یہ مہم جس کا حضورؐ نے آغاز فرمایا تھا اسے تکمیل دینے کی سعادت آپؐ کے جانشین رفقاء اور آپ کی تربیت دادو جماعت کے حصہ میں آئی۔

ردعمل کی آخری لہر

کوئی انقلاب سارے مراحل کشمکش کو پار کر کے اور پرانی قیادتوں کا زور توڑ کر جب فیصلہ کن کامیابی کے دور میں داخل ہوتا ہے تو اس کامیابی پر مارے حسد کے بعض دوں ہمت لوگ اندر ہی اندر کڑھتے رہتے ہیں۔ پھر کوئی موقع آتا ہے جب یہ آخری جسارت سے کام لے کر سیلاب تغیر کے آگے تنکوں سے بندھا باندھنے کی کوشش کرتے ہیں ایسی ہی صورت اسلامی انقلاب کو پیش آئی۔ قریش اور یہود اور صحرائی قبائل کی

Source: www.prophetmuhammadforall.org

مقامی قیادتوں کا زور جب ٹوٹ گیا اور عوام اسلام کی طرف بڑھنے لگے اور اسلام عوام میں نفوذ کرنے لگا تو مخالفت کی ایک آخری ردعملی لہر بالکل ایک نئی صورت میں اٹھی۔ کچھ لوگوں نے یوں سوچا کہ ایک شخص اٹھا اور اس نے نبوت کا دعویٰ کیا، کچھ لوگوں کو اپنے ساتھ لیا۔ کشمکش کی اور وہ سارے عرب کا حکمراں بن بیٹھا ہے تو کیوں نہ ہم بھی یہاں سکہ چلا دیکھیں خصوصاً جب یہ لوگ صدقہ زکوٰۃ کے اموال کثیر کو مدینہ جاتے دیکھتے ہوں گے تو ان کے مونہوں میں پانی بھر آتا ہوگا۔ ان کے سامنے ایسے عناصر تھے جو چاروناچار مطیع نظام ہو گئے تھے مگر ان کے دلوں میں مخالفانہ لاوہ ابھی کھول رہا تھا ان کو سمیت کر انہوں نے بازی کھیلنا چاہی۔ وہ یہ بات خوب سمجھتے تھے کہ اب جاہلی تصورات اور مشرکانہ یا بت پرستانہ نظریات کے بل پر تو کوئی کام کیا نہیں جا سکتا۔ کیونکہ فضاء میں توحید باری تعالیٰ اور وحی اور نبوت اور آخرت کے عقائد پوری طرح چھا گئے ہیں انہوں نے اپنی

دکانوں میں ان ہی لیبلوں کے ساتھ سودا رکھ کر لوگوں کو ورغلانے کی کوشش کی۔ مگر یہ بے وقوف نہ جانتے تھے کہ سکہ چلانے کے لئے صرف ایک نقلی نقش کافی نہیں ہوتا۔ اس کے لئے کھری دھات کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ اور اسلام کے سکہ میں جو دھات استعمال ہوئی تھی وہ فی نفسہ بھی بہترین تھی (خیارکم فی الاسلام، خیارکم فی الجاھلیہ) اور پھر اسے دس بیس برس تک بھٹیوں اور کٹھالیوں میں سے گذارا گیا تھا مگر بندگان ہوس کی نگاہیں کبھی گہرائی تک نہیں جاتیں۔ وہ اپنی پسند کے مفاد کو دیکھتی ہیں اور اس قیمت میں جو قربانیاں دینی پڑتی ہیں ان پر کبھی توجہ نہیں کرتیں غرض تاریخ میں یہ جو ہوتا آیا ہے کہ ہر عظیم شخصیت کا منہ چڑانے کے لئے کچھ دوں فطرت لوگ نمودار ہو جایا کرتے ہیں اور ہر عروج پذیر تحریک کے آسمان گیر علم کے مقابلے پر بعض سفلہ عناصر چیتھڑوں کی جھنڈیاں بنا کے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں بالکل ایسا ہی تجربہ عرب میں بھی

Source: www.prophetmuhammadforall.org

پیش آیا۔ ایسے شر پسندوں کا مختصر تذکرہ کیا جانا ضروری ہے۔

ا۔ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ ایک وفد کے ساتھ مسیلمہ بن حبیب (جو کذاب کہلاتا ہے) مدینہ آیا تھا مرکز اسلام کی ہماہمی دیکھ کر اس کی ہوس اقتدار میں ابال آیا ہوگا۔ اس نے حضورؐ کی خدمت میں ایک خط لکھا جس میں وہی شرکت اقتدار کا معاملہ چھڑا اور دھمکی بھی دی۔ حضورؐ نے سختی سے اسے مسترد کیا۔ بھنا کر اس نے نبوت کا علم بلند کر دیا۔ ادیب وہ تھا ہی۔ قرآن پاک کی آیات کے طرز کو سامنے رکھ کر مقفی عبارتیں گھڑ گھڑ کے صحرائی عوام کو سناتا اور چونکہ بعض لوگ ابھی تک جاہلیت سے ذہنی وابستگی رکھتے تھے اور ان کی تعلیم و تربیت اسلامی نظام کے مطابق نہیں ہو پاتی تھی۔ نیز علاقائی اور قبیلوی عصبیت بھی ابھی باقی تھی اس لئے اسے کچھ نہ کچھ پیروکار بھی مل گئے۔ پھر چوں کہ اس کی وحی نے نماز معاف کر دی اور اس کی شریعت نے زنا اور جوئے کو جائز کر دیا تھا۔ اس لئے تمام کا تمام فاسق مزاج عنصر

اس کے گرد جمع ہوگیا۔ خیال کیجئے کہ یہ طاقت تھی جو اسلامی تحریک کے مقابلے پر لائی جارہی تھی دور صدیقی میں اس کا خاتمہ ہوا۔

۲۔ ایک عورت مسیلمہ کے علاقے کے پڑوس میں سے اٹھی جس کا نام سجاح تھا۔ اس نے بھی زمانہ نبوت کا اولین علم بلند کیا۔ مسیلمہ نے اس سے ملاقات کی اور افہام وتفہیم کے لئے تنہائی میں گفتگو قرار پائی۔ مسیلمہ میں ضم ہوگیا۔ بعد میں مسیلمہ قتل ہوا تو وہ تائب ہوکر مرتے دم تک اسلام پر قائم رہی۔

۳۔ حجۃ الوداع کے بعد یمن کے زرخیز اور سیاسی اہمیت رکھنے والے علاقے میں اسود عنسی نے ادعائے نبوت کے پیرائے میں علم بغاوت بلند کیا۔ اس کا اصل نام ذوالخمار صہبلہ بن کعب تھا۔ قبیلہ مذحج سے اسے پیروکار ملے۔ اور نجران میں بھی اس کے اثرات پھیلے اس کے اثر کی بڑی وجہ اس کے جادو

منتر وغیرہ کا چلن تھا۔ اسلامی حکومت کے بعض سول افسروں اور دعوتی اور تعلیمی کارکنوں کو اس نے تہ تیغ کر لیا اور بعض کو اپنے علاقے سے نکال دیا۔ حضورؐ نے آس پاس کے افسروں کو قوت اکٹھی کر کے اس بغاوت کے فرو کرنے کا فرمان بھیجا۔ اس نے ایک ایرانی النسل مسلمان کو قتل کرا کے اس کی خوبرو بیوی کو زبردستی گھر میں ڈال لیا تھا۔ یہ خاتون اپنے ایمان میں پختہ تھی اور اس کی امداد سے اسلامی حکومت اسود پر قابو پانے میں کامیاب ہوئی۔ حضورؐ کے سفر آخرت سے دو ایک روز قبل یہ فتنہ گر ہلاک ہوا اور پھر اس کی بن سری فوج کو بآسانی ختم کر دیا گیا لیکن اس کے پھیلائے ہوئے فتنے کے اثرات حضرموت سے طائف تک پھیلے اور ان کا ازالہ بھی دور صدیقی ہی کے آغاز میں ہوا۔

۴۔ ان مثالوں کو دیکھ کر طلیحہ بن خویلد اسدی کے منہ میں بھی پانی بھر آیا۔ اس نے بھی جعلی نبوت کے بل پر بازی

مارلیا چاہی۔ اپنے قبیلے بنوغطفان میں سے اسے پیروکار ملے اس نے بھی حضورؐ کو خط لکھ کر اقتدار میں سے حصہ مانگا تھا۔ اس کے فتنے کا قلع قمع بھی دورِ صدیقی میں ہوا۔

۵۔عمان کے لقیط بن مالک ازدی کو جب ہوذہ بن علی کی جانشینی ملی تو اس کے دماغ میں بھی کیڑا کلبلانے لگا۔ دراصل یہ مختلف افراد مختلف علاقوں میں اس لئے اٹھے کہ ان کو اپنے ارد گرد جاہلیت پرستوں، بطور نفاق اسلام قبول کرنے والوں، پرانے جرائم پیشہ فاسقوں، زنا، شراب جوئے اور سود خواری کے متوالوں، ایک مرکزی نظام کی اطاعت کے مقابلہ میں اپنے قبیلے کی سربلندی چاہنے والوں، پھر زکوٰۃ دیتے ہوئے اور زکوٰۃ کے اموال کو مدینہ جاتے دیکھتے ہوئے اندر ہی اندر کڑھنے والوں نیز اپنی چھوٹی موٹی قیادت کے ماتمیوں کی ایک اچھی خاصی تعداد دکھائی دیتی تھی۔ اس تعداد کو یہ لوگ حرکت میں لے آئے اور ان کے طفیل جاہلیت کی دم توڑتی ہوئی قوت نے ایک

آخری سنبھالا لیا۔

لیکن حضورؐ کی تیار کردہ قیادت نے حالات کی خوفناک نزاکت کے باوجود بڑے مضبوط ہاتھوں سے ان فتنوں کا سر کچلا اور عرب کے ایک ایک متنفس کو نظم میں کس دیا۔

تحریک اسلامی کا اجتماع عظیم

حج اسلام کی ایک عظیم درجہ کی بنیادی عبادت ہے۔ حرم پاک جو دعوت ابراہیمی کا مرکز تھا اور جس کے ذرے ذرے پر وین کی تاریخ کے قیمتی نقوش ثبت ہیں جس کی فضاء میں ابراہیم و خلیل علیہما السلام کی دعائیں رچی بسی ہیں اور پھر جس کے پورے ماحول میں خود محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے کارنامہ حیات کے ابواب بکھرے ہوئے ہیں۔ وہ ہمیشہ کے لئے اسلامی دعوت اور تحریک کا عالمی مرکز اور قبلہ قرار دیا۔ ہر صاحب توفیق مسلمان کے لئے عمر بھر میں کم از کم ایک بار اس مرکم پر

Source: www.prophetmuhammadforall.org

مقررہ ایام حج میں حاضری دینا، شعائر ومناسک ادا کرنا قربانی کی سنت ابراہیمی کو تازہ کرنا، انبیاء کی تاریخ کے نقوش اور برکات سے بہرہ اندوز ہونا، دنیا بھر سے آنے والے نظریہ حق کے علمبرداروں اور اسلامی نظام اخوت کے رفقاء سے رابطہ پیدا کرنا، اور ہر طرف سے منہ موڑ کر کامل عاجزی کے ساتھ اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر دینا فرض ہے۔ فرضیت حج کا یہ حکم ۹ھ میں نازل ہوا۔

حضورؐ نے اسی سال حضرت ابوبکر صدیقؓ کو امیر حج بنا کر تین سو رفقاء کے ساتھ مکہ روانہ فرمایا کہ وہ ان کو اپنی امارت میں حج ادا کرائیں۔ بر سبیل تذکرہ اس حج کے بارے میں چند اہم باتیں درج کی جاتی ہیں کیونکہ دینی اور سیاسی دونوں لحاظ سے اس کی بڑی اہمیت تحریک اسلامی کی تاریخ میں ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی امارت کے ساتھ حضرت علیؓ کو

ایک دوسری ذمہ داری سونپی کہ وہ سورہ برأت (پہلی ۴۰ آیات) حج کے اجتماع میں سنائیں اور حکم خداوندی کے مطابق ضروری اعلانات لوگوں تک پہنچادیں۔ قابل اعلان امور یہ تھا۔ کہ ایک تو سابق جاہلانہ شرک پر قائم رہ کر جن لوگوں نے حضورؐ یا اسلامی ریاست سے معاہدہ کر کے مفادات محفوظ کر رکھے تھے۔ ان کے سامنے اعلان کر دیا گیا کہ چار ماہ کی مہلت ہے اس کے بعد تمام ایسے معاہدات بحکم خداوندی کالعدم ہو جائیں گے۔ اس دوران میں وہ اپنے لئے راہ عمل خود طے کر لیں کہ آیا ان کو اس ریاست کی شہریت ترک کر دینی ہے یا جنگ کرنی ہے یا پھر اسلامی ریاست کے اندر بحیثیت مسلم کے رہنا ہے۔ یعنی اب ریاست در ریاست کا کوئی موقع نہ تھا۔ اور اسلامی حکومت اپنے حدود میں خود مختاری کے جزیرے قائم رکھ کر اپنے تقاضے پورے نہیں کر سکتی تھی۔ ایسے معاہدات کو ختم کرتے ہوئے بھی برسر عام اعلان کر لیا جانا ضروری ہوا۔ اور پھر چار مہینے کی کافی مہلت

دوسرے فریقوں کو دی گئی۔ یہ رعایت بھی دی گئی کہ اگر کوئی مشرک اس مدت میں مدینہ آکر اسلام کو سمجھنا چاہے تو اس کو بحفاظت آنے جانے کا موقع ہوگا۔ پھر مشرکین میں سے بھی ان لوگوں کو الگ رعایت دی گئی جنہوں نے دیانت داری سے ایفائے عہد کیا تھا۔ ان کے معاہدات کو ان کی مقررہ مدت تک کے لئے بحال رکھا گیا۔ اصل زور ان مشرکین پر تھی جنہوں نے اسلام کے خلاف دشمنی اور خوفناک جنگ کے محاذ بنائے۔ تصادم کرتے ہوئے ساری اخلاقی حدیں توڑ دیں۔ پھر قول و فرار سے بار بار پھرے۔ اور ہر قسم کے لحاظ و مروت کو بالائے طاق رکھ دیتے رہے۔ یہ وہ مشرکین تھے جنہوں نے راہ حق کو روکنا چاہا۔ جنہوں نے دین حق میں عیب نکالے جنہوں نے رسولؐ پاک کو گھر سے نکالنے کے منصوبے باندھے اور جنہوں نے جنگ و جدل میں پہل کی۔ دوسرا اعلان یہ کیا گیا کہ آئندہ حرم پاک اور مساجد کی تولیت کسی مشرک کو نہ سونپی جائے گی۔ تیسرا

اعلان یہ تھا کہ آئندہ کوئی مشرک حدود حرم میں داخل نہ ہو۔ اس ضمن میں حضرت علیؓ نے حضورؐ کی یہ توضیح بھی پہنچادی کہ اب سے کوئی شخص سابق مشرکانہ طریق پر عریاں ہوکر طواف کعبہ نہیں کر سکے گا۔ چوتھا اعلان خدا کی طرف سے چار مہینوں کی حرمت کے ثابت ہونے کا کیا گیا اور اور ان مہینوں میں من مانی تبدیلیاں کرنے کا دروازہ بند کردیا گیا۔ سلسلہ کلام میں یہ حقیقت پوری طرح کھول کر سنادی گئی کہ خدا نے اپنے رسولؐ کو اس لئے برپا کیا کہ ہے کہ وہ اس دین حق کے نظام کو زندگی کے تمام گوشوں پر پوری طرح غالب کردے اور یہ کام اسے مشرکین کی ناکواری کے علی الرغم سرانجام دینا ہے۔

بعض لوگ حضرت علیؓ کی اس ماموریت سے عجیب عجیب نکتے پیدا کرتے ہیں۔ حالانکہ بات صرف اتنی تھی کہ حضورؐ نے جہاں حضرت ابوبکر صدیقؓ کو دائرہ امامت میں اپنا نائب بنایا تھا۔ وہاں حضرت علیؓ کو ذاتی نمائندہ، شخصی سکریٹری یا بطور سفیر

خصوصی ایک اہم دینی وسیاسی اعلان کے لئے مامور کیا تھا۔ جن لوگوں کی نظر حکومتوں کے معاملات پر ہے وہ جانتے ہیں کہ بعض صورتوں میں یہی طریقہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔ حکومتوں کے وائسرائے یا گورنر موجود ہوتے ہیں۔ مگر کسی خصوصی ضرورت کے لئے الگ سے سفیر روانہ کرنے پڑے ہیں۔

اب ہم اس عظیم الشان اجتماع حج کا تذکرہ کرتے ہیں۔ جس میں محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ نفس نفیس شرکت فرمائی اور جس میں اسلامی تحریک کی انسانی قوت کا ایک سمندر حضورؐ کی نگاہوں کے سامنے موجزن ہوا۔ ۱۰ھ میں جب حضورؐ نے حج کا ارادہ باندھا تو تمام علاقوں میں ناس کی اطلاع بھیج دی گئی۔ اسلامی انقلاب کے علمبرداروں کے قافلے ہر طرف سے مدینہ میں اکٹھے ہونے لگے۔ بندگانِ الٰہی کا یہ قافلہ چلا تو راستے میں بھی مختلف قبائل کی جماعتیں آ آ کر اس دریائے رواں میں شامل ہوتی گئیں۔ ازواجِ مطہرات سب کی

سب حضورؐ کے ساتھ تھیں۔ حضورؐ نے ذی الحلیفہ سے احرام باندھا اور پھر یہیں سے وہ پکار بلند کی جو بارگاہِ الٰہی میں حاضری دینے والے حجاج کی روحوں کی صدا ہوتی ہے۔ لبیک..... اللھم لبیک ..... !!

"ہم حاضر ہیں! اے ہمارے اللہ! ہم حاضر ہیں! تیرا کوئی شریک نہیں۔ ہم تیری بارگاہ میں حاضر ہیں۔ حمد تیرے لئے ہے۔ نعمت تیرے قبضے میں ہے۔ بادشاہی تیری ہے۔ تری کوئی شریک نہیں۔"

پھر راستے بھر جب بھی کسی یلہ سے چڑھنے اترنے کا موقع آیا تو بار بار حضورؐ کی معیت میں ان مخلص موحدین کا کارواں صدا بلند کرتا ....."ہم حاضر ہیں"....."اے اللہ تو ہی بڑا ہے!"

مکہ کے قریب جا کر ذی طویٰ میں کچھ دیر قیام فرمایا، پھر

اس کثیر التعداد مسلم جماعت کو ساتھ لئے ہوئے مکہ کی بالائی جانب سے داخل ہوئے۔ طواف کیا۔ صفا و مروہ تشریف لے گئے۔ وہاں سے کعبہ کی طرف رخ کر کے خدا کی توحید کی پکار پھر بلند کی۔ نویں ذی الحجہ کو وادی نمرہ میں اترنے، دن ڈھلنے کے بعد عرفات تشریف لے گئے۔ پہاڑی پر چڑھ کر قصواء نامی اونٹنی پر سوار ہو کر خطبہ نشر فرمایا۔ چاروں طرف مکبر کھڑے تھے جو ایک ایک جملہ کو دہراتے جاتے تھے اور اس تدبیر سے حضورؐ کے ارشادات سارے مجمع کے کانوں تک پہنچ رہے تھے۔

غور کیجئے! کیا سماں ہوگا، نبی اکرمؐ کا دل اس منظر کو دیکھ کر کیا کیفیت محسوس کرتا ہوگا۔ آج گویا ساری عمر کی کاشت کاری کے نتیجہ میں ایک فصل پورے جوبن کے ساتھ لہلہا رہی تھی، ایک لاکھ چوالیس ہزار (یا بعض روایات کے بموجب ایک لاکھ چوبیس ہزار) کا ایک آہنگ مجمع زمین پر اپنی مثال آپ تھا۔ جہات کے لوگوں کی آنکھیں جب اس محبوب ہستی کو پہاڑی

کی بلندیوں پر اتنے مجمع کثیر کے درمیان دیکھتی ہوں گی تو اس کے دلوں کی پرواز کہاں تک نہ ہو رہی ہوگی۔

اسلامی تحریک کا بین الانسانی منشور

نبی اکرمؐ نے دو خطبے اس موقع پر دیئے۔ پہلا عرفات کی پہاڑی سے ۹ ذی الحجہ کو، دوسرا ۱۰ ذی الحجہ کو منیٰ میں۔ ان خطبوں کے بعض مضامین روایات میں باہم دگر مل گئے ہیں۔

یہ خطبات کئی حیثیتوں سے غیر معمولی اہمیت رکھتے ہیں۔ اولاً حضورؐ نے جماعت کے سب سے بڑے دینی اجتماع میں خطاب فرمایا اور ایسے دور میں فرمایا جبکہ آپؐ کا پیش کردہ کلمہ حق تناور درخت بن کر برگ و بار لانے لگا تھا۔ شدید مخالفتوں سے گذر کر اتنی عظیم کامیابی بجائے خود سیرت و کردار کا ایک امتحان ہوتی ہے۔ اگر اس موقعہ پر کوئی دنیا پرست شخصیت ہوتی اور محض ایک سیاسی بازی کھیلنے والی کوئی فاتح طاقت ہوتی تو عیش

وعشرت کے اسباب جمع کر کے ان سے حصولِ لذت کے علاوہ آج اس کے سر میں غرور کی ایسی ہوا بھر جاتی کہ وہ اپنی خدائی جمانے اور اپنی بڑائی کا کلمہ بلند کرنے پر اتر آتا۔ حضورؐ کے بجائے کوئی دوسرا نفسانیت زدہ شخص اس مقام پر پہنچتا تو مذہبیت کا سارا جھوٹا ملمع اتر جاتا اور کامیابی کی اس منزل میں اس کی روح پنہاں بے نقاب ہو جاتی۔ مگر یہاں پہلے سے بڑھ کر عجز تھا اور پہلے سے زیادہ خدا کے لئے حمد و شکر کے ترانے تھے۔ ثانیاً چونکہ حضورؐ کی فراستِ نبوت سمجھ رہی تھی کہ جماعت سے خطاب کا یہ آخری موقع ہے۔ اس لئے گویا الوداعی وصیتیں فرمائیں جن کا ہر ہر لفظ بیش قیمت ہے۔ ثالثاً ملکی کام کے اس تکمیلی مرحلے پر آجانے کے بعد یہی موقع تھا کہ تحریک اسلامی کی طرف سے انسانیت کے نام کوئی پیغام اور کوئی منشور دیا جاتا۔ سو آپ نے اس فریضہ کو باحسن وجوہ ادا کیا۔ رابعاً یہ خطبے حضورؐ کے کمالِ خطابت اور آپؐ کی شانِ فصاحت کے بھی نادر نمونے ہیں اور

ان کے ذریعہ اس مقدس شخصیت کی عظمتوں کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

یہ پیش نظر رہے کہ ان خطبوں کا ایک حصہ مخصوص ملکی حالات ومسائل سے متعلق ہے اور ایک حصہ بین الانسانی منشور پر مشتمل ہے۔ نفسِ مضمون خود ہی اس تقسیم کو واضح کردے گا۔

خطبہ عرفات.....

.....تمام تعریفیں صرف اللہ ہی کے لئے ہیں۔ ہم اس کی حمد کرتے ہیں۔ اس سے مدد طلب کرتے ہیں۔ اسی سے اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں اور اسی کے حضور اظہارِ ندامت کرتے ہیں۔ ہم اپنے دلوں کی فتنہ انگیزیوں اور اپنے اعمال کی برائیوں کے مقابلے میں اسی کی پناہ مانگتے ہیں۔ جسے اللہ سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق دے، اسے کوئی دوسرا گمراہ نہیں کرسکتا اور جسے وہ ہدایت کی توفیق نہ دے، اسے کوئی راہِ

راست پر نہیں چلا سکتا۔

..... اور میں اعلان کرتا ہوں، اس حقیقت کا کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے۔ وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور میں اعلان کرتا ہوں اس حقیقت کا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کا بندہ اور اس کا رسولؐ ہے۔

..... اللہ کے بندو! میں تم کو اسی کی عبادت کی نصیحت کرتا ہوں اور ترغیب دلاتا ہوں۔

..... میں آغازِ کلام اس بات سے کرتا ہوں جو باعثِ خیر ہے۔

..... اس (تمہید) کے بعد (میں کہتا ہوں کہ) اے لوگو! میری باتیں غور سے سنو۔ میں تم کو وضاحت سے بتاتا ہوں کیونکہ میں ایسا نہیں سمجھتا کہ اس سال کے بعد میں تم سے اس مقام پر ملاقات کر سکوں۔

Source: www.prophetmuhammadforall.org

.....اے لوگو! تمہارے خون اور تمہارے مال تمہارے لئے (باہر دگر) حرام کر دیئے گئے ہیں تا آنکہ تم اپنے رب کے حضورؐ جا کے پیش ہو جاؤ۔ جیسے کہ تمہارے اس مہینے میں اور تمہارے اس شہر میں تمہارا یہ دن حرام ہے۔

.....آگاہ رہو کہ میں نے بات پہنچا دی۔ اے اللہ تو خود گواہ رہیو!!

.....سو جس کسی کے قبضے میں کوئی امانت ہو تو اسے اس کے مالک کو ادا کر دے۔

.....دورِ جاہلیت کی سودی رقمیں کالعدم کر دی گئیں، اور سب سے پہلے میں اپنے چچا عباسؓ بن عبدالمطلب کے سودی مطالبات کو کالعدم کرتا ہوں۔

.....دورِ جاہلیت کے تمام خونوں کے مطالباتِ قصاص کالعدم کر دیئے گئے اور سب سے پہلے میں عامر بن ربیعہ بن

حارث بن عبد المطلب کے خون کا مطالبہ ساقط کرتا ہوں .....

دورِ جاہلیت کے تمام اعزازات اور مناصب کالعدم کئے جاتے ہیں، ماسوائے سدانۃ (کعبہ کی دیکھ بھال کا شعبہ) اور سقایہ (حاجیوں کے شعبہ آب رسانی) کے۔

.....قتل عمد کا قصاص لیا جائے گا۔ شبہ قتل عمد جو لاٹھی یا پتھر (کی ضرب) سے وقوع میں آئے، اس کی دیت سو اونٹ مقرر کی جاتی ہے جو اس میں اضافہ کرے، سو وہ اہل جاہلیت میں شامل ہوگا۔

.....اے لوگو! شیطان (نظامِ حق کے چھا جانے کے بعد) اس بات سے تو نا امید ہوگیا ہے کہ اب تمہاری اس سرزمین میں اس کی عبادت کی جائے گی لیکن وہ اس پر بھی خوش ہوگا کہ اس کے علاوہ ان دوسرے گناہوں میں اس کی طاعت کی جائے جن کو تم ہلکا سمجھتے ہو۔

..... اے لوگو! مہینوں (یعنی حرام مہینوں) کا ادل بدل کفر کے طرز عمل میں اضافہ ہے اور اس کے ذریعہ کفار اور زیادہ گمراہی میں پڑتے ہیں کہ ایک سال کسی مہینے کو حلال کر دیتے ہیں اور دوسرے سال حرام ٹھہرا لیتے ہیں تاکہ (آگے پیچھے کر کے) خدا کے حرام کردہ مہینوں کی فقط گنتی پوری کر دیں۔

..... یقیناً آج زمانہ پھر پھر کر اسی حالت پر آ گیا ہے جو اس وقت تھی۔ جبکہ خدا نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ یعنی اللہ کی بارگاہ میں مہینوں کی تعداد قطعی طور پر بارہ ہے اور جب سے اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، یہ تعداد اس کتاب (نوشتہ تقدیر) میں اسی طرح ثبت ہے۔ ان میں چار مہینے حرام ہیں ..... تین متواتر، یعنی ذوقعدہ، ذی الحجہ اور محرم اور ایک اکیلا الگ، یعنی رجب جو جمادی الاخریٰ اور شعبان کے درمیان ہے۔

.....آگاہ رہو کہ میں نے بات پہنچادی۔اے اللہ تو خود بھی گواہ رہیو!!

.....اے لوگو! تمہاری خواتین کو تمہارے مقابلے میں کچھ حقوق دیئے گئے ہیں اور تمہیں ان کے مقابلے میں حقوق دیئے گئے ہیں۔ان پر لازم ہے کہ وہ تمہاری خوابگاہوں میں تمہارے علاوہ کسی کو نہ آنے دیں اور کسی ایسے شخص کو(گھر میں) تمہاری اجازت کے بغیر داخل نہ ہونے دیں جس کا داخل ہونا تمہیں پسند نہ ہو اور کسی بے حیائی کا ارتکاب نہ کریں۔اگر وہ کوئی ایسی بات کریں تو تم کو اللہ نے اجازت دی ہے کہ (ان کی اصلاح کے لئے) ان کو جدا کر سکتے ہو۔ خوابگاہوں سے الگ کر سکتے ہو اور ایسی بدنی سزا دے سکتے ہو جو نشان ڈالنے والی نہ ہو۔پھر اگر وہ باز آجائیں اور تمہاری اطاعت میں چلیں تو قاعدے کے مطابق ان کا نان نفقہ تمہارے ذمہ ہے۔یقیناً خواتین تمہارے زیر نگیں ہیں جو اپنے لئے بطور

خود کچھ نہ کر سکتیں ۔تم نے ان کو اللہ کی امانت کے طور پر اپنی رفاقت میں لیا ہے اور ان کے جسموں کو اللہ ہی کے قانون کے تحت تصرف میں لیا ہے، سو خواتین کے معاملے میں خدا سے ڈرو اور بھلے طریق سے ان کی تربیت کرو۔

.....آگاہ رہو کہ میں نے بات پہنچادی۔اے اللہ تو خود بھی گواہ رہیو!!

.....اے لوگو! مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔کسی شخص کے لئے اس کے بھائی کا مال (لینا) اس کی رضامندی کے بغیر جائز نہیں ہے!

.....آگاہ رہو کہ میں نے بات پہنچادی۔اے اللہ! تو خود بھی گواہ رہیو!!

.....سو میرے بعد کہیں (اس اُخوت کو ترک کر کے) پھر کافرانہ ڈھنگ اختیار کر کے ایک دوسرے کی گردنیں نہ

کاٹنے لگنا۔

.....میں تمہارے درمیان ایک ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ جب تک اس پر کاربند ہو گے، کبھی راہِ راست سے نہ ہٹو گے۔ وہ ہے اللہ کی کتاب!!

.....آگاہ رہو کہ میں نے بات پہنچادی۔ اے اللہ تو خود بھی گواہ رہیو!!

.....اے لوگو! تمہارا رب ایک ہی ہے اور تمہارا ابو لآ باء بھی ایک ہی ہے۔ تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے پیدا کئے گئے۔ اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت مند وہ ہے جو زیادہ تقویٰ دکھانے والا ہے۔ کسی عربی کو عجمی کے مقابلے میں کوئی برتری حاصل نہیں اور نہ کسی عجمی کے لئے عربی کے مقابلے میں برتری ہے۔ کوئی برتری ہے تو تقویٰ کی بناء پر ہے۔

.....آگاہ رہو کہ میں نے بات پہنچادی۔ اے اللہ تو خود

بھی گواہ رہیو!!

..... اور تم لوگوں سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا تو اب تم بتاؤ کہ کیا کہو گے؟

لوگوں نے پکار کر کہا: ''ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپؐ نے پیغام پہنچا دیا۔ اُمت کو نصیحت کرنے کا حق ادا کر دیا ..... حقیقت سے سارے پردے اٹھا دیئے اور امامتِ الٰہی کو ہم تک کما حقہ پہنچا دیا۔''!!

..... اے اللہ تو گواہ رہیو! اے اللہ تو گواہ رہیو!! اے اللہ تو گواہ رہیو!!!

..... جو لوگ یہاں موجود ہیں، وہ یہ باتیں غیر حاضر لوگوں تک پہنچا دیں۔ ممکن ہے بعض سامعین کے مقابلے میں بعض غیر حاضر لوگ ان باتوں کو زیادہ اچھی طرح یاد رکھیں اور ان کی حفاظت کریں۔

.....اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے میراث میں سے ہر وارث کے لئے ثابت کردہ حصہ مقرر کر دیا ہے اور ایک تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کرنا جائز نہیں ہے۔

.....بچہ اس کا جس کے بستر پر (نکاح میں) تولد ہو اور بدکار کے لئے پتھر۔

.....جس نے اپنے باپ کے بجائے کسی دوسرے کو باپ قرار دیا، یا جس غلام نے اپنے آقا کے علاوہ کسی اور کو آقا ظاہر کیا تو ایسے شخص پر اللہ اور فرشتوں اور تمام انسانوں کی طرف سے لعنت ہے۔ اس سے (قیامت کے دن) کوئی بدلہ یا عوض قبول نہ ہوگا۔

.....تم پر اللہ کی طرف سے سلامتی ہو اور اس کی رحمتیں نازل ہوں!

خطبہ منیٰ.....

اے لوگو! میرے بعد کوئی نیا نبی آنے والا نہیں ہے اور نہ تمہارے بعد کوئی اور امت برپا کی جانب والی ہے۔ پس غور سے سنو اور اپنے رب کی عبادت میں لگے رہو۔ نماز پنجگانہ قائم کرتے رہو۔ اپنے رب کے حرم پاک کا حج کرتے رہو اور اپنے امراء و حکام کی اطاعت پر کاربند رہو..... تاکہ اپنے رب کی جنت میں جگہ پا سکو۔"

بین الانسانی منشور ہونے کے لحاظ سے ان خطبوں میں جو کچھ محسنِ انسانیت نے پیش فرمادیا ہے، انسانی کاوشیں اس سے آگے کچھ سوچ نہیں سکیں۔ بلکہ کوئی دوسرا نظامِ تمدن وہ معیارِ انسانیت عملاً پیدا نہیں کر سکا جو اس منشور میں دیا گیا ہے۔ اس میں خدا کی توحید کے انقلابی عقیدے کا اعلان ہے۔ اس کی عبودیت کو نظامِ حیات کی روح کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اس میں مسلمانوں کے لئے ایک دوسرے کے جان و مال محترم ٹھہرائے گئے ہیں اور قتل کا قصاص لینا لازم کر دیا گیا ہے۔ اس

میں سود خواری کے جاہلی نظام کو ملیامیٹ کر دینے کا فیصلہ ہے۔ اس میں دورِ اسلام سے قبل کے انتقامی چکر کو توڑ دیا گیا ہے۔ اس میں جاہلیت کے اعزازات اور مناصب کو ختم کیا گیا ہے۔ اس میں زوجین کے حقوق ہیں۔ اس میں خاندانی نظام کو بنا محکم کی گئی ہے۔ اس میں خواتین کو اللہ کی امانت قرار دے کر اس سے حسنِ سلوک کی تاکید کی گئی ہے اور ان کے زیرِ نگیں ہونے کا لحاظ دلایا گیا ہے۔ اس میں دینِ حق کے علمبرداروں کے درمیان اخوت کا رشتہ لازم قرار دیا گیا ہے۔ کتابِ الٰہی کو نظامِ الٰہی کا ضابطہ اساسی قرار دیا گیا ہے۔ وحدتِ رب اور وحدتِ آدم کی بناء پر وحدتِ انسانیت کا تصور دیا گیا ہے اور وطنی اور نسلی تفریقوں کو بے وقعت بنا دیا گیا ہے اور اس میں عزت و عظمت کا معیار خدا پرستانہ اور متقیانہ کردار کو معین کیا گیا ہے۔

جب کبھی بھی اور جہاں کہیں بھی اسلامی تحریک چلے گی اور نظامِ حق استوار ہوگا، اس کی بنیادیں بہر حال ان ہی اٹل

Source: www.prophetmuhammadforall.org

نظریات وتصورات پر رکھی جائیں گی۔ یہ منشور اسلام کا بنیادی منشور ہے اور اس کی طرف انسانیت کو بلایا جاسکتا ہے۔ ان کلمات حقیقت افروز سے ہٹ کر زندگی کا جو نقشہ بھی بنایا جائے گا، وہ غیر اسلامی ہوگا، اور کوئی سچا مسلمان اس پر مطمئن اور راضی نہیں ہوسکتا۔ یہی منشور، کسوٹی ہے جس پر ہم مسلمان اپنی ہر جماعت کی دعوت اور اپنی ہر قیادت کے کارنامے کو پرکھ سکتے ہیں اور اپنی حکومت کے ایک ایک اقدامات کی جانچ کرسکتے ہیں۔ یہ منشور آئینہ ہے جس میں ہمیں اپنے چہرے بھی دکھائی دے سکتے ہیں اور جس میں ہم غیر اسلامی تمدنوں کی حقیقت کا عکس بھی دیکھ سکتے ہیں۔

یہ ہمارے محبوب نبیؐ کا آخری پیغام ہے اور اس میں ہم ہی مخاطب بنائے گئے ہیں۔ اس کی نوعیت پیغمبر پاک کی وصیت کی سی ہے۔ اس کے ایک ایک بول پر حضورؐ نے درد بھرے انداز سے آواز بلند کی ہے میں نے بات پہنچادی۔ چاہئے کہ اسے

پڑھ کر ہماری روحیں چونک جائیں ۔ ہمارے جذبے جاگ اٹھیں، ہمارے دل دھڑکنے لگیں اور ہم اپنے اب تک کی روش پر نادم ہوکر اور کافرانہ نظاموں کی مرعوبیت کا قلادہ گردنوں سے نکال کر محسنِ انسانیت کا دامن تھام لیں ۔اس مشن کو لے کے اُٹھ کھڑے ہوں جس کی کامیابی کے لئے حضورؐ نے وہ اذیتیں بھگتی ہیں کہ اتنے بڑے صبر اور حلم کی مثال نہیں ملتی ۔

حضورؐ نے حج کے تمام ارکان و مناسک باطمینان ادا فرمائے ۔جماعت کے عام لوگوں سے بہ کثرت میل جول رہا۔ لوگوں نے اس موقع پر کثرت سے مسائل پوچھے ۔اور بالآخر طواف وداع کے بعد اس مبارک سفر سے واپسی ہوئی ۔

یہ تھا نظامِ دینی کی تکمیل کا منظر اور یہ تھا اِتمام نبوت کا واضح سماں!! ..... یہ سواء ، ڈیڑھ لاکھ انسانوں کا انبوہ جس رضا کارانہ اور والہانہ جذبہ سے آیا تھا، اس سے بڑھ کر اور کیا

شہادت ہوگی، اس بات کی کہ اسلامی تحریک نے اصل معرکہ رائے عام کے میدان میں سر کیا اور قلوب کے اندرون سے تبدیلی پیدا کر کے باہر کا سارا نقشہ زندگی بدل دیا۔

محسنؐ انسانیت کے بعد

یہاں تک تو اس کام کا نقشہ ہم نے عرض کیا ہے جو حضورؐ نے اپنی قیادت میں سر انجام دیا، اس کے جلد ہی بعد حضورؐ کا وصال ہوا، مگر آپؐ کی تربیت دادہ جماعت نے اسے جاری رکھا اور اسلامی تحریک دس پندرہ برس میں وسیع خطوں میں چھا گئی۔

حجۃ الوداع میں جس انداز سے نبی اکرمؐ نے حصہ لیا، اپنی جماعت سے جس طرح خطاب فرمایا، لوگوں کو جس طرح مختلف تاکیدیں اور وصیتیں کیں وہ سب بتا رہی تھیں کہ حضورؐ اجتماعی طور پر الوداع کہہ رہے ہیں۔ واپسی پر غدیر خم (ایک تالاب) کے پاس پڑاؤ ڈالا اور وہاں پھر ایک خطاب خاص

رفقاء سے کیا، اس میں وہی الوداعی رنگ اور زیادہ اُبھر آیا۔ بول ایسے ہیں کہ ان کو سن کر دلوں پر رقت طاری ہوگئی ہوگی۔ پہلے اپنی محکم سنت کے مطابق خدا کی حمد وثناء کی، پھر فرمایا:-

"اس کے بعد (کہنا یہ ہے کہ) اے لوگو! میں بہر حال ایک انسان ہو۔ شاید جلد ہی میرے پاس خدا کا (بلاوا لے کر) قاصد آ پہنچے اور میں لبیک کہوں۔ میں ذمہ داری کے دو بوجھ تمہارے اندر چھوڑے جا رہا ہوں۔ ان میں سے ایک خدا کی کتاب ہے جس میں ضابطہ حیات اور روشنی وحکمت ہے۔ سو خدا کی کتاب کو تھام لو اور اسی سے رہنمائی حاصل کرو"۔ (پھر قرآن کی طرف بہت ہی ترغیب وتشویق دلائی) پھر فرمایا:

"اور دوسرے میرے گھر کے لوگ ہیں۔ اپنے گھر کے لوگوں کے بارے میں میں تمہیں خدا ہی کی یاد دلاتا ہوں۔"

اس خطبہ میں حضورؐ نے ایک تو ان ضلالتوں کا دروازہ

بند کر دیا جو انبیاء کو فوق البشر اور غیر بشر قرار دینے والوں نے پیدا کیں اور جن کی انتہا یہ ہوئی کہ جو ہستیاں خدا کو "لم یلد ولم یولد" کی شان صمدیت کے ساتھ منوانے آئی تھیں، غلو پسندوں نے انہی کو اٹھا کے خدا کی اولاد اور خدائی میں شریک بنا ڈالا۔ نیز ان کو قانونِ موت سے ماورا فرض کر کے غیبوبت کے تصورات تراشے اور ان کے لئے حیاتِ جسمانی و عنصری کے دوام کے عقیدے پیدا کئے۔ حضورؐ نے رخصت کا لمحہ آنے سے قبل رفقاء کو آگاہ کر دیا کہ میں انسان ہوں اور انسانوں کی طرح موت کا قانون مجھ پر بھی نافذ ہوگا۔ پھر تاکید یہ فرمائی کہ کتاب الٰہی کو اساسی ضابطہ حیات کی حیثیت سے قائم رکھنا، اسی سے رہنمائی لے کر زندگی کا نظام چلانا۔ یہ تم لوگوں کے لئے بہت بوجھل ذمہ داری ہے۔ اس لئے اس ذمہ داری کا اچھی طرح احساس کرو، اسی کے ساتھ ساتھ اپنے اہل و عیال اپنے گھر والوں اور اپنے ان قریبی عزیزوں کے بارے میں بغیر صراحت کے توجہ دلائی

کہ ان سے متعلق تم پر بھی کچھ ذمہ داریاں ہیں۔ ایک طرف حضورؐ کے اہل وعیال آپؐ کی نجی زندگی کے شاہد اور آپؐ کے معمولات کو قریب سے دیکھنے والے اور آپ، کی تعلیمات کے پوری طرح امانت دار تھے۔ اور اس لحاظ سے وہ امت کے لئے ایک قیمتی ذریعہ تعلیم تھے۔ دوسری طرف حضورؐ نے نہ ان کے لئے خزانے جمع کئے۔ نہ میراث چھوڑی۔ نہ جائیداد بنائی۔ بلکہ زندگی میں بھی ان کو درویشانہ معاشرت سے گذارا اور ان کا مستقبل بھی بغیر کسی سروسامان کے اللہ کے حوالے کردیا۔ ظاہر بات ہے کہ حضورؐ کے بعد ان کے بارے میں جماعت پر بڑی بھاری ذمہ داری عائد ہوتی تھی۔ مگر حضورؐ کو فقر غیور نے اجازت نہ دی کہ بات اشارے سے آگے جائے۔

اسی خطبہ میں اس کے بعد جماعت سے ایک بات اور بھی حضورؐ نے فرمائی جس کے لئے ایک غیر معمولی ضرورت داعی ہوئی تھی۔ قصہ یوں ہوا کہ جو حضرات صحابہ علی مرتضی کے

ساتھ یمن بھیجے گئے تھے۔ کسی بات پر ان کا حضرت علیؓ سے کھچاؤ ہوگیا۔ درحقیقت بڑے بڑے کام کرنے کے دوران میں مزاجوں کے فرق کے ساتھ رایوں کے اختلاف کے بہت سی سخت مواقع آتے ہیں۔ کبھی بحثوں میں تلخی بھی آجاتی ہے اور اس کی وجہ سے دلوں پر کچھ دیر کے لئے تکدر بھی رہ جاتا ہے۔ انسانوں سے بنی ہوئی جماعتیں چاہے وہ خالص دینی خدمات کے لئے بنی ہوں اور چاہے ان کی قیادت پر انبیاء جیسی منتخب روزگار ہستیاں کیوں نہ موجود ہوں۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ انسانی فطرت کو ان کوں داعیات و محرکات سے خالی ہوکر بالکل سپاٹ بن جائے۔ اختلافاتِ آراء کی نیرنگیاں اور جذبات کے مدوجزر بہترین اور صالح ترین معاشروں میں بھی ہوسکتے ہیں اور اسی لئے بڑے بڑے کام وہی عالی ظرف لوگ انجام دے سکتے ہیں جو ناگواریوں کے باوجود ایک دوسرے سازگاری کرسکیں۔ ناگواریاں صحابہ کرامؓ کی جماعت میں کبھی کبھار

ابھریں۔ مگر یہ ان ہی ہستیوں کے ظرف تھے کہ پھر بھی ان میں سازگاری قائم رہی اور تکدر آیا تو عارضی نوعیت کا آیا۔ کچھ ایسی ہی صورت اس معاملہ میں بھی پیش آئی تھی۔ خصوصاً حضرت بریدہ کے دل پر اختلاف کا اثر اتنا شدید تھا کہ انہوں نے بارگاہِ رسالت میں شکایت کر دی مگر حضرت علیؓ جیسی درجہ اول کی شخصیت کے بارے میں شکایات کا پیدا ہونا۔ دیر تک قائم رہنا، پرورش پانا، ذاتی رنج میں بدل جانا، اور پھر حضورؐ کے سامنے پیش بھی ہونا، ذرا سخت نوعیت رکھتا تھا۔ سن کر حضورؐ کو دلی اذیت ہوئی اور چہرہ کا رنگ متغیر ہو گیا۔ اس پس منظر کے ساتھ آپؐ نے اپنے معمول کے مطابق کسی کا نام لئے بغیر جماعت سے فرمایا۔

"جس کا میں رفیق ہوں، علیؓ بھی اس کا رفیق ہے۔ اے اللہ! جو علیؓ کو دوست رکھے، تو بھی اسے دوست رکھ اور جو علیؓ سے دشمنی رکھے، تو بھی اس سے دشمنی رکھ!"

بڑی صاف بات تھی کہ حضورؐ جس پاک تحریک میں تن

Source: www.prophetmuhammadforall.org

سن دھن لگا بیٹھے تھے۔عین اسی میں حضرت علیؓ نے بھی متاعِ حیات کی بازی لگا رکھی تھی۔ایک ہی دعوت کے داعی، ایک ہی مشن کے علمبردار، ایک ہی ذہن سے سوچنے والے، ایک ہی رخ پر چلنے والے.....اور پھر وہ باہم دگر ایسے عزیز قریبی بھی کہ دونوں کے درمیان پانی نہ گزر سکتا ہو..... کیسے اس بات کی گنجائش نکل سکتی ہے کہ دونوں میں سے ایک سے محبت رکھی جائے اور دوسرے سے تکدر ہو۔ٹھیک وہی دلیل جو "لانفرق بین احد من رسلہ" میں پائی جاتی ہے، وہی تو حضورؐ اور آپؐ کے قریب ترین تربیت یافتہ صحابیوں کے بارے میں پائی جاتی ہے۔آخر وہ پوری جماعت جو عقیدہ، اصول اور مقصد کے رشتہ اخوت میں پروئی ہوئی تھی اور پھر اس میں سے وہ صفِ اول جسے حضورؐ نے اپنے گرد جمع کر کے قیادت کے لئے تربیت خاص دی تھی، اس میں تفریق کر کے کسی کے ساتھ محبت اور کسی کے ساتھ رنج رکھنے کا موقع کیسے نکل سکتا تھا۔حضورؐ کو اذیت اس بات سے

ہوئی کہ جس جماعت کو آپؐ نے برسوں تربیت دی تھی، اگر اس میں جذبہ اخوت کی اساسی قدر عی اتنی کمزور ہے کہ اس کے بہترین اور ممتاز افراد سے رنجشیں رکھی جانے لگیں، نیز راویوں کا اختلاف ذاتی کدورتوں پر منتج ہونے لگے اور کدورتیں طول کھینچنے لگیں تو پھر اس عظیم نصب العین کو لے کر آگے کیسے چلا جائے گا۔ حضورؐ کو اپنا وقتِ رحلت قریب دکھائی دے رہا تھا اور آپؐ اسی کاوش میں تھے کہ اب سارا بارگراں جماعت کے کندھوں پر کھا جانے والا ہے اور آئندہ جماعت کو حضورؐ کے بجائے قیادت کی اس صف کے چلنا ہوگا جس میں حضورؐ نے اپنے معتمد ترین ساتھیوں کو شریک کر کے بڑی لمبی تربیت دی تھی اور جس کے ایک ایک فرد سے حضورؐ کو دلی محبت تھی۔ بنابریں آپؐ نے بڑے سخت انداز میں تنبیہ کی لوگوں نے نہ جانے اس میں سے کیسے جانشین کی نامزدگی کا فلسفہ برآمد کر لیا۔

ضمناً یہ بات چل نکلی ورنہ ہمارا اصل منشا یہ دکھانا تھا کہ

Source: www.prophetmuhammadforall.org

حضورؐ پر حجۃ الوداع کے پورے سفر میں یہ احساس طاری رہا کہ اب اُدھر کا بلاوا آنے والا ہے۔ اسی تاثر کے ساتھ آپ مختلف تاکیدیں اور وصیتیں فرماتے رہے۔

ماہِ صفر ۱۱ھ کے آغاز ہی سے سفرِ آخرت کے لئے محسنِ انسانیت کی روح پاک نے تیاریاں شروع کر دیں۔ ایک روز اُحد تشریف لے گئے اور شہدائے اُحد کے لئے سربسجود ہو کر دعا کی، واپس آ کر پھر ذیل کا خطبہ دیا:-

لوگو! میں تم سے پہلے رخصت ہونے والا ہوں اور خدا کے سامنے تمہارے متعلق شہادت دینے والا ہوں۔ واللہ! میں حوضِ کوثر کو یہاں سے دیکھ رہا ہوں۔ مجھے سلطنتوں کے خزانوں کی کنجیاں تفویض کر دی گئی ہیں (یعنی مختلف ممالک دعوتِ حق کے نتیجے میں فتح ہونے والے ہیں) مجھے یہ اندیشہ نہیں کہ تم میرے بعد مشرف ہو جاؤ گے، ڈر یہ ہے کہ دنیوی مفاد کی کشمکش میں نہ

پڑ جاؤ۔"

پھر آدھی رات کو کورستان بقیع میں جا کر اہل قبور کے لئے دعا مغفرت فرمائی اور فرمایا کہ "ہم بھی جلد ہی تم سے آ ملنے والے ہیں" پھر ایک روز بطور خاص رفقاء جماعت کو جمع کیا اور خطاب فرمایا کہ:-

"مرحبا! اے مسلمانو! اللہ تمہیں اپنی رحمت میں رکھے، تمہاری شکستہ حالی دور فرمائے، تمہیں رزق دے، تمہاری مدد کرے، تمہیں عروج دے، تمہیں با من و امان رکھے، میں تم کو اللہ کے تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں اور تم کو اللہ ہی کی نگرانی میں سونپتا ہوں تم کو اسی سے ڈراتا ہوں، کیونکہ میں کھلا کھلا متنبہ کرنے والا ہوں۔ دیکھو اللہ کی بستیوں میں اس کے بندوں کے درمیان تکبر اور سرکشی کی روش اختیار نہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اور تمہیں فرمایا ہے۔ (آیت: "تلک الدار الاخرۃ....." الخ تلاوت فرمائی) کہ یہ آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کے لئے خاص کریں گے جو زمین

Source: www.prophetmuhammadforall.org

میں سرکشی اور فساد مچانے کی نیت نہ رکھتے ہوں، اور عاقبت (کی کامیابی) تو ہے ہی متقین کے لئے! سلام ہو تم سب پر اور ان سارے لوگوں پر جو اسلام قبول کر کے میری بیعت میں داخل ہوں گے۔"

کورستانِ بقیع سے واپسی پر ہی ہلکا ہلکا دردِ سر شروع ہوا۔ پھر صفر کی انتیسویں تاریخ کو ایک جنازہ کے ساتھ جاتے آتے ہوئے اس میں شدت آئی۔ مرض کے ابتدائی ہلکے حملے کے دوران میں گیارہ روز تک مسجد میں تشریف لا کر خود ہی امامت فرماتے رہے۔ شدت مرض میں گھر کے اندر بالکل صاحب فراش رہنے کی مدت ایک ہی ہفتہ ہے۔ تکلیف بڑھنے پر ازواج سے اجازت لے کر حضرت عائشہؓ کے حجرے میں آ گئے۔

مرض الموت میں بھی تحریکِ حق کی ذمہ داریاں پوری طرح سامنے رہیں۔ تبوک اور موتہ کے معرکے حصولِ مقصد کے لحاظ سے ابھی تکمیل طلب تھے۔ اگر ذرا بھی لاہیل برتی جاتی تو

مخالف سلطنت شیر ہو جاتی اس لئے اسی حالت میں بتاریخ ۲۶ رصفر لوگوں کو غزوہ روم کی تیاری کا حکم دیا اور دوسرے دن حضرت اسامہ بن زید کو اس مہم کا افسر اعلیٰ مقرر فرمایا۔ فرمایا "جاؤ، اللہ کے نام سے..... اپنے بات کے مقام شہادت تک پہنچو۔ اور جو خدا کا انکار کرے۔ اس پر حملہ کرو۔ اپنے ہاتھوں سے علم تیار فرا کر بریدہ بن حصیب اسلمی کو سونپا۔ دو ایک آدمیوں نے حضرت اسامہ کی کم عمری (اور کچھ خاندانی مرتبے) کی بناء پر چہ می گوئیاں کیں کہ ایسے ایک لڑکے کو بڑے بڑے مہاجرین و انصار پر امیر کیوں مقرر کیا گیا ہے؟ حضورؐ نے سنا تو سخت رنجیدہ ہوئے اور سخت تکلیف کے باوجود سر پر پٹی باندھ کر مسجد میں تشریف لائے اور ٹھیک غدیر خم کے سے انداز میں خطاب کیا کہ:

"مجھے اطلاع ملی ہے کہ تم نے اسامہ کے متعلق ایسی ایسی باتیں کہی ہیں اس سے پہلے اس کے باپ کے امیر مقرر ہونے پر بھی تم لوگ اعتراض اٹھا چکے ہو..... حالانکہ خدا کی قسم وہ اس منصب

کا مستحق تھا اور حج اس کے بعد اس کا بیٹا بھی اس کا اہل ہے وہ زید بن حارثہ بھی ہم کو سب سے زیادہ عزیز تھا اور اس کے بعد اس کا بیٹا (اسامہ بن زید) بھی ہمیں سب سے زیادہ محبوب ہے"۔

اس سے قبل (وفات سے پانچ یوم پہلے) سات مشک پانی ڈلوایا۔ اس غسل سے طبیعت ذرا ہلکی ہوئی تو سہارا لے کر مسجد میں تشریف لے گئے اور وہاں مقصد کے ساتھیوں سے آخری خطاب فرمایا:

"تم سے پہلے ایسے لوگ گذرے ہیں جنہوں نے انبیاء وصلحاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا تھا۔ تم ایسا نہ کرنا۔ میری قبر کو میرے بعد سجدہ گاہ نہ بنالینا۔ اس گروہ پر اللہ کا سخت غضب مقدر ہوا۔ جس نے قبور انبیاء کو سجدہ گاہیں بنادیا۔ میں تمہیں اس سے منع کر رہا ہوں۔ دیکھو، میں نے بات پہنچادی۔ الٰہی تو خود اس کا گواہ ہے"۔

پھر نماز پڑھائی اور نماز کے بعد پھر فرمایا:

"میں تم کو انصار کے حق میں خاص تاکید کرتا ہوں۔ یہ لوگ میرے جسم کے پیرہن اور میرے لئے زادراہ رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے حصے کی ذمہ داریاں پوری کر دیں اور اب (تم پر) ان کے حقوق باقی ہیں۔ دوسرے لوگ پھیلیں گے اور یہ جہاں کے تہاں ہی رہ جائیں گے ان میں سے اچھا کام کرنے والوں کی قدر کرو اور لغزش کرنے والوں سے درگذر کرو۔

خدا نے اپنے ایک بندے کو اختیار دیا کہ وہ چاہے تو دنیا و مافیہا کو قبول کرے اور چاہے تو وہ کچھ قبول کرے جو خدا کی بارگاہ میں ہے تو اس بندے نے وہی کچھ انتخاب کر لیا جو اس کے لئے خدا کی بارگاہ میں ہے"۔

یوں تو اس زمانے کی ساری گفتگوؤں میں الوداعی رنگ جھلک رہا تھا۔ لیکن آخری فقرے میں اشارہ بڑا ہی صریح تھا۔

جسے حضرت ابوبکرؓ صدیق نور تبا گئے اور زار زار رونے لگے۔

نماز کی جماعت میں شرکت سے جب معذوری ہوگئی تو حضرت ابوبکرؓ کو اپنی جگہ امامت پر مامور فرما دیا۔ مرض کی شدت بڑھنے سے جماعت میں اضطراب بڑھتا گیا اور لوگ پریشانی میں بار بار مسجد کا چکر لگاتے۔ تشکین دہائی کے لئے حضورؐ حضرت علیؓ اور حضرت فضل ابن عباس کے کندھوں کا سہارا لے کر پاؤں گھسیٹتے ہوئے مسجد میں تشریف لائے اور منبر کے نچلے زینے پر بیٹھ کر بالکل آخری خطاب یہ فرمایا کہ.....

"لوگو! مجھے خبر ملی ہے کہ تم میری موت سے ڈرتے ہو۔ جتنے بھی انبیاء مبعوث ہو چکے ہیں کیا کوئی بھی ان میں سے ہمیشہ زندہ رہا۔ میں خدا سے ملنے والا ہوں اور تم بھی خدا سے ملنے والے ہو۔ میں وصیت کرتا ہوں کہ مہاجرین اولین کے ساتھ بھلائی کرو، اور میں وصیت کرتا ہوں کہ مہاجرین آپس میں حسن سلوک

کریں''۔ پھر سورہ عصر پڑھ کر فرمایا..... ''تمام معاملات خدا کے حکم پر چلتے ہیں۔ جس کام میں تاخیر ہو، اس کے لئے جلدی نہ مچاؤ۔ کسی کی عجلت پسندی کی وجہ سے خدا جلدی نہیں کرتا۔ اور میں وصیت کرتا ہوں کہ انصار کے ساتھ بھلائی کرو۔ انہوں نے تم سے پہلے مدینہ کو اپنا وطن بنایا اور ایمان کو اپنے اوپر لازم کرلیا۔ کیا انہوں نے پھلوں میں تم کو اپنا شریک نہ بنایا؟ کیا انہوں نے تمہاری خاطر مکانوں میں وسعت نہ دی؟ کیا انہوں نے باوجود احتیاج کے تم کو اپنے آپ پر ترجیح نہ دی؟ دیکھو اپنے آپ کو ان پر ترجیح نہ دو۔ سنو کہ میں پہلے جاتا ہوں اور تم بھی مجھ سے آملو گے۔ حوض پر ملنے کا وعدہ ہے۔''

ان خطبات کو مختلف روایات میں مختلف اوقات سے متعلق کیا گیا ہے۔ مگر ایک رائے یہ بھی پائی جاتی ہے اور شاید امر واقعہ یہی ہو کہ یہ ساری باتیں ایک ہی خطبہ میں کہی گئی ہوں۔

سوموار کے روز مزاج اقدس (تاریخ کے بارے میں

بڑا قابل بحث اختلاف ہے.....۱۲-۹-۱۲-۱۳ ربیع الاول کی روایات ہیں۔ لیکن ہجری اور عیسی کیلنڈروں کے لحاظ سے جب دوسرے اہم واقعات کی تاریخوں اور دنوں سے تطبیق دی جاتی ہے تو حسابی پیچیدگیاں سامنے آتی ہیں۔ مشہور عام ۱۲ ربیع الاول ہے۔ بحث و تحقیق کے امور کو ہم آئندہ کے لئے موخر چھوڑ رہے ہیں) نے آخری بار سنبھالا لیا۔ مسواک کی۔ پردہ اٹھا کر صحابہ کی جماعت کو دیکھا اور مسکرائے.....اس کے چند ہی لمحوں بعد "اللھم الرفیق الاعلی" ۔یا (فی الرفیق الاعلیٰ) تین بار فرمایا۔ اور حضرت عائشہ کی آغوش میں سر رکھے رکھے خدائے حی وقیوم سے جا ملے "آہ ہم سب کے سب خدا ہی کے مملوک ہیں اور ہمیں بھی پلٹ کر اسی کے حضور جانا ہے"۔

آج وہ ہستی دنیا سے رخصت ہو رہی تھی جس نے انسانیت کو حیات نو سے مالا مال کیا اور جس نے زندگی کے قافلے

Source: www.prophetmuhammadforall.org

کو رہزنوں کے نرغے سے نکال کر صراط مستقیم پر لانے کے لئے خوفناک اذیتیں کہیں۔ کشمکش کے سنگین مراحل پار کئے۔ مشکلات کے پہاڑ کاٹے اور پھر اس کارنامے کا کوئی صلہ وصول نہیں کیا۔

یہ سانحہ کتنا بڑا ہوگا ان رفیقوں کے لئے ..... عمر بھر کے ساتھیوں کے لئے ..... جو حضورؐ کو ایک نظر دیکھنے سے بھی نئی طاقت حاصل کرتے تھے۔ ان کی نگاہوں میں زمین و آسمان گھوم گئے ہوں گے۔ تاریخ میں زلزلہ آگیا ہوگا۔ حضرت عثمانؓ پر سکتہ طاری ہوگیا۔ حضرت علیؓ بے حس و حرکت ہوگئے۔ حضرت عبداللہ بن انیس کا دل ایسا شق ہوا کہ اسی صدمہ سے انتقال کر گئے۔ حضرت عمرؓ عقلی توازن کھو بیٹھے۔

یہ عظیم صدمہ یوں بھی ایک کوہ غم تھا۔ مصیبت یہ کہ یہ نہایت ہی خطرناک حالات میں پیش آیا۔ جبکہ ایک طرف ایک

طرف ایک رومی حکومت کی طرف سے جنگ کا خطرہ موجود تھا اور اسی لئے جیش اسامہ روانہ ہو رہا تھا۔ دوسری طرف فتنہ ارتداد اور مانعین زکوۃ کی شورش تھی۔ تیسری طرف تحریک اسلامی ارد گرد کی سلطنتوں کو دعوت دینے کے ساتھ ساتھ ہلکا سا چیلنج بھی دے چکی تھی اور داخلی مشکل یہ کہ نفاق کی دبی ہوئی رو کے ابھرنے کا اندیشہ تھا۔ مگر حضورؐ کی تربیت کا کمال تھا کہ آپؐ کی تربیت دادہ جماعت نے اپنے جذبات پر فوراً قابو پالیا۔ اور یاس اور انتشار کا شکار ہونے سے بچ کر اپنی اہم ذمہ داریوں کی انجام دہی کی فکر کی۔ محسنؐ انسانیت جیسی ہستیوں کی وفات پر رنج وغم کرنے سے زیادہ عظیم ذمہ داری جانشینوں پر یہ ہوتی ہے کہ وہ اس تحریک اور نظام کے تحفظ و استحکام کی فکر کریں۔ جس کا شیرازہ ایسے ہی لمحوں پر غفلت اور کوتاہی کرنے سے بکھر بھی سکتا ہے۔ وہ ہستی جو برسوں پورے کام کی روح رواں بنی رہتی ہے اور تمام ساتھیوں کے کامل اعتماد اور گہری محبتوں کا مرکز ہوتی ہے۔ اس

کے اٹھ جانے سے بڑا بھاری خلا اچانک پیدا ہو جاتا ہے۔ جسے اگر وقت ٹھیک سے نہ بھر لیا جائے تو بڑے خوفناک نتائج پیش آسکتے ہیں۔ حضورؐ کو تیار کردہ جماعت نے اپنے احساس ذمہ داری اور اپنی مضبوطی کردار کا بے مثل ثبوت اس واقعہ سے پیش کیا کہ فوراً اس خلاف کو بھر لیا اور نظم کے بندھن ڈھیلے نہ پڑنے دیئے۔ جانشینی کے لئے کوئی کشمکش نہیں ہوئی۔ تلوار نہیں چلی۔ شور و ہنگامہ نہیں ہوا۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں جماعت کے ارباب حل وعقد کے درمیان ایک مختصر سی گفتگو کے بعد..... جس نے اتنا بھی طول نہیں کھینچا اور جس میں اختلافی رنگ اتنی دیر بھی قائم نہیں رہا جتنا کہ آج معمولی معمولی نوعیت کی انجمنوں کے عہدوں کے لئے ہوتا ہے۔ اسلامی کی شورائی جمہوریت کے تحت حضرت ابوبکر صدیقؓ کا انتخاب عمل میں آیا جس کی توثیق مسجد نبویؐ کے اجتماع عام میں پوری جماعت کے عوامی اجتماع نے بشرح صدر کر دی۔

حضورؐ کے بعد حضورؐ کے عظیم دعوت نصب العین کو پھیلانے اور حضورؐ کی آغاز کردہ مہمات کی تکمیل تک پہنچانے میں جس عزم و بصیرت اور حسن کردار کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے زریں خدمات انجام دیں اور جس شان سے حضرت عمر فاروقؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ اور صف قیادت کے دوسرے اکابر صحابہ نے اپنا بھرپور تعاون حضورؐ کے جانشین امیر جماعت کو بہم پہنچایا۔ اس کی مثالیں انسانیت کے پاس کم ہی ہوں گی۔ محسنؐ انسانیت کے تیار کردہ انسان نے ثابت کر دیا کہ وہ بہترین نمونہ انسانیت ہے۔ وہ بے لوث کردار رکھتا ہے۔ وہ ذہانت و بصیرت میں اپنا نمونہ آپ ہے اور وہ سخت ترین حالات میں اپنی ذمہ داریوں سے غافل ہونے والا نہیں۔ چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ حضورؐ کی تربیت دی ہوئی اس جماعت اور اس کی قیادت نے چند ہی برس میں اسلامی تحریک کی شعاعیں دنیا کے کونے کونے تک پہنچا دیں اور اسلامی نظام عدل

کا سایہ رحمت جس رفتار سے حضورؐ نے خطہ ارضی پر پھیلایا تھا۔ اس میں قطعاً کوئی فرق نہیں آنے دیا۔

اللھم صل علی محمد!

دنیا میں اگر آج ہم مسلمانوں کا وجود ہے تو یہ اسی ہستی کی جانفشانیوں کے طفیل ہے۔ آج اگر سچائی اور نیکی کا کلمہ ہمارے سینوں میں نور افگن ہے تو یہ اسی مقدس وجود کا فیضان ہے۔ آج اگر زندگی کی صلاح و فلاح کے لئے ایک اصولی ضابطہ انسانیت کے سامنے موجود ہے تو یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جد وجہد کا ثمرہ ہے۔ آج اگر زندگی کا ایک بہترین نمونہ ومعیار ہماری نگاہوں کے سامنے پرتو انداز ہے تو یہ نبی اکرمؐ ہی کا پیش کردہ ہے۔ آج اگر ہمارے سینوں میں تحریک اسلامی کے احیاء کے ولولے کروٹ لے سکتے ہیں تو اسی محبوب شخصیت کی قربانیوں کی جذبہ انگیز یاد ہی سے لے سکتے ہیں۔ آج اگر ہم

اسلامی انقلاب برپا کرنے کا انداز و اسلوب سیکھ سکتے ہیں تو اسی خدائی رہنمائی کی کشمکش کی روداد ہی سے سیکھ سکتے ہیں۔ آج اگر ابنائے آدم کو حقیقت کی شعور افزاء کرنیں، اخلاق کی لازوال قدریں اور زندگی کی فلاح کے اٹل اصول ہاتھ آسکتے ہیں تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ ہی سے ہاتھ آسکتے ہیں۔ محسنؐ انسانیت جیسا داعی اور معلم اور مربی اور قائد اگر نہ مبعوث ہوا ہوتا تو کبھی وہ کار عظیم اس دور ظلمت و جہل میں سرانجام نہ پا سکتا۔ حضورؐ ہی سارے انقلاب کی روح تھے۔

ہمارے لئے اور تمام انسانوں کے لئے محسنؐ انسانیت نے اپنے آپ کو جن زہرہ گداز مخالفتوں کے سامنے کھڑا کیا۔ باطل کے خلاف کشمکش کرتے ہوئے جان جوکھوں کے جو مراحل طے کئے اور کوئی قیمت وصول کئے بغیر اپنا سب کچھ جس طرح اسلامی نظام کی اقامت میں لگا دیا۔..... اور پھر ایک دور تاریخ پیدا کیا۔ ایک پاکیزہ تمدن کو وجود دیا۔ ایک عظیم الشان امت برپا

کی۔ افکار وعلوم کی نئی دنیا میں پیدا کر دیں۔ اس کارنامے کے لئے ہمارا رونگٹا رونگٹا اپنے اور انسانیت کے محسن اعظم کا ممنو ہے۔ ہمارے بس میں نہیں کہ اس جذبہ ممنونیت کے مطابق اتنے بڑے احسان کا کسی ادنیٰ درجے میں بھی کوئی بدلہ حضورؐ کو ادا کر سکیں، اس لئے اے خداوند برتر ہم عاجز بندے تجھی سے یہ درخواست کرتے ہیں تو ہمارے جذبہ امتنان کو قبول فرما کر اپنے خزانہ رحمت سے ہمارا بدلہ ادا فرما۔ حضورؐ کی روح پر رحمتیں نازل فرما۔ برکات بھیج۔ سلامتی کی پھواریں برسا، درجات ومراتب کو بلند فرما اور حضورؐ کی دعوت اور پیغام اور تحریک کو پھر عروج دے اور اسے توسیع عطا فرما اور اپنے زیادہ سے زیادہ بندوں کو اسلامی نظام کے سایہ رحمت سے بہرہ مند کر۔ تجھی سے یہ درخواست بھی ہے کہ راقم الحروف کو اور ایک ایک مسلم بندے کو اس سعادت کی توفیق دے کہ حضورؐ کی دعوت کی مقدس امانت کے سچے امانت دار بنیں۔ اسے بنی نوع انسانی تک پہنچائیں۔ حضورؐ کی جاری

Source: www.prophetmuhammadforall.org

کردہ تحریک حق کو پھر ایک زندہ حقیقت بنائیں اور تن من دھن صرف کر کے حضورؐ کے پیش کردہ نظام عدل کو زمین پر استوار کر دیں۔ حضورؐ کے مشن کی تکمیل میں حصہ لینا بھی حضورؐ کی ممنونیت کا بہترین اظہار ہے۔

اللھم صلی علی محمد وعلی ال محمد وبارک وسلم.....!



ضمیمے.....

یہ اللہ عی کا احسان ہے کہ اس نے مجھ جیسے ادنی بندے سے یہ مبارک خدمت لی کہ میں اس کے اعلیٰ ترین بندے کی سیرت اور کارنامہ حیات کی ایک جھلک پیش کرنے میں کامیاب ہوا۔ اس خدمت کی انجام دعی میں میں اپنے فاضل پیدرووں کا بے حدشرمندہ احسان ہوں کہ جنھوں نے اس موضوع پر نہایت اعلیٰ معیار کی وسیع تصانیف چھوڑی ہیں۔ علاوہ ازیں دور حاضر کے دو اصحاب تحقیق مولانا سید ابو الاعلی مودودی اور ڈاکٹر حمید اللہ صدیقی ایم اے پی ایچ ڈی کا بہت عی زیادہ ممنوں ہوں کہ ان کے ہاں سے مجھے وہ خاص تحریک انگیز نقطہ نظر ہاتھ آیا جس نے سیرت کے بہت سے نئے پہلو میرے سامنے منکشف کئے اور میں امید کرتا ہوں کہ اس کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے

قارئین کے سامنے فکر و کاوش کی کچھ نئی راہیں کھل سکیں گی۔ علاوہ ان اصحاب کے میں اپنے ان خاص محبوں کا بار احسان بھی اپنے کندھوں پر محسوس کرتا ہوں جنہوں نے بار بار ہمت افزائی کی اور متواتر مجھے اسے خدمت کے لئے اکسایا۔ یہ حضرات بار بار اس کی تکمیل کی تمنائے بے تاب لئے ہوئے مجھ سے ملتے رہے۔ اور راہوار قلم کو رواں کراتے رہے۔ خدا ان سارے بزرگوں اور احباب کو جزائے خیر دے۔

اب تک یہ کام جن حالات میں ہوا ہے وہ بالکل ناگفتنی ہیں۔ کتنی بار اسے ہاتھ میں لیا۔ لیکن چند روز کے کام کے بعد تعطل کے لمبے لمبے وقفے حائل ہوتے رہے۔ بسا اوقات مہینوں ایک حرف نہیں لکھا جا سکا مگر مسافر شوق تھا کہ جسے بار بار گرنے پر کوئی غیر مرئی طاقت پھر اٹھا دیتی رہی۔ ایک دن یکا یک ذہن میں یہ خیال القا ہوا کہ غالباً اللہ تعالیٰ کی رضاء یہ ہوئی کہ تم جس عظیم ہستی کی زندگی کا عکس دنیا کو دکھانے چلے ہو، اس کے

تجربوں کا سوال، ہزاروں حصہ تو تمہیں بھی چکھنا چاہئے۔ ورنہ تحریر میں وہ روح کیسے آئے گی۔ اس خیال نے ارادے کو اتنی مضبوطی دی کہ جب بھی اپنے آپ سے کام لینا ممکن ہوا، ہر طریق سے لیا۔ کتاب کا نصف آخر ایسا ہے کہ جس کا بیشتر حصہ بستر پر لیٹ کر لکھا گیا ہے۔ گویا میں نے اپنی ہستی کو اس کام میں بالکل نچوڑ نچوڑ کر صرف کیا ہے۔ بنا بریں توقع ہے کہ خدا اسے قبول فرمائے گا۔ اور ذریعہ خیر و فلاح بنائے گا۔

کام جو ہو چکا یہ اس سے بہت کم ہے جو مجوزہ خاکہ کے مطابق کرنا باقی ہے۔ غالباً دو تین جلدوں تک پھیلے گا۔ اس وقت درحقیقت ایک ہی طویل مبحث پیش کیا ہے۔ جو اپنی جگہ مفصل اس لحاظ سے تو ہے کہ اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روداد کشمکش بڑی حد تک آ گئی ہے۔ مگر یہ دوسرے پہلوؤں سے تشنہ بھی ہے کیونکہ سیرت پاک کے بہت سے اہم گوشوں کو سرے سے اس میں چھیڑا ہی نہیں گیا۔ اس وجہ سے یہ اندیشہ بھی ہے کہ

بعض اصحاب اس کے مطالعہ سے کسی غلط فہمی میں نہ پڑیں۔ اسی لئے بقیہ کام کا خاکہ پیش کر دینا ضروری ہے۔ وہ حسب ذیل ہے۔

..... اس جغرافی و تمدنی ماحول کی یکاسی جس میں حضورؐ کی بعثت ہوئی۔

..... حضورؐ کے پیغام اور نصب العین کی وضاحت ..... اس حقیقت کی تفصیل کہ آپؐ انسانی زندگی میں کیا بنیادی تبدیلیاں کرنے اٹھے تھے۔ نیز حضورؐ کی دعوت کی نوعیت اور دائرہ کار کیا تھا؟

..... حضورؐ کی قائدانہ بصیرت اور سیاسی حکمت کا مطالعہ۔

..... حضورؐ کی دعوت کے نتیجے میں کیسا انسان تیار ہوا۔

..... خواتین نے کس کس طرح حضورؐ کی جدوجہد میں تعاون کیا؟

..... ایک مستقل جلد میں حضورؐ کے پورے تعمیری کارنامہ کی روداد اس انداز میں پیش کرنے کا ارادہ ہے کہ دور حاضر میں اس سے عملی رہنمائی حاصل کی جا سکے۔ زندگی کے ایک ایک شعبے کو جن نئے اصولوں پر، جس حکمت اور تدریج سے حضورؐ نے استوار کیا، اسے متعدد مقالات میں لایا جائے۔ مثلاً الہامی حکمت کی اشاعت، معاشرے کے بالغوں اور نئی نسلوں کے لئے نظام تعلیم کی تاسیس، اخلاق عامہ کی تعمیر، معاشی اصلاح و ترقی، دفاعی تنظیم اور اس کے استحکامات، سیاسی ہیئت کی تشکیل نو، معاشرت اور ثقافت کی تجدید، اسلامی نظام عدل کا نفاذ، صف قیادت کی تربیت، بین الاقوامی تعلقات کی استواری اور دوسرے مختلف تعمیری اقدامات کو ان کی اصولی روح اور ان کی عملی تدابیر کے ساتھ کھول کر بیان کیا جائے۔

..... حضورؐ کی اسلامی حکومت کی دفاعی اور فوجی کارروائیوں کی تفصیلی روداد۔

..... عین ممکن ہے کہ ایک مستقل جلد میں معترضین کے اعتراضات پر بحث کی جائے نیز واقعات اور شخصیتوں اور اہم تاریخوں کے تعین میں روایات کے جو اختلافات پائے جاتے ہیں، ان پر تحقیقی نظر ڈالی جائے۔

..... سیرت نبویؐ کے مآخذ اور اس موضوع پر اب تک کے علمی کاموں پر کسی قدر ناقدانہ نظر ڈالی جائے گی۔

..... ساتھ کے ساتھ متعدد اہم نقشوں کی تیاری مدنظر ہے جن کو سامنے رکھنے سے واقعات زیادہ اچھی طرح سمجھ میں آسکتے ہیں۔ اس میدان میں کچھ نہ کچھ کام ..... اور خاصا قیمتی کام ..... ہو چکا ہے۔ ارادہ ہے کہ اسے آگے اور بڑھایا جائے۔ بعید نہیں کہ محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور تحریک اسلامی کے متعلق ایک مستقل اٹلس مرتب ہو جائے۔ کتاب میں شامل ہونے والی متفرق معلومات کو ایک بڑے دیواری نقشہ

سیرت میں یکجا کر دینے کا خیال بھی ہے۔

اس کتاب کے تراجم کم سے کم انگریزی، عربی، بنگلہ اور ہندی میں کرانے کی تمنا ہے۔ اس طرح اس کا دائرہ اثر وسیع ہو جائے گا۔

خدا سے دعا ہے کہ وہ ان ارادوں کو جامہ عمل پہنانے کی توفیق دے اور اس عظیم کام کے لئے جن حالات و اسباب کی ضرورت ہے وہ اپنے خزانہ رحمت سے بہم پہنچائے۔

(نعیم صدیقی / جمعۃ المبارک / مارچ ۱۹۶۰ء)